# فری میسنز،کمالیت، اور جدیدیت کا تحقیقی جایزہ:سلطان عبدالحمید کی حیات و خدمات کے تناظر میں

تدوین و تحقیق

ڈاکٹر محمد علی جنید

مصنفین

ڈاکٹر محمد علی جنید
ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

عنوانِ کتاب:
فری میسنز،کمالیت، اور جدیدیت کا تحقیقی جایزہ:سلطان عبدالحمید کی حیات و خدمات کے تناظر میں۔
نوعِ کتاب: فکر ،فلسفہ و شخصیات۔
طباعتی قسم:ای بک۔
برقی مطبع:جامعہ کراچی دارُالتحقیق برائے علم و دانش۔
محقق و تدوین کار:ڈاکٹر محمدعلی جنید۔
مصنفین:ڈاکٹر محمد علی جنید اور ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی۔
کلید:ڈاکٹر محمد علی جنید،ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی،سلطان عبدالحمید،تھیوڈور ہرزل،اسرایل ،فلسطین،نظریہ سازشیت،قبالہ،یہودیت،سیاست،اسلام،تاریخ،قبالہ و تصوف۔



www.facebook.com/groups/kurfku
www.facebook.com/kurf.ku

جامعہ کراچی دارُالتحقیق برائے علم و دانش

## انتساب

’’اس تحقیق کا انتساب میں اپنے تایا حضور جناب محمد سمیع مرحوم اور اپنی تائی ریسہ سمیع مرحومہ جنھونے ناچیز کی پرورش فرمائی تھی کو منسوب کرتا ہوں،اللہ دونوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اس ناچیز کے گناہ و خطایں معاف

فرمائے۔آمین‘‘۔

ڈاکٹر محمد علی جنید

[1] اصل عبارت و سرخی میں لفظ تصوفانہ غلط طبع ہوگیا ہے۔معج

[2] پروز: اس صفحہ پر پروز غلط ہے :صحیح ۔ غلام احمد پرویز ہے۔معج

# مقدمہ

اس خاکسار کو بہ خوبی یہ امر یاد ہے کہ ناچیز نے اندازاً دس سال قبل، ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی کی سلطنت عثمانیہ کا مطالعہ کیا تھا اور یہ وہ دور تھا جب میں اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ کی تحقیق میں مشغول تھا،جس کے ضمن میں تحقیق کے ان بارہ سالوں کے دوران میں نے ان علوم اور کتب کو بھی زیر مطالعہ رکھا تھا جنکا موجودہ عصر کے ماضی سے تعلق کے ضمن میں تعلق بنتا محسوس ہوتا تھا۔

بات کو کچھ یوں سمجھیں کہ ماضی قریب میں بھی سلطنت عثمانیہ پر کچھ کتب کا مطالعہ یہ نالایق صاحب تحریر اپنی کم علمی کے سبب کرچکا تھا جن میں امتیاز پراچہ کی کتاب تاریخ سلاطینِ عثمانیہ بھی شامل تھی، سمجھیں کہ یہ وہ دور تھا جب اس ناچیز نے سن ۲۰۰۰ میں انٹر سائینس کی تعلیم ترک کرکے یک مشت ایک سال میں ہی دونوں سالوں کے پیپرز ہیومینٹی کے دایرہ کار میں دینے کے لئے خود کو رجسٹرڈ کراچکا تھا ،چناچہ اس دوران میں نے جو اختیاری مضامین اختیار کئے تھے ان میں علم مدنیت،تاریخ اسلام اور تاریخ عمومی شامل تھے۔جب میرا مابعد جامعہ کراچی میں ۲۰۰۱ میں شعبہ سیاسیات میں داخلہ ہوا تو وہاں بھی اس حقیر نے تاریخ عمومی کو ہی بطور اختیاری مضمون اختیار کیا تھا ۔مگر اس دوران میں نے عصر حاضر کی طرح منطقی و جوہری طور پر اتنا غورو فکر نہیں کیا تھا کہ ماضی میں ہم سالوں تک جن پاکستانی مصنفین کی کتب کا مطالعہ کرتے چلے آئے تھے وہ کتب بہ ذاتِ خود زیادہ تر دوسروں سے اخذ شدہ مواد کا ہو بہو چربہ تھیں، بلکہ اکثر کتب و تحاریر میں دیکھا گیا ہے کہ ان میں مغربی مصنفین کی کامل عبارتوں کو معمولی قطع و برید کے ساتھ شایع کیا جارہا تھا۔

چناچہ جب میں پی۔ایچ ڈی کے کورس ورک سے فارغ ہوا تو میرے مطالعہ گاہ میں مقالہ کی تیاری اور تحقیق کے لئے کتب جمع کرنا شروع کی گئیں تو ان میں ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی کی کتب کو اس لئے خاص مقام حاصل ہوگیا تھا کیونکہ وہ مقابلتا عام مقلد مورخین کے مقابل سند ،مواد ،تحقیق کو زیادہ اہمیت دیتے نظر آتے ہیں، یعنی کہ مستند مواد سے اخذِ مسایل کے ضمن میں انکا خاص نام مانا جاتا ہے اور انکی جو کتب سیرت نبوی ،خلفائے راشدین کی سیرتوں،خوارج و روافض کی تاریخ یا صحابہ کرام اجمعین کے دفاع میں صحیح اسناد کے ساتھ طبع ہوئیں تھیں وہ کتب میرے پی۔ایچ ڈی کے مقالہ میں صحیح و حسن منہجی طریقہ کار کے سبب بروئے کار لائی گئیں تھیں،چونکہ میرے مقالہ میں صحیح اسناد کو اولیت دینے کی منہج کو قایم کیا گیا تھا لہٰذا انکی جتنی کتب اوردو میں موجود تھیں وہ مطالعہ گاہ کا حصہ بنا لی گئی تھیں۔

اب تک یہ دیکھا گیا تھا کہ ڈاکٹر صلابی کی کتب کو نناوے فیصد اہل حدیث منہج کے مطبع خانوں نے ترجمہ کراکر شایع کیا تھا، مگر پہلی دفعہ یہ دیکھا گیا تھا کہ کسی بریلوی مکتبہ نے کسی سلفی مورخ کی کتاب کو ترجمہ کراکر شایع کرایا تھا چناچہ اسی دوران ضیا القران پبلیکیشنز ،کراچی کی طبع کردہ

ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی کی کتاب بابت سلطنتِ عثمانیہ مولانا ظفر کلیار صاحب نے اوردو میں ترجمہ کردی تھی۔اور یہ کتاب سلطنت عثمانیہ میں نے مکتبہ غوثیہ کراچی سے ناصرف خریدی تھی بلکہ جب اسے ذاتی مطالعہ کے لئے منتخب کا تو اندازہ ہوا کہ ،مترجم صاحب نے ناصرف اس کتاب کا بہ حیثیت مجموعی ترجمہ کافی رواں، شستہ اور بامحاورہ کیا تھا، بلکہ کتاب کا مطالعہ طبیعت پر ضخامت کے باوجود بوجھل گزرتا محسوس نہیں ہوتا ہے،تاہم اس میں منفیت یہ پیدا ہوئی کہ اصل کتاب کی جگہ ترجمہ کو انہونے اپنے مسلکی اظہار و عقاید کے اکھاڑے میں بدل دیا تھا چناچہ انہونے اپنے بریلوی مسلک سے تعلق پر مبنی عقیدت کو حقیقت جان کر اپنی موضوعی حق پرستی کا کلی و مجموعی مظاہرہ ترجمہ نگاری میں بڑی کثرت سے پیش کیا ہے،یوں نتیجتاً ان کے ترجمہ کے سبب یہ تاریخ بریلوی حنفی نقہ نظر کی تاریخ بن گئی تھی۔چناچہ مترجم صاحب نے من حیث المجموع اس کی تاریخی نوعیت و افادیت کو متنی و تشریحی طور پر تبدیل کرکے ترجمہ کی شان کو کافی حد تک فنی طور پر بطور مترجم متاثرکرنے کی کوشش کی ہے،لہذا ترجمہ کی ابتدا میں ایک کامل اور مسبوط تمہید انہونے سعودیہ عرب،وہابیوں اور اہل حدیث کے خلاف لکھ ماری ہے،اور جناب محمد بن عبدالوہابؒ کے عقاید و نظریات پر ان کی جتنی منفی تصویر کشی ممکن تھی انہونے دل کھول کر پیش کردی ہے،حلانکہ صلابی صاحب نے اس ضمن میں کچھ کہا سنا نہیں ہے، لیکین کتاب کے بریلوی مترجم نے کل ترجمہ میں جگہ جگہ ذاتی فکری ابلاغ کے لئے حواشی قایم کرکے مصنف سے اختلاف اور اپنے عقاید سے وفاداری کا خاص چلن قایم کئے رکھاہے۔بلکہ انگریزی اور عربی ترجمہ کو سامنے رکھ کر جتنا ہمیں اندازہ ہوا اور اپنی خامی و کوتاہی کے مداوے کے لیے دوسروں سے جتنا اس بابت ہم نے معلوم کیا ہے اس سے یہی اندازہ ہوپایا ہے کہ کافی جگہوں پر موصوف کی جانب سے مسلکی تصرف بھی جا بجا کیا گیا ہے۔

مگر ایک چیز اس ترجمہ کی بہت عمدہ ہے وہ یہ ہے کہ صاحب ترجمہ نے جہاں تک ممکن ہوا مصنف کے بیان کردہ حوالہ جات نقل کرنے کی کوشش کی ہے ،جو محققین کے لئے بڑے کام کی چیز ہیں،عموما دیکھا گیا ہے کہ تراجم کردہ کتب میں مترجم عموما حوالہ جات کو نقل کرنا اور ترجمہ کرنا اپنی آسانی کے لئے ترک کردیتے ہیں مگر انہونے ایسا نا کرکے بلکہ محنت سے کام لیکر ترجمہ کو چار چاند لگادئے ہیں۔

اس مترجم کتاب اور دیگر پاکستان میں طبع ہونے والی سلطنت عثمانہ پر کتب میں جو بنیادی فرق دیکھا گیا ہے، وہ یہ تھا کہ باوجود عرب ہونے کے صاحب تحریر نے ترکوں کے سلاطین سے انصاف سے کام لیا ہے،بلکہ نسلی عصبیتی تعصب کو جگہ نہیں دی ہے بلکہ الٹا لبرل تاریخ دانوں اور ماہرین سیاسیات کے برخلاف انکے دفاع میں حوالوں اور دلایل کے ڈھیڑ لگادئے ہیں۔

یہ کھیل تماشہ کہ مورخ کتب تحریر کرتے ہوئے جو لفظ استعمال کررہا ہوتا ہے، اور وہ جو اصطلاحات بروئے کار لارہا ہوتا ہے انکا علم ،تاریخی،سیاسی ،سماجی،مذہبی اور فلسفیانہ پس منظر کیا ہے کو سمجھنا ایک محقق کے لئے لازمی ہے جبکہ عامی مورخ کے لئے یہ امر بس کتاب چھپائی اور نام بناو اظہاریہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔

چونکہ یہ ناچیز علم سیاسیات کی سند کا حامل ہے،انٹر سے گریجویشن تک تاریخِ اسلامی و عمومی میرے ضمنی مضامین رہے ہیں، اور ساتھ ساتھ میں مذہب ،تاریخ،فلسفہ بھی بچپن سے پڑھتا چلا آرہا ہوں لہذا مزاجاً میں مسلسل تحقیق و مطالعہ میں مشغول رہتا ہوں۔ اور نتیجتاً تاریخ کو صرف میں سند و متن تک محدود نہیں رکھتا ہوں بلکہ اس مضمون کا میں متنوعی نوعیت کا تجزیہ سند و متن کے بعد جوہری طور پر کرنے کا عادی ہوں۔ لہذا اس ضمن میں ،ادب کے تنقیدی نظریات، کے ساتھ ساتھ مغربی تحریکوں کا پس منظر بھی کچھ نا کچھ کچھ اپنی ادنیٰ و حقیر سی بساط کے مطابق جاننے کوشش کرتا چلا آیا ہوں، چناچہ اپنی بساط اور مقدور بھر یہ ناچیز لغت،اصطلاحات ، انکی مبادیات اور مابعد الطبیعات کوپرکھنے کی حتی المقدور کوشش کرتا رہتاہے۔ اس قسم کی علمی اٹھک بیٹھک اور کچھ تربیت کے سبب ،جدیدیت،قدیمیت اور مابعد الجدیدیت کا تحریری سماج پر اثر و نفوذ اور ان سے پیدا شدہ تبدیلی بہت نا سہی مگر کچھ نا کچھ ضرور جانتا ہوں ،لہذا ان متنوعی تحقیقی ،جوہری و فکری امور نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ سلطان عبدالحمید کی بابت صلابی کی منفرد و یکتا تحریر کو کتابی شکل دی جائے،اس میں بیان کردہ یہودی اور فری میسونی تحریک کی کارفرمایاں لوگوں کے سامنے لائی جائیں،اور ان شخصیاتی بتوں کی حقیقت طشت از بام کی جائے جنھیں عرصہ سے ہماری ریاست نے ہمارے سامنے بطور ہیرو ومسیحا پیش کیا ہے،اسی سبب صلابی صاحب کی مذکورہ الذکر تحریر اس تحقیق میں حصہ دویم کے نام سے پیش کی جارہی ہے۔

جس دوران میں نے یہ بات سوچ رہا تھا،اس دوران بدقسمتی سے میری سوچ کے دھارےدیگر رخوں کی طرف ملتفت ہونے کے سبب، ناصرف کچھ عرصہ کے لئے ذہنی صحرا نوردی میں مشغول ہوگئے تھے،بلکہ اسی دوران ترکی میں دیکھا گیا کہ ترک حکومت اپنا تاریخی امیج یا تاثر ریاستی سرمایہ کاری اور مشرقی ہدایت یافتہ جمہوریت کی پشت پناہی سے درست کرنے میں مشغول ہوچکی تھی، چناچہ طیب اردگان نے جوترک پنج نسلی[1] تاریخٰ ثقافتی یلغار ریاستی سطح پر شروع کی تھی اس نے اہل پاکستان میں ترک تاریخ سے شغف پیدا کرنے کی رفتار میں حوصلہ افزا اضافہ پیدا کیا، جس میں ترک فکشنل تاریخی ڈراموں کی اوردو ڈبنگ میں پیشکش نے اہم کردار ادا کیا، بلکہ اس شعبہ میں فنی طور پر دیکھا جائے تو ہماری اوردو صدا کاری اور پس منظر کی موسیقی کی شفافیت و پیشکش بھارتی ہندی ترجمہ نگاری و صدا کاری پر فوقیت لے گئی، چناچہ میرا سلطان،ارطغرل اور ،کوسم سلطان،اور کورلوس عثمان، اور سلطان محمد فاتح کے بعد سلطان عبدالحمید اسی ففتھ جنریشن وار کے کچھ سمعی و بصری مظاہرے ہیں۔

میں ڈرامہ سیریل سلطان عبدالحمید کو اس دوران مکمل طور پر بھول چکا تھا،بلکہ میں نے تاحال اس کو کچھ ترکی زبان کے ویڈیو کلپس کے ماسوا تاحال نہیں دیکھا ہے لہذا ،جب ارطغرل کی سیریز اختتام پذیر ہوئی اور پی۔ٹی وی ،۔ٹی ۔آر۔ٹی کے اشتراک سے سلطان عبدالحمید کو اوردو ترجمہ کے ساتھ پیش کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ سالوں پرانے معطل شدہ کام کو سرانجام دیا جائے ،اور اس پر ایک تبصرہ و مقدمہ پیش کرکے کتابی شکل دی جائے،میں نے اس ضمن میں مطالعہ شروع

[1] Fifth Generation historical and cultural waring Raids.

کیا اور کل نصف رمضان جب میں یہ سطریں ٹایپ کررہا ہوں[2] اس ضمن میں مطالعہ کی نظر ہوگیا، اس امر نے مجھے مجبور کیا کہ ان کتب پر بھی نگاہ ڈالوں جو عرصہ دراز سے میری توجہ کی منتظر تھیں ، چناچہ اسی دوران اس ناچیز نے ڈاکٹر عزیز احمد کی متعلقہ موضوع کی مناسبت سے کتاب جو میں نے ایکسپو،۲۰۲۱ میں خریدی تھی پر نگاہ ڈالنے پر مجبور ہوا،مابعد پھر میں نے دوبارہ کئی متعلقہ تحریروں پر نگاہ ڈالی ،جن میں اسلام نواز اہل علم سے لبرل مصنفین تک سب ہی شامل تھے کی کتب کے جایزہ سے مجھ پر انکشاف ہوا کہ جو کچھ ڈرامہ میں دکھایا جارہا ہے وہ سلطان عبدالحمید کی موافقت و حمایت میں اختراع کیا گیا ہے جبکہ ماضی کی کمالیت پسند پاکستانی حکومتیں اور آزاد مصنفین سب ہی ان ان کو ترک قوم کی ترقی کا مخالف اور رجعت پسند ثابت کرتے دکھتے ہیں۔

## ہماری نصابی کتب میں سلطان عبدالحمید اور مصطفی کمال کی تصویر کشی:

چناچہ جوکچھ اس دوران ِ تعلیم پڑھا و دیکھا تھا وہ سب بادی النظر میں اصل بحث سے کافی الٹ واقع ہوا ہے ،چناچہ یہ کہنا ممکن ہے کہ درسی معاون کتب سے ،تاریخی کتب،تک یہ معاملہ بہت حد تک یکساں ہی دکھتا نظر آتا ہے،بطور مثال آپ لوگ امیتاز پراچہ کی نصابی کتاب دیکھ لیں اس کتاب میں سلطان عبدالحمید کو ایک جابر،قاہر ،آمر فرد دکھایا گیا ہے،یہ اس وقت کی بات ہے جب ترک تاریخ و ڈراموں اور ریاستی روابط میں اتنی وسعت و مضبوطی رونما نہیں ہوئی تھی جیسی ترک ففتھ جنریشن وار اور پاک ترک سفارتی تعلقات کے سبب در آئی ہے ،لہذا اسکا کردار اس ضمن میں بطور تقابلہ پاکستانی پس منظر میں جنرل ایوب،جنرل یحییٰ خان،جنرل ضیاالحق اور جنرل پرویز مشف کی شخصیات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

جبکہ کمال اتا ترک کا کردار ایک مجاہد،جنگجو،لبرل،سیکولر وطن کی عظمت کے لئے لڑنے والے کےطور پر دکھایا گیا ہے۔وہاں پر یہودی سازش ،فری میسنز ،کے تعلق مغرب کی کارفرمایوں کوسرے سے ہی کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ورثہ ہمارے تاریخی ادب میں ستر سالوں قبل کیسے پیدا ہوا، سلطان عبدالحمید اور جدید سلطنت عثمانیہ کے سلطانوں کی یہ تصویر کشی کس سبب ماضی کی اوردو تواریخ کا حصہ رہی ہے؟اسکا سیدھا سا ایک جواب یہ بھی ممکن ہے کہ مغربیت و جمہوریت پسندی کی مابعد تقسیم ہند کی مغرب نوازی و غلامی ہمیشہ سے ہماری فطرت کا خاصہ رہی ہے لہذا بہت حد تک ہماری جمہوریت،لبرلازم،سیکولرازم سے انسیت و محبت ہی وہ قوت محرکہ ہیں جو ہماری جامعاتی،صحافتی اور عدالتی تربیت نے ہم پاکستانیوں میں آج اس انتہا پرپہنچادی ہے،کہ ہم اب ہر

---

[2] ناگزیر کاروباری و علمی مسایل کے سبب ۲۰۲۲ کے رمضان کی جگہ اب میں اسے دوبارہ ۲۰۲۳ میں ایک کتاب سے فارغ ہوکر ازسرنو دیکھ رہا ہوں۔معج

شخصیت کے مبنی بر حق یا عدم حق ہونے کا فیصلہ صرف علم سیاسیات اور مغربی فلسفہ سے متاثر شدہ تحریکوں،زاویہ فکر،علم استشراق کی کارفرمائیوں کی روشنی میں کرتے محسوس ہوتے ہیں۔

سماجی علوم نے جو ہماری ذہنی مادی تعلیم و تربیت کی ہے اور ہر فرد کی شخصیت کو جس طرح انہونے جمہوریت اور انسانی حقوق کی فکری مابعداالطبیعات کی عدالت میں پیش کرکے جو پیداوار شروع کی ہے ،اس نے نسب سے مذہب تک ،تاریخ سے سیاست تک اور وہاں سے عدالت و اقتدار تک قوم کی کل ذہنی کایہ پلٹ دی ہے۔ آج ہماری کم علمی و کم نظری کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی نے اپنا سیاسی نام انصاف یا جسٹس رکھ لیا ہے، تو ہماری علمی جہالت کی رو سے وہ سیاسی رجسٹرڈ نام فرد و جماعت کو منصف مزاج ہونے کا تاحیات اجازت نامہ اور معیار عطا کردیتا ہے یعنی بہت حد تک اسم با مسمی والا معاملہ بن چکا ہے لہذا اگر ،کوئی جماعت مسلم کے نام سے رجسٹرڈ ہو، یا پھر کوئ جمعیت یا جماعت کے نام سے اسلام کے سابقہ و لاحقہ لگا لے تو سمجھو ہماری لفظی دنیا میں وہ درس و جماعت اسم با مسمی بن جاتے ہیں ، لہذا کم عقمل عامتہ الناس کی نگاہ میں ان امور عامہ میں جیسا نام ویسا کام اور ویسا ہی عوام اور خدا کی نگاہ میں انکا مقام مانا جاتا ہے۔

چناچہ اس کمالی و غیر کمالی تقابلہ جاتی مطالعہ و تحقیق کے دوران ہمیں سلطان عبدالحمید کی شخصیت دو انتھاوں پر کھڑی نظر آتی ہے کسی کی نگاہ میں سلطان جی حامی ملت و دین یا پھر محافظ و مجاہد کے روپ میں قرطاس میں کھڑے نظر آتے ہیں جبکہ کمالین نقطہ نظر کے تناظر میں تعمیر شدہ تصویر کے دوسرے رخ پر یہ صاحب ،کسی کی نگاہ میں جابر ،قاہر،آمر مطق،جمہوریت شکن ،قدامت پسند دکھائی ملتے ہیں۔ حلانکہ ،یہ معاملہ کلی طور پر تاریخی حقایق سے میل کھاتا نظر نہیں آتا ہے بلکہ حقیقت میں تو یہ سیدھا سیدھا رد و انتخاب کی منہج پر استوار معاملہ محسوس ہوتا ہے، اب چاہے تم لوگ مانو تو ابن قاسم کو منہج کی تبدیلی اور انتخاب کے سبب ہیرو بنالو جیسا کہ ریاست کا دعوی ہے اور چاہو تو راجا داہر کو ہیرو قرار دو اور مقابلتاً ابن قاسم اور اموی فوج کو غاضب اور جارح قرار دے دو، جیسا کہ قوم پرست افراد اور روافض کا چلن رہا ہے۔ اب یہ امر آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ آپ لوگ پیرا سیٹا مول جینرک کے جون سے چاہے روپ کو ذاتی میٹر آف چوایس کی بنیاد پر خریدتے پھریں،یعنی پینا ڈول خریدو،یا پونسٹان،حقیقت میں جوہری تناظر میں دونوں ہی کے اجزائے ترکیبی کی بنیاد پیرا سیٹا مول نامی دوا پر ہی استوار پائی جاتی ہے۔

لہذا ان موڑوں پر تاریخ میں مورخ کی فردیت و منہج یکساں مواد و سند سے الگ الگ نتایج پیدا کردیتی ہے، کہیں رائی کو پہاڑ بنادیا جاتا ہے، مذید ایک قدم آگے بڑھ کر کبھی کبھی ایک حرف کو بھی کھینچ کھانچ کر کتاب بنادیا جاتا ہے، کہنے کو کچھ حد تک مورخ کے بیان میں ادبی بیانیہ کو بھی یار لوگوں کی نگاہ میں بلاتحقیق تاریخی بیانیہ ہی سمجھا جاتا ہے،تبصرہ بھی حقیقت جانے جانا لگتا ہے،اور تاریخ کی دو سطری دنیا ادب اور خواہش پر قربان ہوجاتی ہے۔

جس کی عمدہ مثالیں بنو امیہ اور واقعہ کربلا ہیں، چناچہ ایک صدی تک لوگ جن چیزوں پر خاموش نظر آتے تھے اور غیر واضح موقف کے حامل تھے اس پر جب ایک نئی المیہ داستان ابو مخنف پیش کرتا ہے تو داستان پرست لوگ بنا تحقیق،تعصب پسندی اور عدم سند کے لکیر پر سوار ہوکر اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں، چناچہ یہ امر فراموش کردیا جاتا ہے کہ اس دور ،سماج،اخلاق ،کردار،سے ان

امور کی کوئی نسبت معقولی تناظر میں فطرت انسانی، یا طبیعت اہل عرب سے میل کھاتی محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟چناچہ جوہری طور پر اس معیاریت کا ذاتی موقف و عقیدہ میں کوئی مقام ہمیں دور تک ڈھونڈھنے سے بھی نہیں دکھتا ہے بلکہ اسکا فیصلہ آج ہم سند و متن،صحیح اور غلط کی جگہ اپنے ذاتی قایم شدہ عقیدے کی روشنی میں کرتے پھرتے ہیں۔

لہٰذا بادی النظر میں دیکھا جاسکتا ہے کہ شخصیات اور ان سے متعلقہ عشق ،تقلید اور شخصیت پرستی ہمیشہ زمانہ و مکان سے ماورا مذاہب کے کامیاب مظاہر ثابت ہوتے رہے ہیں۔سلطان عبدالحمید کی جو شخصیت تجدد پرست ترک سیکولر ریاست نے اپنی کتب و تبلیغ سے ریاستی سرپرستی پر قایم کی تھی وہی روش،مواد،مطالعہ ہم پاکستانیوں تک بھی تن آسانی کے سبب منتقل ہوتاچلاگیا ہے،اس ضمن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کو منتقل کرنے والے افراد یقیناً کوئی ٹھیٹھ لبرل افراد نہیں تھے،بلکہ ان میں اکثریت ایک عرصہ تک معتدل مزاج،اسلام پسند افراد کی رہی ہے ،بس فرق یہ دیکھا گیا ہے کہ انکو خود نہیں معلوم تھا کہ وہ مغرب کے رد کرنے اور اسلام کے دفاع کرنے کی کوشش میں بھی روح تک مغربی و جدیدی نوعیت کے حامل ہوچکے تھےہوتے ہیں، بلکہ ساتھ ساتھ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اس قسم کے تاریخی تاثرات قاری تک منتقل کرتے ہوئے یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ انہونے تاریخ کی الف،ب کس حد تک جذباتی تاریخ نگاری کا شکار ہو کر بدل دی ہے،لہٰذا یہ لوگ نا تو اسلام کی کوئی خاص خدمت کررہے تھے اور نا کسی شخصیت سے تاریخی انصاف کررہے تھے بلکہ وہ اپنا تاثر تاریخ نگاری و جعلی تحقیق کے نام پر یا تو بلذات منتقل کرہے تھے یا پھر وہ کسی دوسرے کی نقالی کرتے ہوئے اندھا دھند ہاتھ صاف کرہے تھے۔

جبکہ ان مورخین کے مقابل ہمارے ممدوح ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی نے مقابلتاً ناصرف قدیم و جدید ماخذات کے ڈھیڑ کے ڈھیڑ اپنی متنوع کتب مین لگادئے ہیں بلکہ سلطنت عثمانیہ کے ضمن میں ترک و عرب قوم پرستانہ موقف سے باہر ہوکر عبدالحمید کے ساتھ بلخصوص اور کل دیگر سلاطین کے ساتھ بلعموم غیر عربیت دکھانے کی کوشش کی ہے،انہونے عام ترکوں کی طرح اسلام کو ترکی سانچے میں ڈھال کر تاریخ نہیں لکھی ہے، جس طرح اردواگان نے ارظغرل اور کرلوس عثمان میں ترک مسلم شناخت کو ترک قومیت میں ففتھ جنریشن وار کے طور پر پیش کروایا ہے بلکہ صلابی نے تعصبانہ یا سیرت سازی سے پرہیز کیا ہے،بلکہ ایک منصف مزاج مسلمان بن کر تاریخ لکھنے کی کوشش کی ہے،جس کے سبب وہ کئی جگہ وہ سلطان صاحب کی کچھ زیادہ ہی اچھی تصویر حقیقت سے ماورا ہوکر بھی دکھا گئے ہیں، مگر یاد رکھیں جب ہر طرف کچرا پھیلا ہوا ہو ،نکاسی کا گندہ پانی پھیلا ہوا ہو وہاں پر کچھ پانی صاف کرکے چھوڑا نہیں جاسکتا ہے بلکہ

گندے پانی سے نجات حاصل کرنی پڑتی ہے۔

اب اہم سوال یہ ہے کہ اگر ہمارے مسلمان مورخین جنھونے اوردو ادب میں تاریخی مواد پیش کیا وہ ایسا کیوں کررہے تھے تو جان لینا چاہئے کہ اوردو تاریخ نویسی بہ حیثیت مجموعی ،تجزیہ سے زیادہ تاریخ کے نام پر من پسند انتخاب کو قرطاس پر منتقل کرنے کا نام رہ گیا ہے، ہمارے یہاں رد و انتخاب پر مبنی تاریخ کے نام پر تاریخی بیاضوں کو ،تاریخی کتب تصور کیا جانے لگا ہے،لہٰذا مورخین کی منھج ،انداز تحریر کے سبب انکے قاری انکی تحریروں کو تاریخی مذہب جاننے لگتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری زیاہ تر کتب بنیادی ماخذات ،سند و متن کی جگہ بس بلا سند انتخاب و تحریر سے پر ثانوی ماخذات پر اکثر و بیشتر زور دیتی نظر آتی ہیں جن پر مصنفین کے فرقے،نظریات،رجحانات،میلانات کی چھاپ تاریخی مواد کے پس منظر میں تصرف و غلاظت پیدا کردیتی ہے۔

جب ہم ایسے نجی و ذاتی تاثرات کسی بھی تاریخی شخصیت کے ضمن میں سنتے ہیں اور یہ تاثرات دیتے ملتے ہیں کہ فلاں فلاں ظالم ہے،وہ جابر ہے،وہ مطلق العنان ہے،قانون شکن ہے،جمہوریت مخالف ہے تو ہم ان بیانات کی سند تک بیان کرنے والوں سے نہیں مانگتے ہیں،ہاں فیس بک وغیرہ پر کچھ لوگ ایسی جواب دعوی علامہ گیری خجل خواری سے بچنے کے لئے ضرور طلب کرتے دکھتے ہیں ،چناچہ یہ کہنا ممکن ہے کہ ہمارے قاریئن خام مورخین کی علمی منطقیت میں ڈوب کر فیصلہ کرنے سے گریز کرتے ہیں، بلکہ ہمارے لوگ نتیجتاً ریڈی میڈ بیانات و تاثرات اخذ کرکے ریڈی میڈ علمیت کے مظاہرے کرنے لگتے ہیں۔

ویسے کہنے کو الزام کی حد تک محولہ بالا بیانات،مقولات،اصطلاحات کسی کی بابت کہنا سننا ،درست سمجھا جاسکتا ہے،مگر انصاف،عقل و منطق اور حقایق کی دنیا میں اکثریتی مواد و رجحانات کی ذرہ برابر اہمیت نہیں ہوتی ہے بلکہ تحقیق ،حق و صداقت ہی ملزم کو مجرم باور کراسکتی ہے۔عقیدہ گھڑ کر مفروض کرکے تاریخ لکھنا اور ثابت کرنا مقالہ کی شعبدہ بازی تک مروجہ کھیل تماشہ سمجھا جاسکتا ہے ،مگر بے لاگ تبصرہ،دباو کے بغیر حقیقی پس منظر میں حقیقی زمان و مکان کو سامنے رکھ کر اس دور کی علمیت و حقایق کی روشنی میں حقایق کی تعمیر کرنا اصلی محقق ہی سرانجام دے سکتا ہے۔

**<u>سلطان عبدالحمید پر مشرق ومغرب کے مورخین کا رجحان:</u>**

عبدالحمید کی شخصیت پر مسلم مورخین بلخصوص مقلد مورخین خاص کنفیوژن،عدم صراحت،اور سیاسی مصلحتوں کے اسیر نظر آتے ہیں،جیسے خلافت و ملوکیت کےڈسکورس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ پاکستانی آمریت کو رد کرکے اس سے نفرت پیدا کروانا جمہوریت نواز جماعت اسلامی کو مطلوب و مقصود تھا۔ لہذا نتیجتاً خود کی تحریک و جواز کو اس ضمن میں مبنی بر حق ثابت کرنے کا مواد اس بدنام زمانہ کتاب میں اخوان المسلمون کی تقلید میں ترتیب سے فراہم کردیا گیا ہے، چناچہ علامہ مودودیؒ نے اس ضمن میں صحابہ کرامؓ اور بنو امیہ کو ہر جھوٹی ،کھری کھوٹی روایت سے غلط ثابت کرنا چاہا ہے بلکہ انھونے ان ذوات قدسیہ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے من پسند ضعیف مواد سے قدم قدم پر کام چلایا ہے، اور صاف طور پر کہہ دیا ہے ہ وہ ہر بات میں رجال کی کتب سے سند چانچنے کو ناپسند کرتے ہیں،مذید کہہ گئے ہیں کہ تاریخ میں سند کا استعمال کرنا عمدہ نہیں ہے،مگر یہ بات کھل کر انھوے بیان نہیں کیا ہے کہ محدثین و مورخین سلف نے آخر کیوں سند کو ان روایات کے شروع میں پیش کرکے بروئے کار لانے کی کوشش کی تھی،؟جب سند کا تاریخ میں

کوئی کردار ہی نہین تو فقہا کرام ان مباحث پر فتوے میں کیوں سند کو اہمیت دیتے ملتے ہیں کیوں،ذہبیؒ،ابن کثیرؒ و ابن حجر عسقلانیؒ جیسے جید مورخین،مفسرین،شارحین حدیث و ،اسما الرجال کے ماہرین نے اپنی کتبِ تواریخ و رجال میں ان روایات کے ضمن میں ان کے راویوں کی بنیاد پر اس قسم کی روایات کو رد کیا ہے؟ چناچہ علامہ نے سچ ،جھوٹ،حق و باطل کو علم کے بجائے انفرادی و سیاسی انتخاب کا معاملہ بنا کر رکھ دیا تھا،یعنی کہ وہ ایک پوسٹ ماڈرنسٹ قسم کے نیم علامہ تھے جو سند کا منکر ہوتا ہے اور قاری کو مطالعہ و نتایج کے لئے مصنف و سند کی قید سے آزاد کروادیتا ہے،مگر یہاں بھی علامہ نے اپنی تاریخی مشق کو خود کی تقلید کے تابع کرکے کل جماعت اسلامی کو سنیوں کی نگاہ میں معتوب بنا کر پیش کردیا ہے۔ بادی النظر میں چونکہ انکی جماعت کا اثر و نفوذ پاکستانی اور عرب جامعات میں اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کے طلبہ ونگوں کے ذریعہ قایم ہوچکا تھا لہذا انکے موقف کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی اس نے اہل سنت کے بڑے طبقہ میں بھی صحابہ مخالف جذبات ویسے قایم کردئے جیسے خود اس ناچیز میں جامعہ کراچی میں تعلیم سے قبل پیدا ہوگئے تھے، لہذا جذباتی،نسلی،خاندانی،اور عصبیتی وابستگیاں عقیدوں میں ڈھلنے لگیں اور اسکی پود سے مرزا محمد علی جھلمی،اسحاق جھالوی اور ساحل عدیم جیسےافراد پیدا ہوئے۔

چناچہ جب جمہوریت،سیکولرازم،لبرلازم، نے قدامت پرستی،بنیاد پرستی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو تمام جمہوری قوتوں نے اپنا اپنا جواز علم سیاسیات کی لغت میں ڈھونڈھا شروع کیا ،انھونے اچھا اچھا تو ہڑپ کرلیا مگر کڑوا کڑوا تھوک دیا ،بلکہ انھونے ساتھ ساتھ اپنے مخالفین کے حلووں کو کچرے دانوں میں اٹھا کر پھینک دیا کہ کتے وہاں سے کھانا چگ لیں گےیوں فضلہ سب کے سامنے ثبوت کے طور پر پیش کردیا گیا۔

چناچہ اکثر مورخین دور زوال کے اکثر عثمانی سلطانوں کی مجبوریاں اِس زمانہ کی سیاست،ریاست و حکومت کے تقاضوں و مطالبوں کی جگہ اپنے اکیسویں صدی کے معیار پر پرکھنے لگے،تبدیلی کے دور میں تبدیلی کی جگہ قدامت پر کارفرما لوگوں کو ٹھیٹ بنیاد پرست،قدامت پرست،شدت پسند کہا اور سمجھا جانے لگا،ہر قدیم شہ گالی سمجھی جانے لگی اور ہر جدید موقف،بیان،نظریہ،دبستان فکر کمال و حسن جانا جانے لگا۔

چناچہ جب اس فقیر و حقیر نے ڈاکٹر محمد عزیز کی تاریخ سلطنت عثمانیہ طبع فکشن ہاوس سے امتیاز پراچہ ،اور ثروت صولت تک موجود مواد کا دیگر علم سیاسیات کی تحریروں ،کتب میں موجود مقالوں،آن لاین انسایکلو پیڈیا میں موجود مندرجہ جات سے تقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہاں لبرل سیکولر اور غیر لبرل سب مورخین ایک دوسرے سے ہی بلا درایت اخذ و تلمیذ کرنے میں ایک ہی قسم کے رویوں،نتایج و افکار کے حامل نظر آتے ہیں۔

،مثال کے طور پر ثروت صولت کو لے لیں یہ جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے مورخ ہیں انکی ملت اسلامیہ کی تاریخ میں قدیم و جدید دونوں قسم کی تواریخ کا خلاصہ اختصار سے جمع کردیا گیا ہے اس میں بھی سلطان عبدالحمید کی شخصیت و کردار کو جمہوری تناظر و اصطلاحات میں دیکھا گیا ہے،چونکہ جماعت اسلامی جمہوریت کو سیاسی نظام کے طور پر حرفِ آخر اور عین خیر وحق جانتی ہےلہذا انھونے بھی اس ضمن میں سلطان عبدالحمید کے ضمن میں وہی کچھ لکھا جو ڈاکٹر

محمدعزیز نے لکھا تھا،ڈاکٹر محمد عزیز اوردو میں سب سے مستند اور بڑا نام سلطنت عثمانہ پر مانا جاتا ہے، مگر اسکے مواد کو اسلامی و مسلم پس منظر میں شاید کسی ایک فرد نے بھی دیکھا و پرکھا نہیں ہے چناچہ ترک ڈراموں کی اوردو منتقلی کے بعد تو ہر کتب خانے نے انکی کتاب کو چھاپنا شروع کردیا ہے،اگر چہ انکا تعلق شبلی و ندوی کے دارالمصنفین سے رہا ہے سلیمان ندوی نے بھی انکی کتاب کی تعریف کی ہے مگر حیرت ہے اسلام کے دفاع کے اتنے بڑے نام علامہ سلیمان ندویؒ نے اس کتاب کو کیا کھل کر پڑھا نہیں تھا جو وہ اسکی تعریف کر بیٹھے،کیونکہ اس کتاب میں سلطان عبدالحمید کو مغربی جمہوری ڈسکورس کی روشنی میں مطلق العنان ،ظالم و جابر سلطان دکھایا گیا ہے،ظاہر ہے سید صاحب کی نگاہ اسلامی تاریخ کے اولین دور یعنی قرون اولی یاسیرت طیبہ و خلفائے راشدین پر جس طرح تھی اتنی توجہ انھونے دور زوال کے آخری عثمانی خلفا پر مرکوز نہیں کی تھی ہم میں سے کوئی بھی فرد نا عالم غیب ہے اور نا کل انسانی تاریخ کے ہر جز پر اس کو یکساں عبور حاصل ہے۔

ڈاکٹر محمد عزیز نے جو سلطان عبدالحمید پر یورپی مصنفین کی کتب سے بطور حوالا چھاپا یا پیش کیا ہم دیکھتے ہیں کہ عین وہی معمولی حرف و پھیر کے ساتھ بعد کے سارے مورخین کچھ استثنی کے ساتھ پیش کرتے نظر آئے اس ضمن میں پروفیسر علی محمد شاہینؒ کے سوا سب نے ان سے اخذ کرکے اپنی کتب میں قریباً ہو بہو مابعد کی کتب میں چھاپ دیا ہے ،جیسا کہ میں نے امتیاز پراچہ کی تاریخ کو دوران تعلیم معلومات کے حصول کے لئے پڑھا تھا،تو جگہ جگہ محمد عزیز سے اخزا دیکھا گیا ، مگر جب اس مقدمہ کو رقم بند کرنے کے دوران میں نے ڈاکٹر عزیز کا متعلقہ باب پڑھا تو معلوم ہوا کہ اس میں ہو بہو ڈاکٹر عزیز احمد کو ہی چھاپ دیا گیا ہے اکثر تو الفاظ،جملے اور تبصرے تک یکساں پائے جاتے ہیں ، عین یہی معاملہ اس موضوع پر سب ہی کتب میں دیکھنے کو ملتا ہے،یعنی کہ زاہد حسین انجم سے بخاری تک سب کی ایک ہی روش نظر آتی ہے کہ وہ سلطان عبدالحمید اور زوال پذیر عثمانیوں کو جدید جمہوری لینس سے دیکھ پرکھ کر الفاظ چنتے نظر آتے ہیں۔

عین یہی تاثر انگریزی میں انسایکلو پیڈیا بریٹینکا،امیرکانا،انکارٹا اور اب وکی پیڈیا تک ابھرتا محسوس ہوتا ہے،جب میں نے انسایکلو پیڈیا آف اوٹومون ایمپایر دیکھا تو ترک مضمون نگار نے اپنی سیکولریت کے نادر تاثرات وہاں رقم کئے ہوئے تھے،جب ہم نے پرانے ماخذات دیکھے تو عقدہ کھلا کہ ان موضوعات کو سیکولر جامعات کے کمالی اساتذہ نے تحریر کیا تھا،سلطان کی یاداشتوں ،انکے ساتھیوں کی تحریروں انکی بیٹی کی تحریر اورعصری تحریروں کو اور عرب دنیا کی متعلقہ تحریروں کوانکے یہاں کوئی جگہ نہیں دی گئی تھی۔کیوں؟ عبدالحمید پر ان مورخین نے جو دور زوال میں گزرا تھا اتنا وقت صرف کیا تھا ،وہ ان صاحب پر حسبِ منشا معمولی تبصرہ کرکے بھی نکل سکتے تھے مگر ہم جانچتے ہیں کہ یہاں ایسا کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے ،اسکی بہت سی وجوہات رہی ہیں جن کو میں انکے زمانی،مکانی،سیاسی تاریخی،و فکری پس منظر میں عیاں کرونگا۔

عبدالحمید کی شخصیت دوست اور دشمن،موافق و مخالف کے نزدیک ایک دوسرے کے مواقف کے الٹ نظر آتی ہے،ترکی میں اسلام پسندوں کی آمد سے قبل ترکی میں بلخصوص اور کل دنیا میں ماسوا کچھ ابھرتی تحقیقی آوازوں کے عبدالحمید کو ایک سخت ،قدامت پسند،آمر جاھل،ترک عصبیت اور اسلامی

عصبیت سے لبریز ایسی شخصیت کے طور پر پیش کیا گیا تھا ،جس کا گناہ یہ تھا کہ اس نے ڈوبتی سلطنت کی بقا کے لئے کوششیں کی تھیں، اس بطل جلیل نےمسلم دنیا کو ایک دفعہ پھر ایک واحد حاکم کے زیر سایہ رکھنے کا خواب دیکھا تھا،مملکت میں انتظامی تبدیلیاں پیدا کی تھیں،اداروں میں اصلاح کی کوششیں کی تھیں،یورپی طاقتوں کا سامنا کرنے کی کوشش کی تھی ،یہ ایک الگ بات ہے کہ وہ عالمی سازشوں ،قلیل وسایل،گھٹتے علاقوں،ابھرتی ہوئی نسلی ،لسانی عصبیتوں کے جمہوری مطالبوں کے آگے سینہ سپر نا ہوسکا ،اس نے ایک مطلق العنان حاکم و سلطان کے قدیم ماڈل سے انحراف سے گریز کیا،جمہوریت کو سلطان کے زیر سایہ رکھنے کی کوشش کی،چونکہ صدیوں کا سیاسی تمدن اسی روش و ورثہ سے یہاں تک پہنچا تھا۔

اس نظام کی تمام خرابیوں کے باوجود اس ترک عثمانی نظام کا ایک کامیاب ،جری وسیع سیاسی تمدن تھا، جس کےحکمرانوں کی نااہلی زماں میں تبدیلی و ارتقا نے مکان میں بھی تخفیف و ترمیم کا چکر گھومادیا تھا ،ہم کیا سوچ سکتے ہیں کہ بھلا کیسے کوئی بھی ڈوبتا فرد ہاتھ چلانا چھوڑ کر بنا محنت موت تو قبول کر سکتا ہے؟،آخرکار انسانی عظم،مدد،امید و جدوجہد پر ایک دنیا قایم ہے ،چناچہ سلطان نے بھی دیوار گرانے سے روکنے کی کوششیں کیں مگر محمد بن مروان کی طرح کامیاب نہیں ہوسکا۔کیونکہ منجمد معاشرے جب خود کو ترقی یافتہ ،متغیر ہر آن تیزی سے سفر کرتے مغربی معیار پر قایم شدہ ترقی یافتہ سماج میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ لوگ ان لوگوں سے جنھونے صدیوں کے ارتقا کہ بعد یہ جدید مادی و فکری ہیت اختیار کی تھی ،سے فوری کندھے سے کندھا ملانے، اور ان کے ساتھ سفر کرنے سے اکثر و بیشتر قاصر رہتے ہیں ،چناچہ مغرب زدہ طبقہ کے فوری مطالبہ اور ہر آن بدلتی عالمی جنگی سیاست اور استعماری قبضوں نے ترکی کو مرد بیمار سے مردہ مرد کے درجہ تک تک جاپہنچایا ہے۔

**<u>ترک ڈرامے اور پنج نسلوی حکمت علمی:</u>**

ترک حکومت کی ثقافتی جنگ کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے کہ سلطان عبدالحمید کی واپسی طیب اردگان کی ففتھ جنریشن وار کی وجہ سے مثبت طور پر جدید تاریخ و سیرت میں واقع ہوئی ہے، لہذا بطور منہج و دماغی غسل سازی کی روشنی میں پنج نسلوی دماغ سازی کے کچھ تحقیقی پہلو مزید عیاں ہوئے ہیں، بلکہ بہت حد تک قدیم وجدید ثانوی ماخذات کو ازسر نو تسخیر کیا گیا ہے،مگر بحث کو رنگین اور جاذب النظر بنانے کی جو کوشش کی گئی ہے ،اس کا اصل محور یہ رہا ہے کہ سامعین کو زیادہ سے زیادہ اپنی طرف راغب کیا جائے ،جس کے لئے ڈایریکٹر و سرمایہ کاروں نے گیمز آف تھرونز ،وائی کنگز،اور نایٹس فالز جیسی امریکی و یورپی سریلز سے جو اثرات قبول کئے اس نے سیریلز میں فکشن کا عنصر تاریخ پر فایق کردیا۔ بلخصوص ارتغرل غازی اور عثمان کورلوس میں تصوف ،مذہب ،ترک قوم پرستی کو اسلامی ملاوٹ کے ساتھ جس طرح پیش کیا گیا ہے اس نے پنج نسلوی دماغی غسل سازی کا محاذ تو اچھا خاصہ جمادیا ہے، مگر دوسری طرف تاریخی حقیقت نگاری کو گہنا دیا گیا ہے،رومی و ابن عربی کی جو تصویر کشی ان ڈراموں میں کی گئی اس نے ان شخصیات

کی عصـــری تاریخ اور ان کی بابت محدثین و فقہا کرام کی مســتند و محقق آرا کو یک طرف موقوف کرکے عثمانی تصوف پسندی کو فایق طور پیش کیا گیا ہے۔

چناچہ عوام میں ســیکولر لادینی موقف کے جبر کے خلاف ترک ڈراموں نے تبدیلی پیدا کرنے کی کوشــش کی ہے،بلکہ دیکھا جاسـکتا ہے کہ ڈرامائی فکشــن نے تاریخ دانوں اور ســیرت نگاروں کے توسط سے دوبارہ محققانہ قلموں کو سفید صفحات پر منتقل کروانا شروع کیا ہے،مگر ساتھ ساتھ ملاوٹ بھی کثرت سے تاریخی فکشـن نگاری کے نام پر کی گئی ہے، لہذا سلطان عبدالحمید کو نا تو خالصـتاً صرف محب سلطان کی نگاہ سے دیکھ کر قلم خاموش رکھا جاسکتا ہے اور ناہی لبرل موقف سے تنقید نگاری کو عین حق گردانا جاسکتا ہے کیونکہ ،مورخ کا کام تاریخ سازی کی جگہ حقایق کی جستجو اور حقیقی پیشکش ہونا چاہئے نتایج اخذ کرنا محققین و قاری پر چھوڑ دینا چاہئے۔

## <u>ڈاکٹر علی محمد صلابی منہج و کردار:</u>

مگر ســاتھ ســاتھ یہ مت بھولاجائے کہ پس منظر اور محرک امور جو تاریخ و ســیاســت میں حرکت پیدا کرتے ہیں کو لازمی بیـان کرنـا چـاہئے،ڈاکٹر علی محمـد صـــلابی نے نے متعلقـہ تحریر میں یہودیت،ماسـونیت،صـیہونیت،قوم پرسـتی،جمہوریت اور سـیکولر ازم سـب زاویوں اور پس منظر سـے حقایق سـامنے لانے کی کوشـش کی ہے،اگر چہ انہونے سـلطان کو دودھ کا دھلا دکھانے کی بھی حتی الامکان کوشـــش کی ہے،مگر یہ مت بھولیں کو صـــلابی بھی عمدہ مورخ ہونے کے باوجود ایک جدید الخیال لیبیائی مورخ و سیرت نگار واقع ہوئے ہیں وہ،آمریت کے حامی نہیں سمجھے جاتے ہیں ، بلکہ معلومات کی رو سے انکا جھکاو بھی بہت حد تک جموریت کی طرف ہی واقع ہوا ہے۔

مگر اس کے بـاوجود بھی وہ جمہوریـت کے نـام پر عـالمی ،زیر زمین ایجنـڈوں ،بین الاقوامی مداخلتوں،اور ناجایز شخصیاتی تخریب کاری کو علمی طور پر قبول کرنے پر خود کو قایل نہیں کرپاتے ہیں۔چونکہ انکی تربیت میں اخوان المسـلمین اور یوسـف قرضـاوی کا ایک کردار رہا ہے، جبھی نتیجتاً انہونے معمر قذافی کی آمریت میں کئی سال خود کو پابند سلاسل بھی پایا ہے،چناچہ اسی سبب ان کے مزاج میں انقلابی روح جڑ پکڑ چکی تھی،مگر اس کے باوجود انہونے اپنے عصری انقلاب اور اسلاف کی تاریخ کے عصــر میں تفریق اس دور کے زماں و مکان کے ســبب مد نظر رکھنے کی کوشــش کی ہے۔

## <u>سیاست کے لئے صلابی اسلاف و صحابہ کو بلی کا بکرا بنانے سے گریز کرتے ہیں:</u>

لہذا اســلام کی قدیم شــخصــیات و نظریات کو انہونے کھینچ کھانچ کر عصــر حاضــر کی ذاتی فکری ضروریات میں جوڑ توڑ کر یا مروڑ کر بٹھانے کی کوشش سے حتی الامکان گریز فرمایا ہے، چناچہ ہم یہ دیکھتے ہیں انقلابی کوششوں کے ضمن میں ۲۰۱۱ کے انقلابِ لیبیا میں انکا نام بھی لیا جاتا ہے، بلکہ یہ تک کہا جاتا ہے کہ اخوانی جمہوری قوتوں کو قذافی کے خاتمہ کے لیے قطرکی امداد ســـے

رقوم و اسلحہ فراہم کرنے میں بھی وہ شریک رہے تھے،اسی طرح انکی ذات میں بھی کئی دریاوں کے دھارے عجیب سنگم بازی پیدا کردیتے ہیں،وہ کہنے کو اخوانی بھی ہیں ،مگر ساتھ سلفی مزاج کے بھی حامل ہیں، انھونے اپنی سلفیت کو اخوانیت کے جوتوں میں نہیں بٹھایا ہے لہذا جس قذافی کے دور میں وہ قید ہوا کرتے تھے ،اسی کے آخر دور میں وہ انکی حکومت اور اسلام پسندوں کے مابین وسیلہ بنے بلکہ گفت و شنید میں مصروف بھی رہ چکے تھے،پھر انھونے انقلاب کے مابعد عالمی تسلیم شدہ لیبیائی حکومت پر تنقید بھی شروع کردی تھی،لہذا انکی تحریروں میں ہمیں اخوان المسلمین سے وابستگی کے باوجود صحابہ کرامؓ کے ادوار پر تنقید کی جگہ انکا مدلل دفاع جابجا نظر آتا ہے، انھونے سیاسی و جمہوری جواز اور عصری حاضر کی جدید اسلامی شرح و تفسیر کے لئے سید قطب ،اور علامہ مودودی کی طرح نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کو انصاف پسندی اور نسلی تاریخ نگاری کے لئے تختہ مشق نہیں بنایا ہے بلکہ جا بجا انھونے علامہ مودودیؒ کی کتاب خلافت و ملوکیت کو زہر آلود کتاب قرار دیا ہے،حلانکہ اخوان و حماس کی پاکستان کی جماعت اسلامی سے فکری و تنظیمی وابستگی و تعاون ڈھکا چھپا امر نہیں ہے،وہ اسلاف کے دفاع میں تحقیق کا اعلی بلسند صحیح ،ٹھیٹ اسما الرجال پر مبنی معیار قایم کرتے نظر آتے ہیں،وہ جموریت کے دفاع میں اسلاف کی شخصیات سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے ہیں،انکو جمہوری زاویہ فکر اور لبرل مذہبی اقدار کی روشنی میں پرکھنے کی بجائے انھیں جدید زماں کی بجائے انکے اپنے حقیقی ماضی کے زماں ،افراد،سیاست اور پس منظر کی روشنی میں جانچنے کی کوشش کرتے ہیں،وہ سید قطبؒ و مودودیؒ کی طرح جمہوریت نوازی میں مغرب سے زیادہ مغربی بننے کا چلن نہیں دکھاتے ہیں۔

لہذا اپنی کتب میں انکا ذاتی شخصی کردار علی محمد صلابی ،بطور سیاست دان،بطور انقلابی علی محمد صلابی سے الگ کونے میں کھڑا ملتا ہے،بتایا جاتا ہے کہ صلابی کی جڑوں میں ترک خون شامل ہے ،جس کی بابت میں کچھ معمولی سی بھی ان کے ذاتی علم و نسب سے متعلقہ معلومات نہیں رکھتا ہوں،مگر جس طرح انھونے اخوان المسلمین کے برخلاف سلاطینِ ترکیہ کا بلعموم اور سلطان عبدالحمید کا بلخصوص دفاع کیا ہے،اس سے ان کی اس صلاحیت کا احساس ہوتا ہے کہ تاریخی احساس،مباحث میں فرق روا رکھنے کا ملکہ انھیں ،اپنے سیاسی فکری پس منظر اور وابستگی سے کافی الگ و منفرد مقام پر کھڑا رکھتے ہیں ،اور وہ اپنے استدلال تحقیق ،اور سیاسی حق کے جواز کے لئےاپنی حدود سے تجاوز کرنے کی خیانت کرتے نہیں دیکھتے ہیں۔

انھونے مسلم تاریخ نگاری اور سیرت نگاری میں ماخذات کے جتنے وسیع اور متنوع ذخیرے کنگھالے ہیں ،اسکا اندازہ قاری کو دوران مطالعہ صفحاتی قدمی حاشیوں[3] ،حوالوں اور فہرست کتب سے بخوبی ہوجائیگا۔

بحرحال اس مقدمہ میں خاکسار آپکو سلطان کی حیات کے مختلیف گوشوں کے اجاگر کرنے کے علاوہ لٹریچر ریویو(موادی جایزہ) بھی پیش کرنے کی کوشش کریگا،اصل عربی تحریر بھی اسی کتاب میں محققین کی آسانی و موازنہ کے لئے پیش کی جائیگی۔

---

[3] Footnotes.

میری اس ضمن میں یہ حقیر سی کوشش ہوگی کہ علی محمد صلابی کی سلطان عبدالحمید کے موافق و مدح تحریر کے ساتھ ،لبرل موم بتی نوازوں کے عبدالحمید کا بھی حال بیان کیا جائے ،جس کے بعد آپ انکا صلابی اور اردوگان کے عبدالحمید سے تقابلہ کرکے دیکھ سکیں گے۔

**کتب استدلالیہ کا ایک جایزہ:**

ذیل ہم اس جگہ اُن کتب کی ترقیم و فہرست کرنے کی کوشش کریں گے جن کے دم پر ڈاکٹر صاحب نے سلطان عبدالحمید کی ایک معتدل تصویر ہمارے سامنے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے:

۱۔محمد حرب ۔السلطان عبدالحمید ثانی۔

۲۔ڈاکٹر اسمعیل۔الدولتہ العثمانیہ فی التاریخ۔

۳۔ڈاکٹر محمد حرب۔مذکرات السلطان عبدالحمید۔تقدیم :حرب۔

۴۔ڈاکٹر اسمعیل یاغی:الدولتہ العثمانیہ۔

۵۔ساطع الحصری:االبلاد الغربیہ ولدولتہ العثمانیہ۔

٦۔ابراہیم حلمی بک:التحفتہ الحلیمیہ فی تاریخ الدولتہ العلیہ

۷۔ڈاکٹر عبدالعزیز العمری:الفتوح الاسلامیہ عبر العصور۔

۸۔احمد عبدالرحیم مصطفی:فی اصول التاریخ الاسلامی۔

۹۔ڈاکٹر محسن عبدالحمید:جمال الدین الافغانی المصلح المفتری علیہ۔

۱۰۔ڈاکٹر حمود احمد الرحیلی:الماسونیہ الموقف الاسلام منہا۔

۱۱۔موسوعہ اتاتورک:؟(کتاب کی حوالہ جاتی فہرست میں اسکا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے ،مگر حواشی میں اسکا حوالہ ملتا ہے،آن لاین بھی میں اتا ترک پر کوئی انسایکلو پیڈیا ڈھونڈھ نہیں پایا ہوں)

۱۲۔عثمان الارکین:تاریخ التربیتہ الترکیہ۔

۱۳۔مصطفی طوران:الانقلاب العثمانی۔

۱۴۔جریدہ ترجمان حقیقت:رسالہ مزالصین:۱۳۲۵ ہجری۔

۱۵۔ڈاکٹر موفق بنی المرجہ:صحوہ الرجل المریض۔

۱٦۔ڈاکٹر جمیل مصری:حاضر العالم الاسلامی۔

۱۷۔ڈاکٹر احمد نعیمی:الیہود والدولہ العثمانیہ۔

۱۸۔ڈاکٹر علی حسون:تاریخ الدولتہ العثمانیہ۔

۱۹۔محمد لازعبی:حقیقتہ الماسونیہ۔

۲۰۔محمد مصطفی:الحرکتہ الاسلامیہ الحدیثہ۔

۲۱۔مصطفی طوران:الیہود الدومتہ۔

۲۲۔جندی(؟):السلطان عبدالحمید و الخلافتہ الاسلامیہ۔

۲۳۔محمد اور خان:السلطان عبدالحمید:حیاتہ واحداث عہدہ۔

۲۴۔ڈاکٹر محمد حرب:العمانیون فی التاریخ الحضارۃ۔

۲۵۔ڈاکٹر شناوی:الدولتہ العثمانیہ۔

۲۶۔محمد زاہد عبدالفتاح ابو غدۃ:التاریخ العثمانی فی شعر احمد شوقی۔

۲۷:الشوقیات:دیوان احمد الشوقی۔

۲۸۔محمود ثابت الشاذلی:المسالہ الشرقیہ،دراستہ وثایقیہ،عن الخلافتہ العثمانیہ۔

۲۹۔محمد حسین:الاتجاہات الوطنیہ۔

۳۰۔ڈاکٹر سفر الحوالی :العلمانیہ۔

**سلطان عبدالحمید ترک ڈراموں کی مقبولیت سے قبل:**

ہم اس امر کو جانچ پڑتال سے معلوم کرچکے ہیں کہ آج جس طرح ترک ڈراموں میں ترک مسلم تاریخ کے کئی کرداروں کو مثبت طور پر پیش کیا جارہا ہے ،ماضی میں ترکی تو کجا پاکستان جیسی اسلام پسند ریاست میں بھی انکے کردار کو منفی طور پر کتب میں پیش کیا جاتا تھا،جیسا کہ ہم دارالمصنفین کی حمایت یافتہ ڈاکٹر محمد عزیز کی کتاب کے ضمن میں دیکھتے ہیں جس کو پاکستان میں کثرت سے مختلیف مطبع خانوں کی جانب سے آج کی ترک تاریخ کے اوردو میں مستند ماخذ کے طور پر شایع کیا جارہا ہے، ہم اس کتاب میں دیکھتے ہیں کہ وہاں بھی ڈاکٹر محمد عزیز صاحب نے مصطفی کمال اور سلطان عبدالحمید کے دور کے قریب ہوکر اور ہندوستان کی تحریک خلافت کے اریب قریب دور میں موجود ہونے کے باوجود عبدالحمید کو بطور سلطان جدیدیت و جمہوری فکری رجحانات کی روشنی میں منفی طور پر پیش کیا ہے۔بہت سے حضرات شاید اس امر سے ناواقف ہوں گے کہ کچھ لوگوں کے نزدیک ڈاکٹر محمد عزیز اس کے اصل مصنف نہیں ہیں بلکہ وہ اس کتاب کے مترجم تھے چناچہ ان کی یہ کتاب اصل میں دلاژون کیر کی کتاب کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے،یہ الگ بات ہے کہ پاکستانی مطبع خانوں نے اسے ان کی تصنیف کے طور پر ہی شایع کیا ہے مگر زاویہ پبلشرز نے

اپنے ترجمہ میں اس کے اصل مصنف کا نام طبع کیا ہے ،دوسری طرف فکشن ہاوس وغیرہ جیسے ادارے اس بات کو ہضم کرگئے ہیں،سب سے زیادہ حیرت تو مشہور عالم اوردو مذہبی کتب کی سب سے بڑی آن لاین لایبیری کتاب و سنت ڈاٹ کام پر اس کے تعارف پر ہے حلانکہ المحدث نامی موقر جریدہ سے وابستہ برقی پلیٹ فارم سے تقابلہ کی توقع سخت مطلوب تھی چناچہ مذکورہ بالا کتاب کے ضمن میں وہاں درج ذیل تعارف پیش کیا گیا ہے جس میں اسے محمد عزیز کی تصنیف قرار دیا گیا ہے حیرت ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے چیمپین نے اسے کیسے بنا تحقیق ،مواد پر نگاہ ڈالے بغیر ستایش کی نگاہ سے نواز دیا ،خیر مذکورہ بالا لایبیری میں اس کتاب کا تعارف کچھ یوں پیش کیا گیا ہے:

’’دولت عثمانیہ ‘‘دار المصنفین شبلی اکیڈمی ،اعظم گڑھ ہند کے رفیق خاص جناب ڈاکٹر محمد عزیر کی تصنیف ہے ۔ بقول سید سلیمان ندوی (سابق ناظم دار المصنفین)یہ کتاب اپنی تصنیف کے وقت دولت عثمانیہ کے تاریخ کے متعلق تحریری کی جانی والی اردو زبان میں پہلی کتاب تھی ۔اس سے پہلے دولت عثمانیہ کے متعلق جوکچھ لکھا گیا وہ محض یورپین مصنفین کے تراجم اورخیالات تھے ۔ لیکن مصنف کتاب ہذا نے سات برس کی محنت ومطالعہ کے بعد اسے تصنیف کیا ۔ اس میں عثمانی ترکوں کی تاریخ سے متعلق انگریزی، عربی، اور فارسی کی مستند کتابوں نیز بعض منتخب ترکی اور فرانسیسی تاریخوں کے ترجموں سے مدد لے کرسلطنت کے عروج وزوال کی تاریخ اور جمہوریہ ترکیہ کے کارناموں کی دو جلدوں میں مکمل تفصیل پیش کردی ہے۔کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا کہ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۳۹ء میں طبع ہوئی‘‘[4] ۔

ہمیں اس بابت کوئی اصرار نہیں ہے کہ یہ دلاژون کیر ہی کی تصنیف ہے اس کتاب کی دارالمصنفین کی اشاعت میں بھی محمد عزیز صاحب نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا ہے ماسوائے لفظ مرتبہ ہی ایسا ہے جس کی بنیاد پر بحث میں کچھ رنگ بھر کر اسے نیا روپ دینا ممکن ہے۔مگر داخلی تنقید کے تناظر میں یہ کتاب مغربی مورخین کی آرا کی ہی ایک منتخب بیاض محسوس ہوتی ہے بلکہ اس کے زوال والے صفحات میں دیکھنے سے معلوم پڑتا ہے کہ مصنف بھی شاید اہل مغرب کا ہی ہم نوا بن چکا تھا،یہ بحرحال کسی ٹھیٹ شبلی نما دفاع اسلام کے فرد یا عمر خیام جیسے فرد پر وقت صرف کرنے والے ندوی کے زیر صدارت قابل مطبع مواد محسوس نہیں ہوتا ہے،خیر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ ڈاکٹر محمد عزیز کو اس کا مترجم قرار دینے کے پیچھے زاویہ پبلشرز کے پاس کیا دلایل موجود ہیں۔ڈاکٹر محمد عزیز صاحب اسے عربی،انگریزی،فارسی اور ترک کتبِ تاریخیہ سے ترتیب کردہ مرتبہ کام قرار دیتے نظر آتے ہیں،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہونے بلا نقد بس مختلیف جگہوں ،مورخین ،اور زبانوں سے مواد لے کر اسے تاریخ وار ترتیب سے پیش کرنے کے ماسوا کچھ خاص ہنر دکھانے میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے۔

-

[4] https://kitabosunnat.com/kutub-library/dolat-e-usmania-1

اس کتاب کو اردو میں اس موضوع کی اول کتاب کہنے والوں میں سید سلیمان ندوی ؒ بھی شامل ہیں چناچہ اس کتاب نے مابعد متعلقہ اوردو کتب پر گہرا اثر اخذ و تلمذ کے ضمن میں مرتب کیا ہے اس لئے نتیجتاً مابعد قریباً تمام درسی کتب جن کو اسلامی تاریخ کے طلبہ و طالبات تاریخ اسلامی یا تاریخ عمومی کے ضمن میں جامعات کی سطح پر حصول تعلیم کے ضمن میں زیرمطالعہ رکھتے ہیں، میں بھی یہی روش دیکھنے کو ملتی ہے ۔بلکہ دیکھا گیا ہے کہ اسلام پسند جماعت اسلامی کے مکتبہ فکر کی شایع کردہ مسلم تواریخ میں بھی یہی روش اوایل کتب میں نظر آتی ہے شاید ،اسکی وجہ یہ بھی رہی ہے کہ جماعت و اخوان جمہوریت کو عین اسلامی نظام سیاست و انتخاب تصور کرتے ہیں،چناچہ ملوکیت کی برائی اور اس کی جانب سے جمہوری میلان،رجحانات و اطلاقات کی مخالفت کی سیاسی و ملوکی کوششوں کو یہ جماعتیں بہ نظر کراہت دیکھتی ہیں،اسی جواز کے لئے علامہ مودودیؒ نے خلافت و ملوکیت میں عثمانؓ،امیرمعاویہؓ اور انکے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ذوات قدسیہ اور انکی سیاست کو زوال امت ،ابتری،تنزلی،اخلاقی گراوٹ سے تشبیہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے ،بلکہ اس سے کم کیا ہماری بدبختی یا بد قسمتی ہوگی کہ جماعت اسلامی، اور اس کی ذیلی طلبہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کے پاکستانی کالجوں اور جامعات میں اثر و نفوذ نےاس قسم کی جماعتی مکتبہ کی کتب کو جامعات کے نصاب و دارالمطالعہ جات میں ایک قابل اعتماد رسائی فراہم کی ہوئ ہے ،جس کی کوکھ سے الٹی اسلاف سے نفرت پیدا ہورہی ہے۔ جسکا ایک ادنی سا نمونہ ہم مرزا محمد علی مرزا کی فکر کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔چناچہ جماعت اسلامی کے مطبع اسلامک پبلیکیشنز کی طبع شدہ بہ حیثیت مجموعی ایک عمدہ ،جامع،اور متنوع تاریخ جو ثروت صولت کی مرتب کردہ ہے یعنی کہ ملت اسلامیہ کی تاریخ میں بھی ہم وہی کچھ دیکھتے سنتے ہیں جو ہم مابعد درسی کتب میں ڈاکٹر محمد عزیز اور یورپی مورخین کے وسیلے سے امتیاز پراچہ جیسے درسی تواریخ کے ہاں لکھا پاتے ہیں۔ذیل میں ان مصنفین کی تحریروں سے کچھ اقتباسات پیش کرونگا تاکہ صلابی کی مثبت تاریخی تحقیقات کے مقابل تصویر کا جمہوریت نواز فکری رخ بھی قارین کے سامنے اجاگر کرسکوں ،یہاں ان آرا کو پیش کرنے سے یہ معنی اخذ نہیں کئے جائیں کہ میں ان آرا سے کامل و جزوی طور پر متفق ہوں یا میرا بھی ان مصنفین کی طرح وہی موقف ہے جو مابعد بیان کیا جارہا ہے ،ظاہر امر ہے کہ اگر اسی مانند موقف ہوتا تو میں علی محمد صلابی کی یہ تحقیق کتابی صورت میں اپنی تحقیق و افادات کے ساتھ ملا کر کیوں پیش کرتا؟۔

**چناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسایکلو پیڈیا سلطنت عثمانیہ کا مقالہ نگار سلجوق آکسن لکھتا ہے کہ:**

Assuming the throne when his brother stepped down in 1876, Abdülhamid was largely indebted to Midhat Pasha who had masterminded the deposing of the preceding sultans. Although Midhat Pasha originally envisaged a constitutional monarchy arising from these

changes in rule, the new sultan opposed a liberal system. Abdülhamid did approve the introduction of a constitution and a parliament, but he forced Midhat Pasha to change the original liberal document into an authoritarian one. The constitution was promulgated by the sultan on December 23, 1876. The parliament convened for only two periods, in 1877 and 1878. On February 13, 1878, the sultan dissolved the parliament and restored autocracy. The limited constitutional reforms urged by Midhat Pasha failed in part because of Abdülhamid's autocratic preferences but also as a result of military defeat in the Russo-Ottoman War of 1877–78 (*see* Russo-Ottoman Wars). When the war came to an end by the Treaty of San Stefano (Yeşilköy) on March 3, 1878, the terms of the treaty ended Ottoman presence in the Balkans and established Russian predominance over southeastern Europe and the Turkish Straits (Bosporus and Dardanelles). This radical shift in European power balances was opposed by the rest of the great powers, leading to a new peace settlement at the Congress of Berlin (June 13 through July 13, 1878, see Russo-Ottoman wars), during which Ottoman presence in Albania and Macedonia was restored, despite territorial losses in Europe and Anatolia

۱۸۷٦ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس(عبدالحمید) کے بھائی نے اپنا عہدہ چھوڑا تو تخت سنبھالتے ہوئے عبدالحمید بڑی حد تک مدحت پاشا کا مقروض تھا جس نے سابقہ سلطان کو معزول کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی ۔ اگرچہ مدحت پاشا نے حقیقت میں (طرز)حکمرانی میں ان تبدیلیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے آئینی بادشاہت کا تصور پیش کیا تھا ۔لیکن اس کے منتخب و مقرر کردہ نئے سلطان نے(مابعد جلد) ایک لبرل نظام کی مخالفت شروع کردی تھی۔

عبدالحمید نے اگر چہ ہم دیکھتے ہیں کہ آئین اور پارلیمنٹ متعارف کرانے کی منظوری ضرور دے دی تھی ،لیکن انہوں نے مدحت پاشا کی

اصل لبرل دستاویز کو آمرانہ دستاویز میں تبدیل کرنے پر مجبور کیا تھا۔ چناچہ اس آئین کو سلطان کی جانب سے
۲۳ دسمبر ۱۸۷٦ کو نافذ کروادیا گیا۔

چناچہ اس دوران سلطان نے پارلیمنٹ کو صرف دو دفعہ ۱۸۷۷ اور ۱۸۷۸ میں اجلاس منعقد کرنے کے لئے طلب کیا تھا، مابعد ۱۳ فروری ۱۸۷۸ ء کو سلطان نے پارلیمنٹ کو تحلیل کر دیا اور آمریت بحال کر دی گئی۔ مدحت پاشا کی طرف سے پروان کردہ محدود آئینی اصلاحات عبدالحمید کی مطلق العنان ترجیحات کی وجہ سے جزوی طور پر ناکام ہو گئی تھیں ،مگر اسکے اور بھی کچھ محرکات کارفرما تھے ،چناچہ ۱۸۷۷،۱۸۷۸- کی روس اور عثمانی جنگ میں فوجی شکست کے نتیجے میں بھی (دیکھیں روس عثمانی جنگیں)۔
جب ۳مارچ ۱۸۷۸ء کو سان سٹیفانو کے معاہدے کے ذریعے جنگ کا خاتمہ ہوا تو معاہدے کی شرائط نے
بلقان میں عثمانیوں کی موجودگی کو ختم کر دیا اور جنوب مشرقی یورپ اور آبنائے ترکی (باسپورس اور دردانیلس) پر روسی غلبہ قائم کر دیا گیا۔ چناچہ یورپی طاقت کے توازن میں اس بنیادی تبدیلی کی باقی عظیم طاقتوں نے مخالفت شروع کردی تھی ،جس کے
نتیجے میں برلن کی کانگریس میں ایک نیا امن تصفیہ ممکن ہوا (۱۳ جون تا ۱۳ جولائی ۱۸۷۸ء، روس عثمانی جنگیں دیکھیں) جس کے دوران یورپ اور اناطولیہ میں علاقائی نقصانات کے باوجود البانیہ اور مقدونیہ میں عثمانیوں کی موجودگی بحال کردی گئی۔

Abdülhamid did not want to risk the existence of the-empire. For Abdülhamid, stability could only be assured by authoritarian measures such as personal rule, police surveillance, censorship, prohibition of public and private gatherings, and restrictions on mobility. Abdülhamid promoted networks of patronage to keep tribal leaders in remote provinces under his personal control and he also used the ideology of Islamism as a tool of control, stressing the notion of being both the secular ruler of all Ottoman subjects (sultan) and the religious head (caliph) of all Muslims everywhere. Propagating Sunni Islam as the

true form of belief was instrumental in legitimizing central authority among different ‹Muslim subjects. Islamism

was also used as a diplomatic tool to intimidate colonial powers with substantial Muslim populations, such as England, France, and Russia. Despite Abdülhamid's efforts to exert control, authoritarian measures did not stop separatist movements in the Balkans; Abdülhamid's regime played Bulgarian guerrilla bands against the Greek ones and thus
tried to keep control in Macedonia. In Anatolia, Abdülhamid mobilized Kurdish tribes against Armenian guerrillas. In August, 1894, the Armenians staged an armed revolt; this led to the notorious Armenian massacres. The brutality of these events, international intervention on behalf of the Armenians, the fear of the disintegration of the empire, and the corrupt character of the regime ultimately triggered opposition against the sultan by a dissident group known as the Young Turks. One Young Turk organization, the Committee of Union and Progress, succeeded in infiltrating the military elite, leading to revolt in Macedonia and forcing Abdülhamid to restore the constitution (July 4–24, 1908). Under the new regime, Abdülhamid acted as a constitutional monarch; however, the principal political parties distrusted him. When a reactionary rebellion broke out in Istanbul (April 13–24, 1909), Abdülhamid was accused of being behind it. This incident led to his being deposed on April 27, 1909. Abdülhamid and his family were exiled to Salonika. During the First Balkan War (1912–13) (*see* Balkan wars) he was transferred back to Istanbul (October 1912) to spend the rest of his life at the Beylerbeyi Palace.[5]

---

[5] Selçuk Akşin Somel- Abdülhamid II: *Encyclopedia of* the ottoman empire:ed:gabor&bruce: Facts On File, Inc. New York.2009.pp:6-8.

’’ معلوم پڑتا ہے کہ عبدالحمید سلطنت کے وجود کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا ۔ عبدالحمید کے نزدیک ریاستی وحکومتی استحکام کی یقینیت صرف آمرانہ[6] اقدامات جیسے ذاتی حکمرانی، پولیس کی نگرانی، سنسر شپ، سرکاری اور نجی اجتماعات کی ممانعت اور نقل و حرکت پر پابندیوں کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتی تھی۔ عبدالحمید نے دور دراز صوبوں میں قبائلی رہنماؤں کو اپنے ذاتی کنٹرول میں رکھنے کے لئے اپنے زیر سایہ سرپرستی کے جال کو فروغ دیا اور انہوں نے اسلام ازم کے نظریے کو بھی کنٹرول کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور ہر جگہ بیک وقت تمام عثمانی رعایا کے سامنے خود کو بطور بیک وقت ایک سیکولر حکمران (سلطان) اور(کل دنیا کے) تمام مسلمانوں کے سامنے بطور مذہبی سربراہ (خلیفہ) ہونے کے تصور کو پروان چڑھایا ۔ ۔انھوں نے سنی اسلام کو عقیدے کی حقیقی شکل کے طور پر پیش کرنے کی کو شش کی جو انکے نزدیک بطور پروپیگنڈا مختلف مسلم مضامین میں مرکزی اختیار کو جائز قرار دینے میں اہم کردار ادا کرتا تھا۔

جب کہ دوسری طرف اسلام ازم،کو انگلستان، فرانس اور روس جیسی مسلم آبادی وں والی نوآبادیاتی طاقتوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے بطور سفارتی ہتھیار کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

عبدالحمید کی جانب سے سخت ریاستی گرفت قائم کرنے کی کوششوں کے باوجود ،اس کے آمرانہ اقدامات نے بلقان میں علیحدگی پسند تحریکوں کو نہیں روکا،بلکہ دیکھا گیا کہ عبدالحمید کی حکومت نے یونانیوں کے خلاف بلغاریہ کے گوریلا بینڈ کو استعمال کیا اور اسی طرح مقدونیہ میں اپنا کنٹرول برقرار رکھنے کی کوشش کیں۔ اسی طرح اناطولیہ میں عبدالحمید نے کرد قبائل کو آرمینیائی گوریلا کے خلاف متحرک کیا۔ اگست ۱۸۹۴ میں آرمینیائی باشندوں نے جب مسلح بغاوت کی تواس کے نتیجے میں بدنام زمانہ آرمینیائی قتل عام شروع ہوا۔

ان واقعات کی بربریت، آرمینیائی باشندوں کی جانب سے بین الاقوامی مداخلت، سلطنت کے انتشار کا خوف اور حکومت کے بدعنوان کردار کے سبب بالآخر ایک منحرف گروہ جسے نوجوان ترک کہا جاتا ہے، نے سلطان کے خلاف مخالفانہ کوششیں شروع

---

[6] مقالہ نگار اور ہم خیال افراد کو جمہوری آمریت ،عوامی آمریت،یا پھر کمالی آمریت کے جبر پر کوئی اعتراض بادی النظر میں محسوس نہیں ہوتا ہے،اس قسم کے افراد علم سیاست کی اصطلاح آمریت کو دوسری اصطلاح جمہوریت کے مقابل دور وحشت کی پیداوار سمجھتے ہیں۔معج

کردیں۔چناچہ ایک
ینگ ترک تنظیم کمیٹی آف یونین
اینڈ پروگریس نے فوجی اشرافیہ میں دراندازی کرنے میں کامیابی حاصل کی
جس کے نتیجے میں مقدونیہ میں بغاوت ہوئی اور عبدالحمید کو آئین کی بحالی پر مجبور کیا گیا
(۲۴۔جولائی۔ ۱۹۰۸)۔
نئی حکومت کے تحت شروع شروع میں عبدالحمید نے بطور آئینی بادشاہ کی حیثیت سے کام شروع کیا، تاہم اہم سیاسی جماعتوں نے ان پر عدم اعتماد کیا اظہار کیا ۔ جب استنبول (۱۳ تا ۲۴ اپریل ۱۹۰۹) میں ایک رد عمل پسند بغاوت شروع ہوئی تو عبدالحمید پر اس کی پشت پناہی کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اس واقعے کی وجہ سے انہیں ۲۷اپریل ۱۹۰۹ کو معزول کر دیا گیا۔ اور عبدالحمید اور اس کے خاندان کو سلونیکا جلاوطن کر دیا گیا۔
مابعد پہلی بلقان جنگ
(۱۹۱۲–۱۳) کے دوران (بلقان جنگیں دیکھیں) انہیں واپس استنبول منتقل کر دیا گیا
(اکتوبر ۱۹۱۲) تاکہ وہ اپنی بقیہ زندگی
بیلربی محل میں گزار سکیں۔

**سلطان کی بابت مقالہ نگار کی آرا کے نتایج:**

ہم دیکھتے ہیں کہ اس تحریر سے جو ایک جمہوریت نواز لبرل فکر ترک نے تحریر کی ہے کے ذریعہ ہمیں ترک علمی اشرافیہ کے سلطان کی بابت موقف کو اندازہ ہوتا ہے،موصوف کی تحریر سے یہ خیال معلوم پڑتا ہے کہ سلطان کو بادشاہ گر مدحت پاشا کے ہاتھوں زر خرید غلام کی طرح کٹھ پتلی بن کر حیات بسر کرنی چاہئے تھی، بلکہ اسکو ایک کمزور و مجبور علامتی جمہوری بادشاہ کی طرح حکومت کے تمام اختیارات طشتری میں رکھ کر مدحت پاشا کو پیش کردینے چاہئے تھا،مذید براں مقالہ نگار یہ تاثر دیتے دکھتے ہیں کہ سلطان نے ریاست میں ایک پولیس اسٹیٹ اور مخبری و جاسوسی کا سخت نظام قایم کیا ہوا تھا ، بلکہ اس نے مقدونیہ سے آرمینیہ تک ایک وسیع ظالمانہ بازار کو بہ جبر و قہر قایم کیا ہوا تھا،اس نے ایک قوم کے خلاف دوسری قوم کو کھڑا کیا ہوا تھا،اول تو سب کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آرمینیہ کا قتل عام ایک کھلی بغاوت تھی،جسے یورپی قوتوں کی پشت پناہی حاصل تھی،اور وہاں موجود عناصر پہلے سے کمزور ترک خلافت کے لئے مسایل کھڑے کر رہے تھے۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ باغیوں اور حامیوں کے خلاف ان کی جانب سے آہنی ہاتھوں سے نہیں نمٹا گیا تھا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مغرب اور مغربی فکر سے متاثر افراد نے آرمینیائی مسلہ کو اسی مبالغہ آمیز رنگ ڈھنگ کے ساتھ پیش کیا ہے،جیسے ہٹلر کے ہاتھوں ایک آدھ لاکھ یہودیوں کے قتل عام کو

چھ لاکھ اور وہاں سے ساٹھ لاکھ[7] تک پہنچادیا گیا اور پھر اس موضوع کو اتنابڑھاوا دیا گیا کہ یسوع مسیح کی ابنیت اور خداوندی قدوسیت سے بھی بڑھادیا گیا،یسوع کے ہونے نا ہونے پر کلام ممکن تھا لیکین یہودیوں کے قتل عام پر تحقیق میں حقایق کی جانچ پڑتال کو جرم گردانا گیا،سمجھیں ارمینیای مسلہ اسکی کا ایک یورپی مبالغہ آمیز صغریٰ ہے، بس فرق یہ ہے کہ یہاں صغریٰ کبریٰ سے پہلے پیش آگیا ہے۔

دیکھنے سے ویسے صاحب مقالہ کی تحریر سے یہ امر بخوبی معلوم پڑتا ہے کہ سلطان کے زوال کے پیچھے ینگ ٹرکس اور جدت پسند و اصلاح پسند عناصر کا ہاتھ کارفرما تھا، چناچہ ینگ ٹرکس کےلونڈے لپاڑے یہی لوگ اصل میں ترک قوم پرستی اور مغرب نوازی کے سرخیل تھے،یہاں عربوں کی مابعد قوم پرستی پر فرقہ وارانہ طور بھڑکنے والے مولویوں کے لئے عبرت و جہالت کا مقام پایا جاتا ہے ،جن کو یہی نہیں معلوم کہ ترک خلافت کب سے کمزور اور لاچار چلی آرہی تھی،یہ جذبات بھڑکاو لوگ بھول جاتے ہیں کہ مصر ،شام و حجاز کب سے اٹھارویں صدی میں انکے ہاتھوں سے نکل چکے تھے،انکا مقرر کردہ گورنر محمد علی پاشا البانی کب سے وہاں یورپی قوتوں کی آشیروارد سے مالکِ کل بنا بیٹھا تھا،سلطان عبدالحمید دویم کے بعد سے بچے کچھے عثمانی علاقوں پر کوئی جی دار با صلاحیت خلیفہ آنا بند ہوچکا تھا۔ چناچہ حجاز میں جن حکمرانوں سے سعودیوں نے حکومت چھینی وہ کوئی سلطنت عثمانیہ کا عامل نہیں تھا بلکہ انکا سابقہ عامل اوریورپی قوتوں کا پروردہ آزاد حکومت قایم کرنے والا شریف مکہ تھا۔

## <u>آرمینیائی مسلہ ،سلطان عبدالحمید اور مغربی آرمینیائی دعوے:</u>

آرمینائی مسلہ ترک تاریخ پر حملہ آور یورپی مورخین کے نزدیک ایک سنگین ظالمانہ مسلہ رہا ہے ،ان کے دعووں کے مطابق ، نتیجتاً میں قریباً پندرہ لاکھ سے بیس لاکھ افراد ترک حکومت کی حکمت عملی اور نسل کشی کی ارتقائی کوششوں کے سبب ہلاک ہوئے تھے ،لازمی بات ہے کہ اس مبالغہ آمیز دعوے کے پیچھے یورپی قوتیں بلخصوص امریکی آرمینائی زیادہ فعال نظر آتے ہیں،انکے نزدیک سلطنت کی آخری تین صدیوں میں ترک مسلمان آرمینائی نسل کو اجنبی تصور کیا کرتے تھے، بلکہ الٹا ان کو چھپے دشمن اور یورپی عیسائی قوتوں کا ہمدرد اور آلہ کار تصور کیا کرتے تھے،وقتاً و فوقتاً انکے اور ترکوں مابین کشیدگی کی فضا سلطنت کے طول و عرض میں نمودار ہوتی تھی۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ زوال کے آخری پچاس سالوں میں اس رجحان میں نمایاں بالدیگی و تیزی رونما ہوئی تھیدوسری جانب ترک حکومت اور اس کے مورخین ان مبالغہ آمیز اعداد و شمار کو مسترد

---

[7] لاکھ یا ساٹھ لاکھ کا مبالغہ ،قتل عام اور وسیع پیمانے پر آبرو ریزی کی داستانیں ہمیں ادیبانہ مورخانہ مبالغہ آمیزی کے ساتھ کربلا سے سقوط ڈھاکہ تک ڈھونڈھنے کو ملتی ہے،شاید ساٹھ لاکھ تاریخ نگاری میں ایک معروف مبالغہ کا صیغہ عین اسی طرح بن چکا ہے جیسے عربی میں ستر ستر کا عدد مبالغہ آرائی کے لیے بروئے کار لایا جاتا ہے۔معج

کردیتے ہیں۔یہ بات کسی نا کسی حد تک باعث اطمینان ہے کہ یہاں اس درجہ کبیر کی نسل کشی کو ینگ ترک کے دور اقتدار یعنی جنگ عظیم اول کے شروع میں اور بلقان جنگوں کے مابعد قرار دیا جاتا ہے،جو عبدالحمید سے متعلقہ بحث کے تناظر میں ہماری حدود و تعارف سے تجاوز کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

مگر انکا یہ اعتراض عبدالحمید پر بھی ملتا ہے کہ اس نے آرمینائی نسل کشی کی منظم بنیاد رکھی تھی اور اس ضمن میں سلطان نے کئی مقامی نسلوں کو انکے خلاف صف آرا کیا تھا، جن میں سب سے اول کردوں کا نام لیا جاتا ہے،جن کے خلاف عصرِ حاضر میں ترک،عراقی،ایرانی اور شامی تمام مملکتیں پیش پیش نظر آتی ہیں۔

**<u>انسایکلوپیڈیا بریٹینیکا کے مقالہ نگار نے اس ضمن میں جو تذکرہ کیا ہے وہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:</u>**

Anti-Armenian feelings erupted into mass violence several times in the late 19th and early 20th centuries. When, in 1894, the Armenians in the Sasun region refused to pay an oppressive tax, Ottoman troops and Kurdish tribesmen killed thousands of Armenians in the region. Another series of mass killings began in the fall of 1895, when Ottoman authorities’ suppression of an Armenian demonstration in Istanbul became a massacre. In all, hundreds of thousands of Armenians were killed in massacres between 1894 and 1896, which later came to be known as the Hamidian massacres. Some 20,000 more Armenians were killed in urban riots and pogroms in Adana and Hadjin in 1909.[8]

’’انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں کئی بار آرمینیائی مخالف جذبات بڑے پیمانے پائے جاتے تھے اور ان کے خلاف مابعد عملی طور بھی پُر تشدد کاروائیوں کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ لہذا جب ۱۸۹۴ میں سسون کے علاقے میں آرمینیائی باشندوں نے جابرانہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا تو عثمانی فوجیوں اور کرد قبائلیوں نے خطے میں ہزاروں آرمینیائی باشندوں کو ہلاک کرنا شروع کردیا تھا۔ چناچہ بڑے پیمانے پر قتل عام کا ایک اور سلسلہ ۱۸۹۵ کے موسم خزاں میں شروع ہوا جب عثمانی حکام کی جانب سے استنبول میں آرمینیائی مظاہرے کو دبانے کی کوششیں قتل عام میں بدل گیں۔ مجموعی طور پر ۱۸۹۴ سے ۱۸۹۶ کے درمیان ہونے والے قتل عام میں لاکھوں آرمینیائی مارے گئے ،جو بعد ازاں حمیدی قتل عام کے نام سے مشہور ہوئے۔ چناچہ مابعد ۱۹۰۹ میں آدانا اور ہدجن میں شہری فسادات اور پوگروم میں تقریبا ۲۰۰۰۰ مذید آرمینیائی ہلاک ہوئے تھے‘‘۔

[8] https://www.britannica.com/event/Armenian-Genocide

مگر اس بیان کو منطقی زاوایہ سے دیکھا پرکھا جائے تو صورتحال ذرا مختلیف محسوس ہوسکتی ہے چناچہ ایک اندازہ کے مطابق اس دوران کچھ سو دوسو آرمینائی ہلاک ہوئے تھے،جسکو بہت سے بہت سے لاسٹک کی طرح کھینچ کھانچ کر ۱۲۰۰ تک پہنچایا جاسکتا ہے،اور جوڑ لگا کر دوہزار تک پہنچانے کی گنجایش علمی بدمعاشی سے نکالی جاسکتی ہے بعد ازاں جس کو بریٹینیکا کے مضمون نگار نے بیس ہزار کے اعداد تک جا پہنچایا[9]،خود آرمینائی چرچ کے مطابق چھ عثمانی ولایتوں میں رہایش پذیر آرمینائی افراد دس لاکھ اٹھارہ ہزار کی تعداد تک محدود تھے جبکہ اس کے برخلاف عثمانیوں کا تخمینہ یہ تھا کہ یہ تعداد پونے آٹھ لاکھ تک محدود تھی۔یعنی یہ کہ ان چھ ولایتوں کے مختلیف قریوں،دیہاتوں میں تین ہزار تین سو تینتیس کے قریب افراد ہلاک ہوئے تھے،میں اس تعداد کو انتہائی انتہا پر لے جاکر بھی ہزار سے زاید تسلیم نہیں کرسکتا ہوں۔ایسا معلوم پڑتا ہے کہ اتنے بڑے دعوئ کردہ قتل عام ظلم وجبر کے باوجود آرمینائی بڑی سرعت سے بچے پیدا کرکے اپنی آبادی میں کل دنیا کے مقابل تباہ کن اضافہ کرنے میں مگن تھے ،چناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تعداد ۱۹۱۱ تک سترہ لاکھ دس ہزار کے عدد میں محصور تھی جبکہ روس میں یہ تعداد اس دوران پندرہ لاکھ اسی ہزار کے اندر محدود تھی۔[10]

مخالفین کا کہنا ہے کہ کبرئ نسل کشی میں قتل عام پندرہ لاکھ سے بیس لاکھ کے درمیان پایا جاتا تھا،یعنی یہ کہ ۱۹۱۶ اور ۱۹۱۷ تک یہ آبادی وہاں تمام مسلسل نسل کشی کی لازوال کوششوں کے باوجود بیس لاکھ تک جا پہنچی تھی،اور ترکوں نے کل آبادی کونسل کشی سے صفحہ ہستی سے جا مٹایا تھا۔

**<u>ترکوں کا جوابی موقف:</u>**

ترکوں کی جانب سے مغرب کی آرمینئای نسل کشی کے دعوے کی تردید اکثر و بیشتر سنائی دیتی رہی ہے جب ہم نے اس ضمن میں حکومتِ ترکیہ کی جانب سے اس الزام کے رد کی تحقیق کی تو درج ذیل موقف سامنے آیا چناچہ

ترک حکومت نے بھی اس مسلہ کا جواب پیش کیا ہے جو ذیل میں انکی زبانی پیش کیا جاتا ہے:

**<u>FACT 1:</u>** Demographic studies prove that prior to World War I, fewer than 1.5 million Armenians lived in the entire Ottoman Empire. Thus, allegations that more than 1.5 million Armenians from eastern Anatolia died must be false.

Figures reporting the total pre-World War I Armenian population vary widely, with Armenian sources claiming far more than others. British, French and Ottoman sources give figures of 1.05-1.50 million. Only certain Armenian sources claim a pre-war population larger than 1.5 million. Comparing these to post-war figures yields a rough estimate of losses. Historian and demographer, Dr. Justin McCarthy of the University of Louisville, calculates the actual losses as slightly less than 600,000. This figure

---

[9] بریٹینیکا کے موجودہ جدید آن لاین اور ڈی‌وی ڈی ایڈیشن اور واقعہ کے قریب قدیم ایڈیشن میں بہت فرق واقع ہوا ہے،مگر لکھنے والوں کا تعصب ہر دور میں بام عروج پر پہنچا نظر آتا ہے،ڈاکٹر عزیز کے سامنے بھی قدیم ایڈیشن پیش نظر تھا۔معج۔

[10] https://en.wikipedia.org/wiki/Historical_Armenian_population

agrees with those provided by British historian Arnold Toynbee, by most early editions of the Encyclopedia Britannica, and approximates the number given by Monseigneur Touchet, a French missionary, who informed the Oeuvre d'Orient in February 1916 that the number of dead is thought to be 500,000. Boghos Nubar, head of the Armenian delegation at the Paris Peace Conference in 1920, noted the large numbers who survived the war. He declared that after the war 280,000 Armenians remained in the Anatolian portion of the occupied Ottoman Empire while 700,000 Armenians had emigrated to other countries.

Clearly then, a great portion of the Ottoman Armenians were not killed as claimed and the 1.5 million figure should be viewed as grossly erroneous. Each needless death is a tragedy. Equally tragic are lies meant to inflame hatred.

حقیقت 1: آبادیاتی مطالعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم سے پہلے پوری سلطنت عثمانیہ میں ۱۵ لاکھ سے بھی کم آرمینیائی باشندے رہتے تھے۔ اس طرح یہ الزامات جھوٹے ہونے چاہئیں کہ مشرقی اناطولیہ سے تعلق رکھنے والے ۱۵ لاکھ سے زائد آرمینیائی باشندے ہلاک ہوئے تھے۔

پہلی جنگ عظیم سے پہلے آرمینیائی آبادی کی کل رپورٹنگ کے اعداد و شمار وسیع پیمانے پر مختلف پائےجاتے ہیں، آرمینیائی ذرائع دوسرے ذرایع کے مقابلے میں کہیں زیادہ مبالغہ آمیز دعویٰ کرتے پائے جاتے ہیں۔ برطانوی، فرانسیسی اور عثمانی ذرائع ۱.۵-۱.۵۰۰ ملین کے اعداد و شمار دیتے ملتے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ کے قریب تھی، جبکہ ان کے برخلاف بعض آرمینیائی ذرائع کی رو سے جنگ سے پہلے کی آرمینئای آبادی 15 لاکھ سے زیادہ تھی ۔ چناچہ ان کا موازنہ جنگ کے بعد کے اعداد و شمار سے کرنے سے نقصانات کا ایک موٹا تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ تاریخ دان اور ڈیموگرافر، ڈاکٹر جسٹن میکارتھی

جنکا تعلق یونیورسٹی آف لوئیزویل سے رہا ہے ، موصوف اس ضمن میں اصل نقصانات کا حساب ۶۰۰۰۰۰ کے اندر اندر لگاتے نظر آتے ہیں ، یہاں وہ کافی حد تک مشہور برطانوی

مورخ آرنلڈ ٹوئن۔بی کی جانب سے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ابتدائی ایڈیشنوں میں شایع کردہ اعداد و شمار سے اتفاق کرتے ملتے ہیں اور اسی طرح ایک فرانسیسی مشنری مونسیگنور ٹچ ٹچ کی طرف سے دی گئی تعداد کا تخمینہ لگایا گیا ہے جس نے فروری ۱۹۱۶ میں اویور۔ ڈی۔ اورینٹ کو مطلع کیا تھا کہ مرنے والوں کی تعداد پانچ لاکھ کے اریب قریب بتائی جاتی ہے۔ ۱۹۲۰ میں پیرس امن کانفرنس میں آرمینیائی وفد کے سربراہ بوگھوس نوبار نے جنگ میں بچ جانے والی بڑی تعداد کو نوٹ کیا تھا ۔ انہوں نے اعلان کیا تھا کہ جنگ کے بعد دو لاکھ اسی ہزار آرمینیائی مقبوضہ سلطنت عثمانیہ کے اناطولیہ کے حصے میں باقی رہے جبکہ سات لاکھ آرمینیائی دوسرے ممالک میں ہجرت کر چکے ہیں۔

واضح طور پر اس وقت عثمانی آرمینیائی باشندوں کا ایک بڑا حصہ دعوے کے مطابق ہلاک نہیں ہوا تھا اور 15 لاکھ افراد کو انتہائی غلط سمجھا جانا چاہئے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ہر غیر ضروری

موت ایک المیہ ہوتی ہے۔ لہذا نفرت کو بھڑکانےوالے جھوٹ بھی کچھ کم افسوس ناک نہیں ہوتے ہیں۔

**FACT 2:** Armenian losses were few in comparison to the over 2.5 million Muslim dead from the same period.Reliable statistics demonstrate that slightly less than 600,000 Anatolian Armenians died during the war period of 1912-22. Armenians indeed suffered a terrible mortality. But one must likewise consider the number of dead Muslims and Jews. The statistics tell us that more than 2.5 million Anatolian Muslims also perished. Thus, the years 1912-1922 constitute a horrible period for humanity, not just for Armenians.

The numbers do not tell us the exact manner of death of the citizens of Anatolia, regardless of ethnicity, who were caught up in both an international war and an intercommunal struggle. Documents of the time list intercommunal violence, forced migration of all ethnic groups, disease, and, starvation as causes of death. Others died as a result of the same war-induced causes that ravaged all peoples during the period.[11]

حقیقت ۲: مقابلتاً اسی عرصے میں ۲۵لاکھ سے زائد مسلمان ہلاک ہونے والوں کے مقابلے میں آرمینیائی نقصانات بہت کم نوعیت کے حامل تھے۔

چناچہ معتبر اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۹۲۱ تا ۱۹۲۲ کے جنگی دور میں آرمینائیوں کو ۶۰۰۰۰۰ سے کچھ کم اموات کا اناطولیہ میں سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس امر میں کیا کلام ہوگا کہ آرمینیائی باشندوں کو واقعی اموات کا سامنا کرنا پڑا تھا ،اور یہ امر بلاشبہ قابل افسوس امر ہے۔ لیکن ذرا دوسری طرف ان لوگوں کو اسی طرح مردہ مسلمانوں اور یہودیوں کی تعداد پر بھی غور کرنا چاہئے۔ اعداد و شمار ہمیں بتاتے ہیں کہ ۲۵ لاکھ سے زائد اناطولیہ کے مسلمان بھی اسی دوران ہلاک ہوئے تھے۔ اس طرح ۱۹۱۲ تا ۱۹۲۲ سال صرف آرمینائی نسل کے لئے تباہ کن ثابت نہیں ہوئے تھے بلکہ بہ حیثیت مجموعی کل بنی نوع انسان کے لئے بھی تباہ کن ثابت ہوئے تھے۔

چناچہ یہ ساری تعداد ہمیں نسلی تفریق سے قطع نظر اناطولیہ کے شہریوں کی اموات کا صحیح و قطعی اندازہ کرنے کے قابل نہیں بناتی ہے ،جو بین الاقوامی جنگ اور بین فرقہ وارانہ جدوجہد دونوں میں پھنسے ہوئے پائے جاتے تھے۔اس وقت کی دستاویزات میں بین فرقہ وارانہ تشدد، تمام نسلی گروہوں کی جبری نقل مکانی، بیماری اور فاقہ کشی کو موت کی وجوہات کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ چناچہ صرف آرمینائی ہی بطور قوم اس دوران ہلاکتوں و مصیبتوں کا شکار نہیں ہوئے تھے بلکہ بہت سے دیگر اقوام کے افراد بھی بدنام زمانہ انہی جنگوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے، یعنی کہ سب ہی اقوام سے تعلق رکھتے لوگ حالات کے ڈسے ہوئے معلوم پڑتے تھے۔

---

[11] https://www.mfa.gov.tr/the-armenian-allegation-of-genocide-the-issue-and-the-facts.en.mfa

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لوگ چونکہ تاریخی رومانیت میں اتنے ڈوب چکے ہیں کہ انھیں کسی فرد کی ہر حقیقی و سچی برائی وخامی بھی ذاتی و نجی عقیدت کے سب قابل برداشت محسوس ہوتی ہے مگر تصویر کے دوسرے طرف جانچا جاتا ہے کہ یہی لوگ خصم کی اچھی باتیں ہضم کرنا بھی دشوار محسوس کرتے ہیں ،چناچہ ان کم علم و چڑھتے سورج کے بچاریوں کو یورپی قوتوں کو ترکی سے نکالنا اتا ترک کا اصل کارنامہ نظر آتا ہے،اس سبب انھونے اس مذہب دشمن ظالم و جابر آدمی کو سات خون مفت میں ہی معاف کردئے گئے ہیں،اب بھلے یہ خون اس نے دین کے محافظوں کا ہی کیوں نا بہایا ہو،اس سے ان کو کچھ خاص غرض نہیں ہے۔

# کمال اتا ترک حقیقت و ماہیت

کبھی ایک وقت تھا کہ جب ہم چھوٹے بچے سے مابعد جوانی کی طرف ارتقا اختیار کرتے فرد بننے لگے تھے جسے کبھی یہ واقعہ پڑھایا جاتا تھا کہ کمال اتا ترک نے تحریک خلافت اور جنگ عظیم اول کے بعد کے تباہ حال ترکی کو سقوط و زوال سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا تھا،چناچہ ہم علی برادران کی تحریک خلافت کے لئے جدو جہد کے بعد اچانک سے اتا ترک کی شخصیت اور سعودی خاندان کو گالی گلوچ دینے میں مشغول ہوجایا کرتے تھے،اس ضمن میں ہماری تاریخی زقند حقایق کو پس پشت ڈال دیا کرتی تھی چناچہ لارنس آف اریبیہ،ترکوں صدیوں کی شکست و ریخت مرد بیماری اور شریف مکہ سے متعلقہ مباحث کو فراموش کردیا جاتا تھا،ہمیں یہ جامعہ میں آکر معلوم ہوا کہ یہ اتا ترک تھا کہ جس نے خلافت کے ادارے کے ترکی میں خاتمہ کا اعلان کیا تھا،ہمیں یہ تک بتایا نہیں جاتا تھا کہ سلطان سلیم کی فتح مصر سے عبدالحمید کے دور کے اوایل حصوں تک ترکوں نے خود کو ہمیشہ خلیفہ کہنے سے پرہیز کیا تھا اور نا ہی سلاطین ترکیہ نے اس صدیوں پر پھیلی تاریخ میں مسلم امہ کی روحانی قیادت کا دعوی کیا تھا چناچہ یہ نئی نویلی خلافت در حقیقت دعوی کردہ پین اسلامک دور کی نظریاتی کوکھ سے پیدا شدہ شہ تھی،جسے دور زوال کے بیمار ترکی نے ذاتی قوت کے احیا کے لئے بروئے کار لانے کی کوشش کی تھی،معلومات کے محدود ذرایع ،رسل و رسایدِ پر برطانوی حکومت کی گرفت نے مسلمنان ہندوستان کو حقیقت سے دور رکھا تھا ،چناچہ اتا ترک کی بابت ترک خلافت کے مردہ جانشین ہونے کے سبب ہر ایک اس کا مدح بن گیا تھا،اس نے جدید مغرب زدہ ترکیہ کے ذریعہ جس طرح دین اسلام اور علما کو نشانہ بنایا تھا اس امر کی ہیت و کیفیت،کمیت و علمیت سے اس دور کے مسلم علما ناواقف تھے۔

چناچہ ہم بطور مثال ابوالحسن ندوی جیسے جید عالم اور مغرب مخالف کا بیان دیکھتے ہیں جس میں وہ اتا ترک کو سراہتے نظرآتے ہیں چناچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

۱۹۱۸ء میں جرمنی اور ترکی کی شکست کے ساتھ یہ جنگ ختم ہوئی، برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے استنبول پر قبضہ کرلیا، اناطولیہ میں بڑی بدامنی پھیل گئی، اس وقت امن قائم کرنے کے لئے مصطفی کمال کا انتخاب ہوا، انہوں نے یونانیوں کے خلاف جنہوں نے از میر پر قبضہ کرلیا تھا، اعلانِ جنگ کردیا اور ۱۹۱۹ء میں شکاریہ کے معرکہ میں ان کو شکستِ فاش دی اور غازی کا لقب حاصل کیا۔ اس نے ترکی کو بہت نازک وقت میں ایک ایسے خطرہ سے بچایا جو اس کے لئے موت و زیست کا سوال بن گیاتھا اور ایک مضبوط حکومت قائم کی اور مغربی حکومتوں اور اس کے سیاسی لیڈروں کو

" اپـــنـــی عـــزیـــمـــت اورعـــظـــمـــت کـــے ســــــامـــنـــے ســـــرنـــگـــوں کـــردیـــا ۔[12]

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علی میاں نے اگر چہ اسلامیات اور مغرب کی کشمکش میں جدیدیت و اتاترکیت پر تنقیدی بیانات بھی نقل کئے ہیں جو ذیل میں اپنے موقع و محل کے مطابق بیان کئے جایں گے ،مگر مذکورہ بالا بیان کسی دوسرے کا کوئی حوالہ جاتی موقف نہیں ہے بلکہ انکا ذاتی بیان ہے جو انھونے کمال اتا ترک کی مســاعی پر پیش کیا ہے،خیر میں یہاں جو اصــل بات بیاں کرنا چاہ رہا تھا وہ یہ تھی کہ ہمارے تحریک خلافت اور اس کے جانشــین عہد کے علما و ســیاســت دان اتا ترک ســے اتنے متاثر ہوگئے تھے کہ انھونے اسے اپنا رول ماڈل تک بنالیا تھا۔

## کمالیت اور صدر پرویز مشرف صاحب:

اگر چہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہاں بھی کمالی اثرات کے سبب مشرف صاحب کے بارے میں ایسا ہی تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ کمال اتا ترک ســـے بہت متاثر تھے،مگر اس ضـــمن میں وہ ہی کیا اس دور کےبرصغیر کے مسلمانوں کی بڑی تعداد اس سے کافی متاثر نظر آتی تھی ، چناچہ مشرف صاحب نے اپنے کئی بیانات میں اپنی فکری پاکستانی اصولی بنیادوں میں جناح کو ہی اصل معیار قرار دیا تھا،مگر چونکہ انکے آمر یا فوجی ہونے کے ســاتھ ســاتھ انکی آزاد خیال حکمت عملیوں اور دہشــت گردی کے خلاف جنگ میں امریکی اتحادی ہونے کے ســبب انکے وجود کو قدامت پســند حلقوں میں بدنام کرواگیا تھا ۔

چناچہ ان کی جانب سے کمال اتا ترک کے عمدہ الفاظ میں ذکر نے اس دور کے امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد مرحوم کو چراغ پا کردیا تھا جبھی انھونے یہ بیان دیا تھا کہ:

‘‘پاکستان میں کمال ازم کے نفاذ کے خلاف سخت مزاحمت کی جائے گی’’

خیر مشرف صاحب کو جب کمال ازم یعنی ریاستی سیکولرسازی کے خلاف مذہبی جذبات و احساسات کا اندازہ ہوا تو ۲۰۰۰ نومبر میں انکا یہ بیان ترک ٹی‌وی و اخبارات کو انٹرویو کے ضـمن میں سـامنے آیا :

[12] https://magazine.mohaddis.com/home/articledetail/1638

''کمال اتاترک یقینا ترکوں کے ہیرو ہیں جو جدید ترکی کے معماربھی سمجھے جاتے ہیں اور جنہوں نے بیمار یورپ میں سے ترکی کو ایک ترقی یافتہ ملک بنا کر نکالا تھا، تاہم ہمارے راہنما او ربابائے قوم، قائداعظمؒ ہیں جن کے اصولوں پر کاربند رہنے کے ہم پابند ہیں۔

مذیدِ براں جنرل پرویز مشرف نے کہا تھا کہ میں اتاترک کا بے حد احترام کرتا ہوں لیکن ہمارے ملک کے اصولِ(مبادیات) ترکی سے مختلف بھی ہوسکتے ہیں۔بہرحال ہم قائد اعظمؒ کے بتائے ہوئے

اصولوں کے پابند ہیں۔''[13]

انہوں نے یہ بات ترکی کے ایک ٹیلی ویژن نیٹ ورک کو انٹرویو دیتے ہوئے اس سوال کے جواب میں کہی کہ آپ نے اپنی پہلی تقریر میں کمال اتاترک کا خاص طور پر تذکرہ کیسے کیا تھا؟

چناچہ اس ضمن میں انھونے پاکستانی مقامیت کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''میں پکا مسلمان ہوں اورپاکستان ایک اسلامی مملکت ہے''۔

موصوف نے اس بابت شاید یہ امر اس لئے واضح کرنے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ اہل ترکیہ کو خوش کرنا چاہتے تھے،کیونکہ پاکستانیوں کے یہاں اردواگان کے عروج سے قبل اتاترک ہی مشہور ومعروف تھا اور اتا ترک کو ہی مسٹر جناح کی طرح جدید ترک ریاست کا بانی سمجھا جاتا ہے۔چناچہ کمال ازم کی پاکستان میں ناکامی کو محسوس کرتے ہوئے ٹایمز آف انڈیا کو اپنے اداریہ میں یہ کہنا پڑا کہ:

''یہ توقع کہ جنرل پرویز مشرف اپنے آپ کوترکی کے کمال اتاترک کے نمونہ کے مطابق ڈھالیں گے، بالآخر زمین بوس ہوگئی ہے .جنرل مشرف راہنمائی کے لئے ترکی کے عظیم ریفارمر، جنہوں نے خلافت کا خاتمہ کردیاتھا، کی طرف دیکھنے کی بجائے جنرل ضیاء الحق کی طرف دیکھ رہے ہیں''۔[14]

**چناچہ خود تنظیم تحریک اسلامی کے پندرہ روزہ رسالہ منشور نے اس ضمن میں جماعت اسلامی کے برخلاف نرم بیانیہ اختیار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:**

''ہمارے چیف ایگزیکٹو خاصا عرصہ ترکی میں قیام پذیر رہے ہیں، اس لئے انہوں نے اتاترک کا تذکرہ اپنی گفتگو میں کردیاتھا، ورنہ وہ تحریکِ پاکستان اور قائداعظمؒ کے نظریات اور پھر پاکستان کی ملتِ اسلامیہ کے جذبات سے بے خبر نہیں ہیں، جنرل پرویز نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ وہ

---

[13] نوائے وقت، ۱۴، نومبر:۱۹۹۹۔ع

[14] بحوالہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور:۷ ،نومبر:۱۹۹۹۔

پاکستان میں قائداعظم کے نظریات ہی کے قیام پرمشتمل قانون اور نظام زندگی قائم رکھنا اور پاکستان کو قائداعظم کا پاکستان ہی دیکھنا چاہتے ہیں، وہ یہاں مصطفی کمال کا ترکی نہیں بنانا چاہتے ہیں۔''[15]

مزے کی بات یہ ہے کہ یہ ہی جریدہ کمال ازم پر تنقید کے بعد ابوالحسن ندوی،ڈاکٹر محمد عزیز،ثروت صولت نما بیانیہ ہی دیتا نظر آتا ہے چناچہ یہ لکھتا ہے کہ:

''کمال اتاترک مرحوم کے بارے میں ہم یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے مغربی قوتوں کی یلغار کے مقابلے میں بے مثال جرأت و شجاعت کامظاہرہ کرکے ترکی کو، جسے مردِ بیمار کہا جاتا تھا اور جس کی حکومت جانکنی کے عالم میں تھی، آزادی سے ہم کنار رکھا۔ مصطفی کمال کی انہی خدمات کے عوض انہیں 'اتاترک' کا خطاب دیا گیا۔''

عطا اللہ صدیقی صاحب نے ماہنامہ محدث میں کمال اتا ترک کا بہت ہی عمدہ محاکمہ کیا ہے،انھونے اس ضمن میں جن جگہوں سے مواد لیا ہے ہم نے بھی عرصہ قبل ان تحریر کو کچھ کچھ دیکھا تھا ،جبھی بہت کچھ وقت کے ساتھ ساتھ دماغ سے خارج ہوگیا تھا ،آن لاین تحقیق کے بعد ایکی طرح سے صدیقی صاحب نے ناصرف ناچیز کی یاداشت دوبارہ تازہ کردی تھی بلکہ ساتھ ساتھ میں انھونے عرفان اورگا کے اقتباسات کے تراجم کو بھی واضح کرکے پیش کیا تھا چناچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

## مصطفی کمال پاشا کا دور نوجوانی:

مصطفیٰ کمال پاشا کے بچپن کے حالات، طالب علمی کازمانہ اور نوجوان فوجی افسر کی حیثیت سے ان کی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی شخصیت کا جو مجموعی تاثر ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک ذہین اور سیماب صفت شخص تھے مگر بغاوت اور سرکشی ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کی شخصیت میں اشتعال پذیری کا عنصر غالب تھا۔ بہت کم عمری میں وہ سلطان کے خلاف کام کرنے والے گروہوں کی خفیہ سرگرمیوں میں بے دھڑک شریک ہونے لگے تھے۔ ۱۹۰۰ء اور ۱۹۲۴ء کے ہنگامہ پرور عرصے کے دوران مصطفیٰ کمال کی سرگرمیوں کو سامنے رکھا جائے تو ان کی طرف سے خلافت کے خاتمے کا اقدام ان کی باغیانہ سرگرمیوں کامنطقی نتیجہ نظر آتا ہے۔

۱۸۸۱ء میں مصطفیٰ کمال کی ولادت جس مقام پرہوئی، اس کے محل وقوع نے اس کی باغیانہ فکر کی تشکیل اور ذہن سازی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ بحیرۂ ایجئین کے ساحل پر واقع یہ مقام سالونیکا بعد

---

[15] منشور:۱۶ تا ۳۰ ،نومبر:۱۹۹۹۔

میں خلافتِ عثمانیہ کے خلاف باغیانہ تحریکوں کا گڑھ بن گیا تھا۔ اس شہر میں ترکی النسل لوگوں کی اقلیت تھی۔ یہ علاقہ بنیادی طور پر صوبہ مقدونیہ کا حصہ تھا جسے ترکوں نے اپنے عروج کے زمانے میں خلافتِ عثمانیہ میں شامل کرلیا تھا۔ اٹلی سے نقل مکانی کرکے آنے والے یہودیوں کی اچھی خاصی تعداد اس شہر میں رہتی تھی جنہیں سلطان عبدالحمید نے خاصی مراعات دے رکھی تھیں مگر انہوں نے ہمیشہ احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا۔ سلطان کے خلاف باغیانہ تحریکوں کے اصل منصوبہ ساز یہی یہودی تھے۔

مصطفیٰ کمال کے والد علی رضا آفندی ترکی فوج میں بحیثیتِ لیفٹیننٹ ملازم رہ چکے تھے۔ ملازمت چھوڑنے کے بعد وہ چوب فروشی کا کاروبار کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے ان کا بیٹا مصطفیٰ سوداگر بنے جبکہ والدہ زبیدہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا مولوی بنے اور نماز کے بعد قریبی مکتب میں پڑھنے جایا کرے۔ اس معاملے میں میاں بیوی میں سخت اختلاف ہوا، بالآخر حکمتِ عملی سے والدہ ہی کی بات پر عمل کیا گیا۔

شروع میں مصطفیٰ کو ایک مسجد سکول داخل کرایا گیا۔ عربی قائدہ اور قرآن پاک کی آیتیں یاد کرنا ان کے مزاج پر بھاری تھا لہٰذاکچھ عرصہ بعد وہ شمس آفندی کے سکول میں داخل ہوگئے۔ایک روز سبق پڑھتے وقت ایک لڑکے سے مصطفیٰ کا سخت جھگڑا ہوگیا، استاد نے غصہ میں آکر انہیں اتنا مارا کہ تمام جسم لہولہان کردیا۔ اس واقعہ کے بعد مصطفیٰ کو سکول سے اٹھا لیا گیا۔ نوجوان مصطفیٰ سڑکوں پر فوجی افسروں کو آتے جاتے دیکھتے تو ان کے دل میں بھی ویسی ہی وردی پہننے کی آرزو چٹکیاں لینے لگتی۔

ایک دن وہ والدہ کو اطلاع دیئے بغیر ایک فوجی مدرسے کے داخلے کے امتحان میں شریک ہوگئے۔ ان کی والدہ کو اس وقت خبر لگی جب ان کا بیٹا فوجی مدرسے میں داخل ہوچکا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں سترہ سال کی عمر میں سالونیکا کے کیڈٹ سکول کی تعلیم سے فارغ ہو کر مصطفیٰ کمال فوجی ہائی سکول، مناسترہ میں داخل ہوگئے۔ مناسترہ کے فوجی ہائی سکول میں مصطفیٰ کمال نے فن سپاہ گری کے ساتھ شعرو ادب، انشاء پردازی، مرصع نگاری اور بلاغت و خطابت میں بھی خوب مشق حاصل کی۔ خطابت کا یہ رنگ ان کی بعد کی سیاسی زندگی میں ان کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ وہ فرانسیسی زبان میں کمزور تھے۔

انہوں نے تعطیلات کے دوران ایک پرائیویٹ سکول میں فرانسیسی زبان کی کلاس میں داخلہ لے لیا جو فرانسیسی مشن کے زیر اہتمام تھا۔ ملٹری اکیڈیمی کی تعلیم سے فارغ ہوکر مصطفیٰ کمال ۱۹۰۲ء میں قسطنطنیہ میں واقع جنرل سٹاف کالج حاربیا میں سب لیفٹیننٹ کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ جنوری ۱۹۰۵ء کو وہ ملٹری اکیڈیمی کے گریجویٹ کی حیثیت سے کپتان کا عہدہ لے کر نکلے۔ جنرل سٹاف کالج میں تین سال کے مجموعی نمبروں کی بنا پر مصطفیٰ کمال کا نمبر پانچواں تھا۔

**<u>مصطفی کمال کی دین بیزاری کا ارتقا:</u>**

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ ِعظیم اوّل میں سلطنت ِعثمانیہ کو عبرت ناک شکست کے بعد مصطفی کمال پاشا کی عسکری فتوحات اسے اس وقت کے عالم اسلام کا ہیرو بنا دینے کے لئے کافی تھیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان پربھی مصطفی کمال کی تحسین میں یہ جملہ "وے غازی کمال تینوں دین بلایاں" عام طور پر رہتا تھا۔ مگر مصطفی کمال پاشا کا یہ محض ایک پہلو تھا۔ خلافت کے خاتمے کے بعد اسلامی شریعت اور تہذیب و تمدن کے ساتھ جو وسیع پیمانے پر اس نے غارت گری کی اور لادینیت(سیکولر ازم) کے نفاذ کے لئے جارحانہ اقدامات اور سفاکانہ حکمت ِعملی اختیار کی، ایک عام مسلمان اس کے ادنیٰ سے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے۔ مصطفی کمال پاشا کے یہی اقدامات ہیں جنہیں 'کمال ازم' یا 'اتاترک ازم' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

**آرمسٹرانگ کا کہنا ہے کہ:**

''مناسترا کا ماحول مارچ پاسٹ کرتے فوجی دستوں اور توپوں کی گھن گرج سے پرشکوہ ہوچکا تھا۔ یونان نے جزیدہ کریٹ کا محاصرہ کرلیا تھا۔ تو جواباً ترکی نے اعلانِ جنگ کردیاتھا اور فوجی دستے محاذ جنگ کی طرف مارچ کر رہے تھے۔ یہ جنگ وجدل کا زمانہ تھا۔ دولت ِعثمانیہ اپنی تاریخ کے سخت اذیت ناک دور سے گزر رہی تھی۔ عیسائی طاقتیں اپنے خونخوار پنجوں سے اس سانس لیتی لاش کو نوچنے کے لئے ایک دوسرے کو گھورتے اور غراتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں کہ موقع ملے تو اس تر نوالہ کو ہڑپ کرجائیں۔ جبکہ ترکی کے لوگوں کی حالت اس وقت بڑی ناگفتہ بہ ہوتی جا رہی تھی۔ غربت وناداری اپنے پورے عروج پر تھی۔ لوگ نئی اصلاحات کا شور مچا رہے تھے۔''

ان ناگفتہ بہ حالات میں سلطنت ِعثمانیہ کی غلط تعلیمی پالیسیوں اور مغربی تہذیب میں رندھی ہوئی اصلاحات نے نوجوانوں میں فکری انتشار، مایوسی اور بغاوت کے جذبات کو ہوا دے دی تھی۔اگر اس دور کے فوجی تربیت دینے والے عثمانی اداروں کے نصاب اور ماحول کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوجایگا کہ یہ ادرے محض یورپی ملکوں کا چربہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اس سے فارغ التحصیل نوجوان اسلامی تہذیب و ثقافت کی بجائے مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوجاتے تھے۔ ان اداروں میں پڑھنے

والے طلباء یورپی طرز کے نیشلزم (قوم پرستی) پریقین رکھتے تھے۔ یہ عجیب تناقض فکر ہے کہ یہی فوجی سکول جن کے ذمہ سلطنت عثمانیہ کے محافظوں کی کھیپ تیار کرنی تھی، وہ باغی نوجوانوں میں سلطنت و خلافت کے خلاف نفرت اگانے کے کھیت (نرسری) بن گئے۔''

دوسری جگہ کہتے ہیں کہ:

''انہی دنوں مصطفیٰ کمال ملکی سیاست کی طرف متوجہ ہوئے۔ اتفاق یہ کہ وہ زمانہ سلطان عبدالحمید ثانی کے دورِ حکومت کا سخت ترین زمانہ تھا۔ اگرچہ منتظموں نے سخت تدابیر اختیار کر رکھی تھیں لیکن ملٹری اکیڈمی کے طلبہ رات کے وقت اپنے کمروں میں ایک وطن پرست باغی شاعر نامق کمال کی باغیانہ نظمیں پڑھاکرتےتھے۔''

مذید براں یہ کہ:

''حالانکہ وہ جبلی طور پر ایک عظیم سپاہی تھے، پھر بھی ان کا دل سیاست ہی میں ہر وقت اٹکا رہتا تھا''[16]

مصطفی کمال پاشا کے فکری سرچشموں، خیالات و افکار او رحکومتی اِقدامات کو پیش نظر رکھاجائے تو پاکستان میں 'کمال ازم' کے خلاف مزعومہ مزاحمت اور ردّعمل کا مظاہرہ کرنے والوں کی بات کو محض رجعت پسندی اور دقیانوسی کہہ کر مسترد کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اسلامی نظریہ کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آنے والی مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلام کے علاوہ کسی دوسرے 'ازم' کی گنجائش نہیں ہے۔ اتاترک ازم فی نفسہٖ سیکولر ازم کی بدترین صورت ہے۔ لہٰذا نظریہ پاکستان اور فکرِ قائد پر یقین کرنے والا کوئی فرد اگر اس سوچ کے خلاف ذہنی تحفظات رکھتا ہے، تو اس کے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں۔[17]

## عرفان اورگا اور مارگریٹ اورگا کی کتاب:

عرفان اورگا[18] ایک سابقہ ترک پایلٹ تھے جنھونے لنڈن میں سفارتی ذمہ داریاں سرانجام دینے کے دوران ایک آیرش عورت مارگریٹ سے شادی کرلی تھی چونکہ اس دور کے ترک قوانین کے نزدیک یہ جرم تھا لہذا انھونے ترکی دوبارہ جانا پسند نہیں کیا انھونے اپنی زوجہ مارگریٹ اورگا کے ساتھ مل کر کتاب اتاترک ۱۹٦۲ میں تحریر کی اسی کتاب سے ابو الحسن ندویؒ صاحب نے بھی کافی حوالہ جات اخذ کئے ہیں اس کے کچھ حوالہ جات ذیل میں پیش خدمت ہیں چناچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

[16] H.C.Armstrong.Greywolf.penguin.uk
[17] ماہ نامہ :محدث:لاہور:جنوری:۲۰۰۰۔
[18] https://en.wikipedia.org/wiki/Irfan_Orga

**<u>کمال اتا ترک کی دین بے زاری ،الحاد،قران سے گستاخی اور تقدیر کا انکار:</u>**

’’اس(کمال) نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اس کی اصل جنگ مذہب کے خلاف ہے، بچپن سے اس کے نزدیک خدا کی کوئی ضرورت نہیں تھی، وہ صرف اس چیز پر یقین رکھتا تھا جو دیکھنے میں آسکتی تھی، کبھی کبھی وہ آسمان کی طرف مکا اُٹھا کر اشارہ کرتا تھا، اس کا خیال تھا کہ زمانہٗ ماضی میں اسلام محض ایک تخریبی طاقت رہا تھا ، اور اس نے ترکی کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ اسلام کی ہی کی عطا کی ہوئی وحدت نے وسیع عثمانی سلطنت کی تعمیر کی تھی۔ اس کو اس آدمی سے سخت نفرت تھی جو تقدیر کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔اس کا عقیدہ تھا کہ خدا کا کہیں وجود نہیں اور انسان ہی اپنی تقدیر بناتا ہے۔ اس کا مصمم ارادہ تھا کہ مذہب کو ممنوع قرار دے خواہ اس کے لئے طاقت استعمال کرنی پڑے، خواہ دھوکہ اور فریب سے کام لینا پڑے‘‘[19]

**وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:**

’’اس کے نزدیک نفسیاتی اصول و نظریات اور فلسفیانہ اصطلاحات کے کوئی معنی نہیں تھے، اسی لئے قدرتی طور پر ترکی قوم کے لئے مذہب کو غیر ضروری اور بے کار قرار دینے میں اس کو کوئی تامل نہیں تھا۔ لیکن مذہب کی جگہ پر اس نے اگر ترکی قوم کو کوئی چیز دی تو وہ خود کی صورت میں ایک "نئے جدید المزاج و خیال دیوتا" کی صورت میں دی تھی یعنی دوسری صورت میں مغربی تہذیب اصل علت تھی۔ اسلام اور راسخ العقیدہ مذہبیت سے اس کو شدید نفرت تھی۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں تھی کہ مصطفی کمال ایک غیر مذہبی آدمی تھا۔ ایک دفعہ اس بات سے سنسنی پھیل گئی کہ مصطفی کمال نے شیخ الاسلام کے سر پر، جو اسلام کے بڑے عالم اور ایک قابل احترام بزرگ تھے، قرآنِ مجید پھینک کر مارا‘‘۔[20]

**<u>عرفان و مارگریٹ مذید کہتے ہیں کہ:</u>**

’’جوانی میں اس نے اپنے انقلابی افکار کے ساتھ ضیاگوک الپ کی تعلیمات کو بھی اچھی طرح جذب کر لیاتھا۔ وہ مغربی روشن خیالی کا بہت بڑا نقیب تھا۔ اس نے ۱۹۰۰ء ہی میں اس خیال کا اظہار کردیا تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ کے لئے زوال و انتشار مقدر ہوچکا ہے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ دینی حکومت شخصی حکومت کی وفادار حلیف ہوتی ہے۔ وہ علماء کے اختیارات کو محدود کرنے کے حق میں تھا۔اس نے شریعت کے خاتمہ اور ان قاضیوں کی دینی عدالتوں کی منسوخی کی پرزور وکالت کی تھی

---

[19] Irfan and Margaret Orga - Ataturk-Michel joseph:london.pp:237,238.

[20] Ibid.239(ایضاً)

جو اسلامی قانون کے شارح و ترجمان ہیں۔ جنس اس کے لئے مقناطیس کی کشش رکھتی تھی۔ وہ شراب نوشی سے تسکین حاصل کرتا تھا، اس لئے کہ روحانی تسکین کے لئے اس کے اندر نہ خدا کا اعتقاد تھا، نہ زندگی کے بعد موت کا یقین تھا۔''[21]

''پارلیمنٹ نے جو فیصلے کئے، حقیقت میں وہ اسلام کے حق میں کاری ضرب اور پیامِ موت کی حیثیت رکھتے تھے۔ تعلیم کی وحدت کا قانون نظامِ تعلیم میں دور رَس تبدیلیوں کا باعث بنا۔ اس تبدیلی نے مدرسوں کی سرگرمیوں اور ان علماء و اساتذہ کی آزادی کو ختم کردیا جو ان میں تعلیم دیتے تھے۔''[22]

**کمال اتا ترک کی آمد وعروج مسلم ترکیہ کے لئے موت کا پیغام تھا:**

ہم اس بابت یہ یقین کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں کہ اگر کمال اتاترک یورپی قوتوں کو ترکی کو یرغمال بنانے دیتا تو اگر چہ ترکی کی ترقی و اصلی علاقوں کی بحالی میں کچھ دیر ضرور درپیش ہوتی ، مزید دقتیں و مشکلات جابجا ضرور رونما ہوتیں، مگر اس کے نتیجہ میں اسلام کے ایسے مجاہد ضرور کچھ عرصہ بعد پیدا ہوتے جو سلطنات عثمانیہ کے جسد سے ایک خدا پرست نئی جانشین مضبوط ریاست پیدا کرتے۔ چناچہ وہاں جس طرح مذہب کو سیکولرازم نے نیم مردہ کرکےرکھ دیا تھا ایسا سانحہ اور منظم ،ظلم وجبر مغربی قوتیں سرانجام نہیں دیتیں،لہذا نتیجتاً ترک اہل مغرب سے زیادہ مغرب زدہ واقع نہیں ہوتے، چناچہ اتاترکی فوجی انقلاب نے جس طرح ترکی کا حلیہ بگاڑا تھا اس نے ترکوں کو مغرب سے زیادہ مغرب زدہ مقلد اور فحاشی کا گڑھ ملک بناکررکھ دیا تھا ، اس ذہنی ،فکری اور عملی تغیر اور اخلاقی ضبو حالی کے سبب مابعد ترکی اپنے ڈراموں اور فلموں میں حقیقیت نگاری کے نام پر ساری حدود پھلانگ گیا اور یوں اس نے ایسے ایسے جنسی مناظر و عکس بندیاں اپنی فلموں میں حقیقت نگاری کے نام پر پیش کیں کہ ہالی ووڈ بھی ان سے پیچھے رہ گیا،اہل مذہب کو جس طرح بہ حیثیت مجموعی سیکولر ترک حکومتوں نے ظلم و جبر کا شکار بنایاتھا ،اس بابت مشہور زمانہ ڈرامہ الف دیکھ لیا جائے جس کو اوردو ڈبنگ کے ساتھ سی ٹی۔وی نے پاکستان میں پیش کیا تھا۔

لہذا یہ دیکھا جاسکتاہے کہ ڈاکٹر صلابی نے اس کتاب میں شامل اپنی حصہ دویم کی تحریر میں سلطان عبدالحمید کی عمدہ تصویرکشی پیش کرنے کے ساتھ ساتھ کمال اتا ترک کے فری میسنز سے روابط تعقلات،اسکی مغربیت،لادینیت اور دین

بیزاری کا مرقع بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے۔

---

[21] (ایضاً)۔ ibid.pp:246.

[22] (ایضاً),ibid.pp:242.

**یہودی وفد کی سلطان سے ملاقات ، پیشکش اور اور سلطان کا ردِ عمل:**

سلطان عبدالحمید ، اور مشہور یہودی مدبر ،مفکر و سیاستدان تھیوڈور ہرزل،کی باہمی ملاقات،فلسطین کی یہودیوں کو فروخت کے نتیجہ میں سلطنت کو بحران سے نکالنے کی یہودی پیشکش آج کل ترک پنج نسلوی معرکہ آرائی کے سبب بہت مقبول ہو چکی ہے۔ہم لوگ تو خیر اس امر کو اپنی جامعہ میں سیاسیات کی تعلیم کے ضمن میں دوران مطالعہ جان چکے تھے،مگر سلطان کے کردار کے بابت ہم اتنا زیادہ نہیں جانتے تھے ،اور نا ہی بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں اس کی تفصیل سے اس حد تک واقف تھے جتنی آج جانتے ہیں، کیونکہ ہمارا اس دور کا موضوعِ بحث دورانِ تعلیم جنگ عظیم اول کا پس منظر تھا یہ الگ بات ہے کہ میں اس بحث کو صحیح جزیات وکلیات کے ساتھ علی محمد صلابی کے ذریعہ ہی اسناد کے ساتھ سالوں بعد جان پایا تھا جس نے اب ایک نئی تحقیق تک مجھے جا پہنچایا ہے،اسی دوران ترک ڈرامہ سلطان عبدالحمید کا متعلقہ کلپ ترجمہ و کانٹ و کاٹ چھانٹ کے بعد فیس بک پر دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں موضوع کی مناسبت سے تاریخی منظر کشی دکھائی گئی ہے۔

یوسف ثانی اتاترک کی بابت تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

کہا جاتا ہے کہ سلطان عبدالحمید کے دورِ حکومت میں یہودیوں کے ایک وفد نے خلیفہ سے ملاقات کی تھی۔ یہ انیس ویں صـدی کے اواخر کی بات ہے۔ اس زمانے میں خلافت عثمانیہ بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ ترکی کی مالی حالت خستہ تھی، حکومت بھی مقروض ہوچکی تھی۔ اس وفد نے خلیفہ سے کہا تھا کہ:

" اگر آپ بیت المقدس اور فلسـطین ہمیں دے دیں تو ہم خلافت عثمانیہ کا سـارا قرضـہ اتار دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا بھی دیں گے۔" اس گئے گزرے خلیفہ عبدالحمید کی دینی حمیت دیکھیں کہ اس نے وہ جواب دیا ، جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے۔

خلیفہ نے اپنے پاؤں کی انگلی سے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''اگر اپنی سـاری دولت دے کر تم لوگ بیت المقدس کی ذرا سـی مٹی بھی مانگو گے تو ہم نہیں دیں گـــــــــــــــــــــے۔''

اس وفد کا سـربراہ ایک ترکی یہودی قرہ صـوہ آفندی تھا۔ بس پھر کیا تھا، خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، چناں چہ چند برسوں بعد جو شخص مصطفی کمال پاشا کی طرف سے

خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا پروانہ لے کر خلیفہ عبدالحمید کے پاس گیا تھا، وہ کوئی اور نہیں ، بلکہ یہی ترک یہودی قرہ صوہ آفندی ہی تھا۔ خود مصطفی کمال پاشا بھی یہودی النسل تھا[23]۔ اس کی ماں یہودن تھی اور باپ ترک قبائلی مسلمان تھا۔

**ترکی میں اسلامی عبادات و شعایر کی بے حرمتی کی حکومتی لہر:**

پھر ساری دنیا نے دیکھا کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ترکی میں نوجوان ترکوں کا غلبہ کی اصلاح نکلی، چناچہ مصطفی کمال پاشا کی قیادت میں اسلام پسندوں پر شروع ہو گیا۔ یہیں سے مظالم ڈھائے گئے، علما کا قتل عام کیا گیا، نماز کی ادائیگی اور

تمام اسلامی رسومات پر پابندی لگا دی گئی۔ عربی زبان میں خطبہ، اذان اور نماز بند کر دی گئی ۔ مساجد کے اماموں کو پابند کیا گیا کہ وہ "ترک" زبان میں اذان دیں ، نماز ادا کریں اور خطبہ پڑھیں۔ اسلامی لباس اتروا کر عوام کو یورپی کپڑے پہننے پر مجبور کیا گیا۔ مصطفی کمال پاشا اور اس کے ساتھی نوجوان ترکوں نے ترکی میں اسلام کو کچلنے کے لیے جتنی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچایا، اس کی مثال روس اور دیگر کمیونسٹ ملکوں کے علاوہ شاید کہیں نہ ملے۔

خلافت عثمانیہ کے اندرون ملک یہودیوں نے جو سازشی جال پھیلایا تھا، اس کی ایک جھلک دکھلانے کے لیے خلیفہ عبدالحمید کا ایک تاریخی خط پیش کیا جاتا ہے ، جو انہوں نے اپنے شیخ ابو الشامات محمود آفندی کو اس وقت لکھا تھا ، جب انہیں خلافت سے معزول کرکے سلانیکی میں جلا وطنی اور قید تنہائی پر مجبو کر دیا گیا تھا۔ اس خط کے مندرجات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امت مسلمہ کے نظام خلافت کی بیخ کنی کے لیے صہیونی طاقتوں نے کیسی سازشیں کی تھیں او ران سازشوں میں کون شریک تھا؟ خلیفہ عبدالحمید کے خط کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

[23] یہ امر تحقیق کا محتاج ہے ،صاحب تحریر کی یہ بات جستجو و جانچ پڑتال کی محتاج ہے۔معج

**سلطان عبدالحمید کا اپنے شیخ ابوالشامات آفندی کو تحریر کردہ خط:**

’’میں انتہائی نیاز مندی کے ساتھ طریقہ شاذلیہ کے اس عظیم المرتبت شیخ ابوا لشامات آفندی کی خدمت میں بعد تقدیم احترام عرض گزار ہوں کہ مجھے آپ کا ۲۲ مئی ۱۹۱۳ء کا لکھا ہوا گرامی نامہ موصول ہوا۔
جناب والا! میں یہ بات صاف صاف بتانا چاہتا ہوں کہ میں امت مسلمہ کی خلافت کی ذمے داریوں سے میں بے از خود دست بردار نہیں ہوا ہوں ، بلکہ مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ یونینسٹ پارٹی[24] نے میرے سامنے کئی صبر آزما رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں۔ مجھ پر بہت زیادہ اور ہر طرح کا دباؤ ڈالا گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں ، مجھے دھمکیاں بھی دی گئیں اور سازشوں کے ذریعے مجھے خلافت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ یونینسٹ پارٹی، جونوجوانانِ ترک[25]

کی سازشی جماعت ہے اس نے پہلے تو مجھ پر اس بات کے لیے دباؤ ڈالا کہ میں مقدس سر زمین فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت کے قیام سے اتفاق کر لوں۔

مجھے اس پر مجبو رکرنے کی کوششیں بھی کی گئیں ، لیکن تمام دباؤ کے باوجود میں نے اس مطالبے کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ میرے اس ا نکار کے بعد ان لوگوں نے مجھے ایک سو پچاس ملین اسٹرلنگ پاؤنڈ سونا دینے کی پیش کش کی۔ میں نے اس پیش کش کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ ایک سو پچاس ملین اسٹرلنگ پاؤنڈ سونا تو ایک طرف، اگر تم یہ کرۂ ارض سونے سے بھر کر پیش کرو تو بھی میں اس گھناؤنی تجویز کو نہیں مان سکتا۔تیس سال سے زیادہ عرصے تک امت محمدیہ کی خدمت کرتا رہا ہوں۔ اس تمام عرصے میں ، میں نے کبھی اس امت کی تاریخ کو داغ دار نہیں کیا۔ .میرے آباواجداد اور خلافت عثمانیہ کے حکمرانوں نے بھی ملت اسلامیہ کی خدمت کی ہے

لہٰذا میں کسی بھی حالت اور کسی بھی صورت میں اس تجویز کو نہیں مان سکتا۔ میرے اس طرح سے صاف انکار کرنے کے بعد مجھے خلافت سے ہٹانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلے سے مجھے مطلع کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ مجھے سلانیکی میں جلا وطن کیا جارہا ہے۔ مجھے اس فیصلے کو قبول کرنا پڑا، کیوں میں خلافت عثمانیہ او رملت اسلامیہ کے چہرے کو داغ دار نہیں کرسکتا تھا۔ خلافت کے دور میں فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت کا قیام ملت اسلامیہ کے لیے انتہائی شرم ناک حرکت ہوتی اور دائمی رسوائی کا سبب بنتی۔
خلافت ختم ہونے کے بعد جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود ہوں اور

---
[24] Unionist Party-
[25] Young Turks-

ہمیشہ اس کا شکر بجالاتا ہوں کہ اس رسوائی کا داغ میرے ہاتھوں نہیں لگا۔ بس اس عرض کے ساتھ اپنی تحریر ختم کرتا ہوں ۔" (والسلام)

ایلول١٣٢٩: ( عثمانی کلینڈر کے مطابق) بائیس ستمبر١٩١٣ء
ملت اسلامیہ کا خادم: عبدالحمید بن عبدالمجید[26]

**خلیفہ عبدالحمید کے اس خط کا بغور مطالعہ کرنےسے بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں:**

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین تھا۔ انہوں نے یہودیوں کی اتنی بڑی مادی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ ملت اسلامیہ کی تاریخ کو اپنے عہد میں داغ دار ہونے سے بچائے رکھا۔ اہل اللہ اور اہل علم سے انہیں گہرا قلبی تعلق تھا۔ تزکیۂ قلب اور روح کے لیے باقاعدہ سلسلۂ شاذلیہ[27] سے وابستہ تھے۔ یہود اور مغرب کی سامراجی طاقتوں کے سامنے عزم اور استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔ اپنے دورِ خلافت میں یہودیوں کو سر زمین فلسطین میں قطعہ زمین کسی بھی قیمت پر خریدنے کی اجازت نہیں دی۔

مسلمانوں اور یہودیوں کی کشمکش یوں تو بہت پرانی ہے ، لیکن نئے انداز میں اس کا آغاز ١٨٩٧ء میں ہوا، جب یہودی اکابرین نے خفیہ طور پر جمع ہو کر طے کیا کہ خلافت عثمانیہ پر کاری ضرب لگائی جائے، کیوں کہ ان کے عزائم کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ عالم اسلام کی مرکزیت تھی، چناں چہ طے شدہ پروگرام کے مطابق خلیفہ سلطان عبدالحمید کی خدمت میں ایک عیارانہ درخواست پیش کی گئی کہ :

" ہمیں فلسطین میں ایک خطہ زمین دیا جائے۔ ہم اس کی بڑی سے بڑی قیمت دینے کے لیے تیار ہیں ۔ زیرک سلطان نے یہودیوں کے عزائم کو بھانپ کر ان کی درخواست رد کر دی۔ بس پھرکیا تھا، سلطان کے خلاف ملک کے اندر او رباہر زہریلے پروپیگنڈے کی مہم شروع کر دی گئی ۔ عیسائی حکومتیں پہلے ہی خلافت عثمانیہ سے خارکھا ئے بیٹھی تھیں۔ ان کی فوجی طاقت اور یہودیوں کی خفیہ سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کی مرکزیت ہمیشہ کے لیے ختم کر دی گئی اور ترکی کے اندر مصطفی کمال پاشا کی قیادت میں ایک تنظیم یونینسٹ پارٹی کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس میں زیادہ تر بھولے ترک جوان شامل تھے۔

---

[26] https://forum.mohaddis.com/threads/%D8%A7%D8%B3%D9%84%D8%A7%D9%85-%D9%BE%D8%B3%D9%86%D8%AF-%D8%A7%D8%AA%D8%A7%D8%AA%D8%B1%DA%A9%DB%94%DB%94%DA%88%D8%A7%DA%A9%D9%B9%D8%B1-%D9%81%D8%B1%D9%82%D8%A7%D9%86-%D8%AD%D9%85%DB%8C%D8%AF.22673/

[27] ترک سلطانوں کی تصوف میں دلچسپی اور اس سے متعلقہ بدعات و بدعقیدگی کافی معروف بات ہے۔معج

# اتاترک اور الحادی قوم پرستانہ سیاست

یونینسٹ پارٹی نامی اس انجمن کے اجتماعات کے لیے " فری میسن" لاج محفوظ اماجگاہ کا درجہ رکھتے تھے۔ معلوم پڑتا ہے کہ فری میسن تحریک دراصل یہودیوں کے دماغ کی اختراع و دین ہے ، جس میں خاص طور پر ایسے لوگوں کو شامل کیا جاتا تھا ، جن کا تعلق تو کسی نہ کسی مذہب سے ہونا ضروری تھا، لیکن حقیقت میں وہ مذہب سے بے زار ہوتے جاتے ہیں ، چناں چہ وہ بڑے بڑے لوگ جن کے بارے میں متعین طور پر معلوم ہے کہ وہ فری میسن تحریک کے سرگرم کارکن تھے، ان میں مصطفی کمال پاشا بھی شامل بتایا جاتا ہے ۔ اس تنظیم کے ہاتھوں خلافت عثمانیہ کا شیرازہ بکھیرا گیا اور کمال اتا ترک کو بطور خودمختار آلہ کار کے طور پر استعمال کیا گیا ۔ پھر عالم اسلام ایک ایسے انتشار کا شکارہو گیا کہ آج تک بلادِ اسلامیہ کے اتحاد کی تمام تحریکیں بے اثر ثابت ہوئی ہیں۔

بہرحال۱۹۲۳ء میں ترکی سے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ یونینسٹ پارٹی برسر اقتدار آگئی۔ آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید کو اقتدار سے بے دخل کرکے جلا وطنی کی زندگی گزارنے پر مجبو رکر دیا گیا۔ ترکی میں دہریوں کا راج ہو گیا۔ مذہب بے زار فوج کا بول بالا ہو گیا۔ اور ٹھیک ۲۵ سال بعد ۱۵ مئی۱۹۴۸ء کو فلسطین میں یہودی مملکت اسرائیل کا قیام عمل میں لایاگیا۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھیں کہ جس " خلیفہ " نے ہر طرح کی لالچ اور دھمکیوں کے باوجود یہودیوں کو فلسطین کی رتی بھر زمین دینے سے انکار کر دیا تھا، اسی فلسطین میں اسرائیل کو تسلیم کرکے اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے والا پہلا مسلم ملک کوئی اور نہیں، بلکہ اتاترک کا ترکی تھا۔[28]

**<u>اتا ترک اور سلطنت عثمانیہ کا اختتام:</u>**

**اسی طرح ایچ۔سی۔آرم اسٹرانگ اپنی کتاب گرے وولف:دی لایف آف اتاترک میں لکھتا ہے کہ:**

’’اتاترک نے عظیم پیمانے پر شکست و ریخت کی۔اس نے زبردست اور عمومی کارروائی کی تکمیل کرنی شروع کی جس کا آغاز وہ کرچکا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ ترکی کو اپنے بوسیدہ اور متعفن ماضی سے علیحدہ کرنا ہے۔ اس نے اس قدیم سیاسی ڈھانچے کو حقیقتاً توڑ پھینکا، سلطنت کو جمہوریت سے آشنا کروایا گیا ، اور اس ترکی کو جو ایک محکوم بنانے والے کئی ماملک پر پھیلی سلطنت کبریٰ ہوا کرتی تھی ایک معمولی ملک میں تبدیل کردیا گیا اور ایک عظیم مذہبی ریاست کو حقیر درجہ کی

---

[28] ایضاً

جمہوریہ بنا دیا۔ گیا اس نے سلطان کو معزول کرکے قدیم عثمانی سلطنت سے سارے تعلقات ختم کر لئے تھے۔ اب اس نے قوم کی عقلیت، اس کے قدیم تصورات، اَخلاق و عادات، لباس، طرزِ گفتگو، آداب، معاشرت، اور گھریلو زندگی کی جزئیات تک تبدیل کرنے کی مہم شروع کی گئی ‘‘۔[29]

**مولانا ابو الحسن ندوی ؒ اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:**

’’کمال اتاترک نے واقعتا قوم پر فتح پائی تھی ، ملک کو سیکولر سٹیٹ میں تبدیل کردیا گیا، جس میں اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہیں رہی تھی، دین و سیاست میں تفریق ہوگئی اور یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے، ہر شخص اپنے لئے کسی مذہب کا انتخاب کرسکتا ہے، خلافت کے ادارہ کو ختم کردیا گیا، شرعی اداروں اور محکموں اور اسلامی قانونِ شریعت کو ملک سے بے دخل کرکے سوئٹرز لینڈ کا قانونِ دیوانی، اٹلی کا قانونِ فوجداری اور جرمنی کا قانونِ بین ُالاقوامی تجارت نافذ کردیا گیا۔ پرسنل لاء کو یورپ کے قانونِ دیوانی کے مطابق و ماتحت کردیا گیا، دینی تعلیم ممنوع قرار پائی، پردہ کو خلافِ قانون قرار دے دیا، مخلوط تعلیم کا نفاذ کیا گیا، عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف جاری ہوئے، عربی میں اذان ممنوع قرار پائی، قوم کا لباس تبدیل ہوگیا۔ ہیٹ کا استعمال لازمی قرار پایا، غرض کہ کمال اتاترک نے ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو توڑ پھوڑ کے ختم کردیا اور قوم کا نقطۂ نظر ہی بدل دیا۔‘‘[30]

**اتا ترک کی پیشہ وارانہ حیات کے کچھ پہلو اور فکری تغیر کا زمانہ:**

**بقول عبدالحکیم غوری کہانی کچھ اس طرح تھی کہ :**

ترکی، کی جدید تاریخ کا آغاز اسی برس قبل اس وقت ہوا، جب خلافت عثمانیہ کا سفینہ ناخداؤں نے ڈبو دیا تھا۔ ترکی فوج کی ساتویں کور کے کمانڈر مصطفی کمال اتا ترک نے خود کو سنبھالا۔ وہ اول و آخر ایک ترک ہی تھا۔ حالات کے ساحل پر کھڑے اتا ترک نے ڈوبتی ہوئی ناؤ کو دیکھا اور فیصلہ کیا کہ سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ ڈوبتے ہیں ،سو ڈوبیں ،مگر ترک افواج کو میں منظم کر کے دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ وہ استنبول میں تھا تو خلیفہ عبدالحمید کے خلاف جاری سرگرمیوں میں اس کا ہاتھ نظر آیا۔ اس جرم کی پاداش میں اسے جیل کی سلاخیں دیکھنی پڑ گئیں۔ مصطفی کمال ویسے ہی سلطنت عثمانیہ پر خار کھائے بیٹھاتھا ،جیل نے جلتی

[29] H.C.Armstrong.Greywolf.penguin.uk.pp:287.

[30] ابو الحسن ندوی۔اسلام اور مغربیت کی کشمکش۔مجلس نشریات اسلام۔کراچی۔صہ:۸۲۔

پر تیل کا کام کیا۔ قید و بند کے اس عرصے نے مصطفی کمال اتا ترک کو یکسوئی کے ساتھ سوچنے کا وقت فراہم کیا۔ اپنے تئیں اس نے کئی باتوں پر غور کیا۔ اس کے دماغ میں یہ خیال پکنے لگا کہ سلطنت عثمانیہ کے ان آخری خلفا ءکا رویہ آمرانہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے سوچنے سمجھنے پر پابندی عائد کر دی، من مانے فیصلے نافذ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ میرے خیالات شاہوں کے طبع نازک پر گراں گزرے تو اٹھا کر پابند سلاسل کر دیا۔ سو اس معاشرے کو ایک روشن خیال اور آزاد خیال معاشرہ بننا چاہئے۔ہمیں اس مقصد کے لئے ”ماڈرن ترکی“ کی طرف سفر کرنا ہوگا۔

رہا ہوتے ہی مصطفی کمال اس سفر پر نکل پڑا۔ اپنے ہدف تک رسائی کے لئے اس نے فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ دمشق فوجی ہیڈ کوارٹر سے اس نے اپنی عسکری ملازمت کا آغاز کیا۔ اس دوران جمعیت اتحاد و ترقی کے ان رہنماؤں سے اس نے مراسم بڑھا لئے جو نئے ترکی کی تشکیل کے لئے خفیہ یا اعلانیہ پروگرام رکھتے تھے ، دوسری طرف جنگ بلقان میں اپنی عسکری مہارت کا بھرپور مظاہرہ کر کے خود کو اس نے ایک جرات مند اور بہادر کمانڈر کے طور پر منوا لیا۔

پہلی جنگ عظیم کے آغاز پر وہ ملٹری اتاشی کے طور پر کام کر رہا تھا مگر اس کے اندر کا فوجی اگلے محاذوں کے لئے بے تاب تھا۔ ۱۹۱۵ءمیں اس نے سربراہان سے درخواست کی کہ مجھے فوج کے کسی دستے کی کمانڈ دے کر اگلے محاذوں پر بھیج دیا جائے۔ مصطفی کمال کا ٹریک ریکارڈ دیکھتے ہوئے درخواست منظور کر لی گئی۔ اس کی تعیناتی آبنائے باسفورس کی طرف کر دی گئی، جہاں انگریز اور فرانسیسی افواج سے سخت معرکہ درپیش تھا۔ اسی سال یعنی ۱۹۱۵ءکے وسط میں چند ماہ کی مدت میں مصطفیٰ کمال نے فرانسیسی افواج کو پسپا کر دیا۔ آبنائے باسفورس کا دفاع ناقابل تسخیر ہو گیا۔

اس ناقابل یقین فتح کے بعد مصطفی کمال کا راستہ روکنا مشکل ہی نہیں ،نا ممکن بھی ہو گیا۔ اس کی ترقی کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ فرانسیسی افواج کو شکست سے دوچار کرنے پر مصطفی کمال کو جنرل رینک پر پروموٹ کر دیا گیا۔ اپنی پروموشن کے پہلے ہی سال اس نے روسی افواج کو شکست دے کر ترکی کا مقبوضہ علاقہ بھی آزاد کروا لیا۔ اس کارنامے پر ۱۹۱۷ءمیں مصطفی کمال کو اہم محاذوں پر برسر پیکار ساتویں فوج کا کور کمانڈر لگا دیا گیا۔ ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ءکو جب معاہدہ امن پر دستخط ہوئے تو مصطفی کمال کو تمام ذمہ داریوں سے فارغ کر کے نئی ذمہ داریاں دینے کے لئے استنبول بلوا لیا گیا۔

اس دوران سلطنت عثمانیہ کے چھتیسویں فرما نروا خلیفہ وحید الدین سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ خلیفہ کی نظر مصطفی کمال اتا ترک پر پڑی تو اس کی عسکری مہارت اور انتظامی صلاحیت پر رشک کیا یوں اس کا قد بلند ہونا شروع ہوا۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ اس بات پر فخر کیا کرتا کہ مصطفی کمال جیسا بہادر اور محبِ وطن سالار اسے نصیب ہوا ہے، مگر اسے خبر نہیں تھی کہ ترکی کی محبت کا دم بھرنے والے مصطفی کمال کے دماغ میں سلطنت عثمانیہ کے لئے نفرت کس درجہ پر فایض ہے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ یہ بندہ نرا بس ہمارے دربار کا ایک وفادار عہدیدار ہے، اسی بے خبری اور اندھے اعتماد میں خلیفہ وحید الدین نے مصطفی کمال کو انسپکٹر جنرل بنا دیا۔

مصطفی کمال کو اور کیا چاہئے تھا؟اس کی تو جیسے من کی مراد بر آئی ہو، کیونکہ مصطفی کمال معاہدہ امن کے بعد دل گرفتہ تھا۔ امن کا یہ معاہدہ ایسے حالات میں ہوا تھا کہ یونانی افواج نے ایشیائے کوچک کے ایک بڑے حصے پر قبضہ جمائے رکھا تھا۔ازمیر اور اناطولیہ ترکی کے قبضے سے نکل گئے۔ شام پر فرانس کا اختیار تسلیم کر لیا گیا۔ یہ وہ صورت حال تھی جو اتا ترک سے کسی بھی صورت تسلیم نہیں ہوئی فوج کے انسپکٹر جنرل کے طور پر اتا ترک کی بنیادی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ افواج سے باقی ماندہ اسلحہ واپس لے کر اسلحہ ڈپو کے حوالے کر دے، مگر اسی ذمہ داری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنے پوشیدہ عظایم کے سبب اتا ترک نے فوج کو پھر سے منظم کرنا شروع کر دیا۔ فوج سے باہر بھی کئی قوتیں جو معاہدہ امن سے خوش نہیں تھیں، اتا ترک نے ان کی بھی سرپرستی شروع کر دی۔ اس نے تحریک کو منظم کر کے ترکی کے دفاع کے نام پر ایک بغاوت کھڑی کر دی جس کے نتیجے میں ایک عارضی متوازی حکومت قائم ہو گئی۔

**مسلم اتا ترک کے لبادے سے ملحد قوم پرست اتا ترک کا ظہور :**

۱۹۲۰ءمیں مصطفی کمال انگورہ میں ترکی کی پہلی عارضی اسمبلی کا صدر منتخب ہوگیا۔ اگلے برس یعنی ۱۹۲۱ میں جناب اتا ترک کی قیادت میں ترکوں نے یونانیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اسی برس یعنی ۱۹۲۱ءمیں ترکی افواج نے یونانی افواج کو ترک سرحدوں کے اس پار دھکیل دیا۔ اس کے ایک(یا دو) برس بعد یعنی ۱۹۲۳ءمیں اتاترک نے خلافت کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے ترکی کو باقاعدہ ایک جمہوری سیکولر ریاست قرار دے دیا۔ بلکہ اپنی پرانی اندرونی خواہش کی تکمیل کی خاطر جدید سیکولر ریاسیت کا پہلا باقاعدہ صدر بھی بہ ذاتِ خود مصطفی کمال اتا ترک ہی بہ قوت و استیلا منتخب ہوا۔ چناچہ اقتدار کے ہما کا اس کے سر پر بیٹھنا تھا کہ اچانک اتا ترک کے اندر کا حقیقی انسان باہر آگیا اور اس نے بنا کسی خوف و خطر کے اگلے پچھلے سارے حساب بے باق کرنا شروع کر دیئے۔ اور ایسی ایسی اصلاحات شروع کیں ،جنہوں نے پلک جھپکتے ہی جدید ترکی کا جھنڈا لہرا دیا،اور اسے جدید مسلم مغربی نوعیت کی ریاست کے خواب دیکھنے والوں کا مثالی رہنما بنادیا۔ مگر اس جدید ترکی کا محور مادر پدر آزاد معاشرہ تشکیل دینے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

فرسٹریشن اپنے عروج و انتہا پر گامزن تھی۔ سینے میں جو لاوا برسوں سے پک رہا تھا، وہ ابل کر باہر آگیا،جس نے تباہی مچانے کے سوا کچھ بھی نہیں کیا۔ مساجد اور مدارس پر پابندی لگاتے ہوئے جدید تعلیمی ادارے قائم کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ عربی زبان میں اذان اور نماز پر پابندی عائد کر دی۔ حج اور عمرے کو سرکاری طور پر ممنوع قرار دے دیا۔ حجاب و ٹوپی اور داڑھی قابل دست اندازی پولیس جرائم قرار دے دیئے گئے۔ مصطفی کمال نے مذہبی امور کا ایک محکمہ بھی قائم کر دیا تھا، مگر اس محکمے کا کام صرف یہ تھا کہ مذہب پسند لوگوں کی کڑی نگرانی کرے۔ اسی محکمے کے تحت اتا ترک نے ترکی کے انشا پردازوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ترکی زبان میں شامل ہو جانے والے عربی الفاظ کو ختم کر کے نہ صرف اس کا

ترکی متبادل پیش کرے، بلکہ اس کو ہر صورت میں رائج بھی کرے۔ مسلمان اگر اذان دینا چاہتے ہیں تو ان کے لئے اذان کے عربی الفاظ کی جگہ ترکی الفاظ منتخب کئے جائیں۔ غرض یہ کہ مذہب کو ترکی کی اجتماعی زندگی سے تو مکمل طور پر نکال دیا گیا، البتہ انفرادی زندگی میں اتنی چھوٹ دی گئی، جتنی کہ مصطفی کمال کی طبیعت برداشت کر سکتی تھی داڑہی والے مولوی ختم کرکے ،عربی سے نابلد کلین شیو مولوی کو ریاست کا ملازم بنادیا گیا،فوج اداروں میں نماز کی ادایگی ، جماعت و اجتماع کی حوصلہ شکنی اس درجہ تک پہنچا دی گئی کہ نماز ادا کرنا ایک خفیہ معاملہ تصور کیا جانے لگا،حجاب کرنے والی خواتین کو نفرت و کراہت سے دیکھے جانے لگا،ان کو کالجوں،جامعات اور ملازمت میں پیچھے کئے جانے کی حکمت عملی عرصہ دراز تک اتا ترک کی آمد سے چاردھایوں بعد تک جاری و ساری دیکھی گئی۔

دنیا کی یہ عجیب حقیقت ہے کہ مذہب کو انتہا پسند قرار دینے والوں کی اپنی انتہا پسندی کا سکیل ہمیشہ دو گنا اونچا رہا ہے۔ عثمانی سلطنت کے خلاف مصطفی کمال کا ردعمل ایک فطری سی بات تھی کہ جہانِ تگ وتاز میں اختلاف کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مگر یہ ردِعمل مصطفی کمال کو جس انتہا پر لے گیا، وہ غیر دانش مندی اور حماقت سے آگے کی کوئی چیز تھی۔ بغاوتیں ہمیشہ غیر معتدل معاشرتی رویوں سے جنم لیتی ہیں۔ اگر معاشرے کے کسی بھی اتا ترک کا خیال یہ ہو کہ سلطنتوں کی انتہا پسندیاں بغاوت کو جنم دیتی ہیں تو ان اتا ترکوں کو سوچنا چاہئے کہ اسی انتہا پر وہ خود کھڑے ہوں تو ردعمل مختلف نہیں ہوگا۔

مصطفی کمال اتا ترک ذہین، چالاک، اور اعلیٰ درجے کا شاطر منتظم تھا، مگر جذبات اگر غالب آ جائیں تو بڑے بڑے شہسوار بھی اپنے ہی ہاتھوں اپنی دانش کا خون کرنے میں لمحہ بھر کی دیر نہیں کرتے۔ یہی اتا ترک کے ساتھ ہوا۔ جتنا فرق اس نے ترکی اور عثمانی سلطنت کے بیچ روا رکھا تھا۔ اتنا ہی فرق اگر وہ مسلمانوں میں اور اسلام میں کرتا تو حالات کچھ اور ہوتے۔ مگر کسی مسلمان کا غصہ اس نے اسلام پر نکال دیا ور اسلامی احکامات ہی کیا اصلاحات تک کو اس نے نہیں بخشا۔ ہر اس نشان کو اس نے مٹا دیا ،جس میں مذہب کا کوئی ثانوی عکس بھی دکھائی دیتا تھا۔ عقیدوں پر اس نے کڑے پہرے لگا دیئے۔ اظہار رائے کی یک طرفہ ٹریفک چلنے لگی۔ یہ مصطفی کمال اتا ترک کا وہ بے مثل ''کارنامہ'' تھا جس نے اس کی جرات ، ہمت، حب الوطنی، ذہانت اور متانت کے سارے بھرم دھو دیئے۔

جس انتہا

پسندانہ اصلاحات کی بنیاد اتا ترک نے رکھی ،اس نے ترکی کی مجموعی سوچ کو واضح طور پر منقسم حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد یہ ممکن ہی نہ تھا کہ مصطفی کمال بغیر کسی مد مقابل کے میدان میں خیمے لگانے بیٹھا ہو۔ بلکہ جدید ترکی کے آغاز پر ہی ایک ایسے معاشرے نے جنم لیا جس میں گھٹن ہی گھٹن تھی۔[31]

---

[31] https://dailypakistan.com.pk/31-Dec-2013/67405

## ترک سیکولرازم درحقیقت کیا ہے؟

ترک سیکولرازم درحقیقت انصاف سے دیکھا جائے تو امریکی سیکولرازم سے کافی دور واقع ہوئی ہے اور موجودہ فرانسیسی اور بھارتی سیکولرازم سے کچھ میل کھاتی دکھتی ہے،چناچہ ان علماو محققین نے جن پر خود کسی ضمن میں جدت پسندی یا ماڈرینیٹی کی الزام تراشی کی گئی ہے ترک سیکولرازم سے نفرت و کراہت کا اظہار کیا ہے،کیونکہ ترک سیکولرازم المعروف بہ کمالازم ایک سخت بدبودار یک جانب آمریت کی قسم سے بھی اوپر کی شہ بلا مبالغہ تصور کی جاسکتی ہے۔

**چناچہ ڈاکٹر یوسف قرضاویؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:**

''اسلامی ممالک میں سیکولرازم کی حکمرانی کی واضح اور نمایاں ترین مثال ترکی کی ہے، جہاں خلافت ِاسلامیہ کو ختم کرکے اور خون کا دریا عبور کرکے پورے زور اور قوت کے ساتھ لادینیت کومسلط کیا گیا۔ اتاترک نے جبر و تسلط کے ساتھ سیاست، اقتصاد، اجتماع، تعلیم اور ثقافت، غرض زندگی کے ہر پہلو میں مغربی طرزِ حیات جاری وساری کردیا اور ترک قوم سے اس کی ثقافت ، اس کی اَقدار اور اس کی روایات اس طرح سلب کرلیں جس طرح ذبح شدہ بکری کی کھال کھینچی جاتی ہے۔

اتاترک نے دین کو دنیا سے بالکل علیحدہ کرکے ایک لادینی دستور نافذ کردیا اور اس اساس پر خاندانی اور شخصی معاملات سمیت تمام پہلوؤں میں خلاف ِاسلام قوانین نافذ کردئے گئے۔ اسلام جو پہلے دین و سیاست دونوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا، اب بہ یک جنبشِ قلم صرف ذاتی مسئلہ بن جر رہ گیا۔ کسی اسلامی ملک میں مکمل طور پر سیاست کی اسلام سے علیحدگی اور مغربی طرز کی لادینی ریاست کے قیام کا یہ عمل بالکل منفرد و یکتا تجربہ تھا۔ اسلام کوسیاست و اقتدار سے علیحدہ کر دینے کے نتیجہ میں اسلام عوامی حلقوں بالخصوص کسانوں میں محدود ہو کر رہ گیا، اسلام کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے اس کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا ہے۔''[32]

اس کتاب میں ہم پڑھتے ہیں کہ قرضاوی صاحب نے مراکش سمیت کئی مسلم ممالک کی مثالوں کا ترکیہ سے تقابلہ کرکے بتایا ہے کہ جب تک مراکش نما ممالک کے باشندے اسلام دوست رہیں گے،وہ سیکولرازم کو قبول نہیں کریں گے۔

---

[32] ڈاکٹر یوسف قرضاوی۔اسلام اور سیکولرازم۔ عالمی ادارہ فکر اسلامی۔۱۹۸۱۔صہ:۶۴۔

اصل میں اتا ترک بنیادی طور پر ایک بشریت پسند ،میسونی انفرادیت کا حامل قوم پرست تھا اور جس نے نیشن اسٹیٹ کے مغربی تصور کو خود کی روح پر حاوی کرلیا تھا چناچہ اس ضمن میں اورگا اسکی ایک تقریر نقل کرتا ہے جس میں وہ عربوں کے دین و تہذیب سے اخذ و تلمیذ سے نفرت کا اظہار کرتا نظر آتا ہے، عین اسی قسم کا ڈیبیٹ معتدل انداز میں ندیم ۔ایف۔پراچہ سیکولرازم اور کمالیت کے مثبت پہلو و کردار کے طور پر مسلم ماڈرینیٹی کے ضمن میں ،پاکستانی سیاق و سباق میں ڈان میں اسموکرز کارنرمیں کرتا دکھتا ہے۔کئی جدت پسند پاکستانی مسلم افراد بھی اسلام کی بہت سی رسم و رواج کو عربی معاشرت و تمدن کی پیداوار قرار دیکر اس سے اجنبیت اختیار کرنے کا درس دیا ہے،پاکستانی اداکارہ عفت عمر وغیرہ کو ابن قاسم اور محمود بھی بیرونی تہذیب و تمدن کی پیداوار دکھتے ہیں۔

**<u>چناچہ کمالیت پسندوں کا ممدوح مصطفی کمال کہتا ہے کہ:</u>**

''عثمانی سلطنت اسلام کے اصول پر قائم ہوئی تھی، اسلام اپنی ساخت او راپنے تصورات کے لحاظ سے عرب مزاج ہے، وہ پیدائش سے لے کر موت تک اپنے پیرووں کی زندگی کی تشکیل کرتا ہے اور ان کو اپنے مخصوص سانچے میں ڈھالتا نظر آتا ہے، وہ ان کی اُمنگوں کا گلا گھونٹ دیتا ہے او ران کی جرات و اِقدام پسندی میں روڑے اٹکاتا ہے، ریاست کو اسلام کے مسلسل باقی رہنے سے خطرہ "لاحق رہے گا۔''[33]

مصطفی کمال پاشا ترک قوم کو مکمل طور پر یورپی تہذیب کے سانچے میں ڈھال دینا چاہتا تھا۔ وہ اسلامی تہذیب و ثقافت کے ایک ایک نقش کو مٹا دینے پر مصر تھا۔ اس نے ترکی ٹوپی اور سر کے ہر لباس کو خلافِ قانون قرار دیا اور انگریزی ہیٹ کا استعمال لازمی کردیا گیا۔

اس نے اس معاملے میں اس قدر شدت اور سختی کا برتائو اختیار کیا کہ اس کے سوانح نگار عرفان اورگا نے اسے 'ہیٹ کی جنگ' سے تعبیر کیا۔ عرفان اورگا کے مطابق عوام نے سخت ردّ ِعمل کا اظہار کیا۔ فسادات اور بلوے ہوئے ۔مصطفی کمال نے منصوبے کی تکمیل کا فیصلہ کیا، کہیں رحم و رعایت سے کام نہیں لیا گیا۔ مذہبی حلقہ کے افراد جنہوں نے لوگوں میں جوش پیداکیا تھا، پھانسی پر چڑھا دیئے گئے۔ لوگ گرفتار کئے جاتے اور محض اس الزام پر کہ انہوں نے ہیٹ کا مذاق اڑایا ہے، پھانسی پر چڑھا دیئے جاتے تھے ۔ ہیٹ کی جنگ بالآخر جیت لی گئی اور عوام نے شکست تسلیم کر لی۔

اس زمانے میں وہ کہاکرتا تھا

[33] Irfan and Margaret Orga-ibid.(ایضاً)

**''میں ہی ترکی ہوں، مجھے شکست دینا ترکوں کو شکست دینا ہے''[34]**

## اتاترک کا رہبر،پیر و مرشد کون تھا؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس نے کس سے کس طرح مغربی قومی یا نیشنل ریاست سے مغربی علم سیاسیات کے فلسفہ کی بابت دلایل سیکھے اور پڑھے تو اس بابت آرمسٹرانگ کا کہنا ہے کہ:

''زمانۂ طالب علمی کے دوران جن افراد نے مصطفی کمال کی ذہن سازی میں حصہ لیا، ان میں ایک عیسائی راہب فیضی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ مقدونیہ کے قصبہ آرکیڈا کا باشندہ تھا، عمر میں مصطفی کمال سے چھوٹا تھا۔ عام عیسائیوں کی طرح وہ سلطنتِ عثمانیہ سے سخت بغض اور باغیانہ خیالات رکھتا تھا۔ سالونیکا میں قیام کے دوران مصطفی کمال نے فیضی کے ساتھ بہت سا باغیانہ لٹریچر پڑھا۔ والٹیر، روسو اور فرانسیسی ادیبوں کا مطالعہ کیا۔ تھامس ہابز، لاک اور جان اسٹور ٹ مل کی وہ کتابیں فیضی سے لے کر پڑھیں جو ترکی میں اس وقت ممنوعہ تھیں۔ اس باغیانہ لٹریچر کے مطالعہ کے بعد مصطفی کمال نے اکیڈمی میں اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے ہوئے کیڈٹوں میں بڑی فصیح و بلیغ تقریریں شروع کردیں کہ انہیں اپنے ملک ترکی، پیارے ترکی کو غیر ملکیوں اور سلطان عبدالحمید کی بدعنوانیوں سے بچانا چاہئے۔ مصطفی کمال نے اپنی آتش بیانی سے کام لیتے ہوئے آزادی پر کئی مضامین اور خون کو گرما دینے والی کئی نظمیں بھی لکھیں ۔[35]

### اتا ترک پر موجود اوردو مواد:

یہ سب باتیں آپ لوگ اس کتاب میں ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی کی کمال اتا ترک اور سلطان عبدالحمید سے متعلقہ بحث میں زیادہ عمدگی سے دیکھ سکیں گے،مگر یقین جانیں عطا اللہ صدیقی نے بھی محدث والے مضمون میں تحریر کا حق ادا کردیا ہے،میں نے جہاں سے بھی مواد دیکھ اور پڑھا ماسوا علی محمد صلابی کےانھونے اس میں سب ہی کام کی چیزیں جمع کردی ہیں،یوں یہ مقدمہ درحقیقت اتا ترک کے ضمن میں عطا اللہ کی تحریر کا تلمیذ معلوم پڑتا ہے کیونکہ اس ضمن میں آن لاین زیادہ تر تحریریں اسکی حمایت اور مدح میں ویسی ہی دیکھنے کو ملتی ہیں جیسی ہمیں نصاب میں پڑھائی و سمجھائی گئی تھیں۔

[34] https://magazine.mohaddis.com/home/articledetail/1638 ( عطا اللہ صدیقی )
[35] H.C.Armstrong.Greywolf.penguin.uk.

جہاں تک مصــطفی کمال کی بابت مصــادر کا تعلق ہے ڈاکٹر صــلابی نے بھی آرمســٹرانگ کے کافی حوالے پیش کئے ہیں ،جبکہ ابو الحســن علی ندوی صــاحبؒ نے اورگا کے کچھ اقتباســات پیش کئے ہیں ،قرضاوی سمیت ان مذکورہ بالا افراد کے حوالہ جات عطا اللہ صدیقی صاحب نے پیش کئے ہیں۔

کمال پاشـا سـے بھی قبل معلوم پڑتا ہے کہ قوم پرسـت لونڈے لپاڑے اورسـازشـی غدار قسـم کےلوگ جیسـے ینگ ٹرکس وغیرہ سـلطان عبدالحمید کے دور سـے قبل ہی سـلطنت میں فکری،آیئنی و انتظامی تبدیلی خواں نظر آتے تھے،چناچہ اس قسم کے امور کا ذکر ڈاکٹر صـلابی،ابوالحسن ندویؒ اور عطا اللہ صـدیقی نے اپنی اوردو تحریروں میں کیا ہے،عطا للہ کی تحریر سـے معلوم ہوتا ہے کہ آرمسٹرانگ کی گرے ولف کا ترجمہ آغا اشرف نے کردیا تھا ۔مگر میں اس تحریر کے سوا نا اس قسم کے ترجمے سـے واقف ہوں اور نا ہی میں نے اســـے کبھی بذاتِ خود کبھی دیکھا پڑھا ہے،بس بہ حیثیت مجموعی یہ اندازہ کر پایا ہوں کہ وہ شـروع روز سـے ہی ایک سـرپھرا،نظام کی کایا کلپ کرنـے کا خواہش مند فرد رہا تھا،اسکی فری میسونیوں یا کھلے لفظوں میں یہودی طبقہ سے خاص مراسم بتائے جاتے ہیں،جسکا ذکر ڈاکٹر صلابی کی اس تحریر سے بہ خوبی قایم کیا جاسکتا ہے۔۔

## **کمال کی سازشیں،کایاکلپ اور فوجی سرگرمیاں:**

چناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصـــطفی کمال کی فوجی ملازمت کا پورا دورانیہ باغیانہ ســـرگرمیوں میں شرکت اور عثمانی سلطنت کا تختہ الٹ دینے کی تخریبی منصوبہ بندی کا ایک افسوسناک باب ہے۔ اس دوران میں وہ بارہا گرفتار بھی ہوئے مگر سلطان کی نرم پالیسی، اپنے ہم خیال فوجی افسروں کی ملی بھگت اور خوبیٔ قســـمت کی وجہ ســـے وہ ہمیشـــہ ســـزا ســـے بچ جانے میں کامیاب ہوتے رہے۔

ملٹری اکیڈمی سے گریجویٹ ہونے کے بعد مصطفی کمال اور اس کے دوستوں نے استنبول میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا تاکہ خفیہ ســـرگرمیاں جاری رکھ ســـکیں۔ انقلابیوں کی یہ پارٹی **"وطن حریت"** کہلاتی تھی۔ مصطفی کمال اس کے روح رواں تھے۔ یہ لوگ وقتاً فوقتاً وہاں جمع ہو کر ملکی مسائل پر بحث کیا کرتے۔ ان کی سازشی سرگرمیوں کا انکشاف ہونے پر ڈائریکٹر جنرل ملٹری ٹریننگ اسماعیل حقی پاشـا نے سـلطان کے حکم کی تعمیل میں ان سـب نوجوان باغیوں کو گرفتار کرلیا لیکن چند ماہ کی نظر بندی کے بعد یہ لوگ رہا ہوگئے۔ ٹریننگ کے بعد پہلی مرتبہ مصـــطفی کمال کو آرمی نمبر ۵ کے ساتھ دمشق میں تعینات کیا گیا۔ اس دوران پورے شام کے طول و عرض میں مصطفی کمال کو گھومنے کا موقع ملا۔ وہ جہاں بھی گئے اپنی انقلابی جماعت "وطن حریت" کی خفیہ سـرگرمیوں کو جاری رکھا۔ بیروت، یافا، یروشلم اور شام کے دیگر علاقوں میں یہ تحریک مصطفی کمال کی توقعات کے مطابق نہ پھیل ســـکی تو انہوں نے مقدونیہ اور ســـالونیکا کا خفیہ دورہ بھیس بدل کر کیا۔ وہاں انہوں نے "وطن حریت" کی شـــاخیں قائم کیں اور پس پردہ ســـلطان عبدالحمید کے خلاف باغیانہ ســـرگرمیاں جاری رکھیں۔ایک دفعہ اس باغی تنظیم کاخفیہ اجلاس ہو رہا تھا کہ پولیس نے عین وقت پر چھاپہ مار

کرمصطفی کمال اور دیگر باغیوں کو گرفتار کرلیا۔ ان سب کو بعد میں استنبول کی سرخ جیل میں منتقل کردیا گیا۔

**قید کے دوران ایک دن اسماعیل حقی پاشا نے مصطفی کمال پر رحم کھاتے ہوئے اسے سمجھایا:**

’’(بزبان آرمسٹرانگ) تم بڑے ذہین، دلیر اور معاملہ فہم ہو۔ تمہارا مستقبل تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم خود کو ہزمیجسٹی کا وفادار فوجی افسر ثابت کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے بہت فائدہ اٹھاسکتے ہو۔ملکی سیاست میں حصہ لیتے ہوئے ان کے خلاف بغاوت پھیلانے کی سازشوں میں حصہ نہ لو۔ باغیوں اور غداروں کا ساتھ نہ دو۔ یہ جانتے ہوئے کہ تم موجودہ حکومت کا تختہ الٹانے کی سازشوں کے جرم میں ملوث ہو،ہز میجسٹی رحم دل اور نرمی سے کام لیتے ہوئے تمہیں معاف کرتے ہیں۔ ہزمیجسٹی کا ہمیشہ وفادار رہنے کی قسم کھائو۔ یاد رکھو تم نے اعلیٰ حضرت کی حکومت کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں "میں ائندہ کبھی حصہ لیا تو تمہیں کوئی موقع نہ دیا جائے گا۔‘‘[36]

چناچہ معلوم پڑتا ہے کہ پہلے جنگ عظیم عظیم تک یہ خفیہ زیر ذمین کام سر انجام دیتا رہا مگر ظاہراً عثمانی وفادار کے طور پر خود کو فوجی نظام میں آگے بڑھنے کے لئے تیار کرتا رہا،اسے اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ صبر از حد ضروری ہے اور سلطنت عثمانیہ زوال پزیر ہے،ایک دن ضرور آئے گا جب میں اور میرے ہم خیال لوگ اس کمزور نطام کی کایہ کلپ کرکے اپنا ذاتی نظام و مقام بلند کرکے اپنے نظریات کے عین مطابق ریاست قایم کر پائیں گے۔چناچہ مابعد دیکھا گیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ اسمعیل پاشا کی نصیحت کمزور پڑنے لگی اور اس گروہ نے ایک حریت پسند گروہ نسبتا دور افتادہ شامی علاقے میں قایم کردیا۔

شام اس دوران مغربی قوتوں جیسے اطالیہ،فرانس و انگلستان کے آزاد خیال عناصر کا مشرق وسطی میں ذیلی مقام بنتا جارہا تھا ،شامی رہاشی علامہ رشید رضا نے اس تحریک کے خلاف معلوم پڑتا ہے کہ کافی شعور بیدار کیا تھا، مگر دوسی طرف معلوم پڑتا ہے کہ ان کے استاد الاستاد جمال الدین افغانی پر سلطان عبدالحمید سمیت کئی ترک سلطانوں اور پاشاوں کو شک تھا کہ یہ سلطنت میں فکری آگ لگا کر جدیدیت و یہودی ایجنڈے کو پروان چڑھارہے ہیں ،اس ضمن میں صلابی صاحب کے بیانات بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔انھونے اس کتاب مین فری میسنز اور یہودی قوتوں کی سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

[36] عطا اللہ صدیقی بحوالہ :اوردو ترجمہ :گرے وولف:از:آغااشرف۔

# فری میسنز،متعلقہ تنظیمیں ،افکار و نظریات

ویسے سچ بات تو یہ ہے کہ فری میسنز کی بابت بہت کچھ گمراہیاں

اور غلط فہمیاں عامتہ الناس و خاص میں کثرت سے پائی جاتی ہیں جمال الدین افغانی جن کا ذکر سابقہ باب میں آخری سطور میں برسبیل تذکرہ بیان ہوا ،یہ صاحب بلذات اچھے ہیں یا برے ہیں،اس پر اس تحریر میں تفصیل سے بعد میں گفتگو آگے آئے گی،چناچہ اس بحث سے قطع نظر اتنا طے ہے کہ انکی بابت جو کچھ انسانیت پرستی،برادری و مساوات کے ضمن میں کافی کچھ کہا سنا گیا ہے ۔

اور جو کچھ ان تحریروں میں مختلیف و متنوع اشارے ہمیں جمال صاحب کی بابت میسر آئے ہیں وہ تمام باتیں، موجود عصر میں بہت حد تک تصوف،اعتدال پسندی،عالمگیریت ،عالمی انجمنوں کے عروج،اقوام متحدہ،امریکہ کی سیادت و قیادت سے متعلق ہونے ،اور کچھ حد تک انسانی حقوق کے فلسفہ کی صورت میں کل دنیا میں عام مباحث بن چکے ہیں۔ ٹالسٹائی کے ناول میں پرنس پیر نامی کردار کو جو صورتحال فری میسنز کے ضمن میں اُن کے شہرہ افاق ناول جنگ اور امن میں ادب کی راہ سے محسوس ہوئیں اور جیسی تصویر کشی ٹالسٹائی نے ان کی بابت مذکورہ بالا ناول میں پیش کی تھی وہ سب معلومات موجودہ فری مسینز کی بابت ہمیں سحر اسرار کے پردوں سے نکل کر میسر آجاتی ہیں۔

سوچا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ جو معاملات روز اول سے حسن بن سبا تک دیکھے یا سنے تھے اور مابعد جس طرح انھونے فلسطین میں مقامی نسلی فلسطینیوں کے ساتھ ظالمانہ خون آشام سلوک عام شروع کیا تو مسلمانوں کی جذباتیت کو یہ امر چراغ پا کرنے لگا تھا کہ یہودی اور فری میسنز ہر سازش اور ہر ناکامی کی اصل وجہ اور جڑ ہیں ، مقابلتاً اسی قسم کا تاثر ہٹلر اور اسکے ساتھیوں کا بھی رہا تھا،تاہم اس بابت کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ یہودی قوم کو نشانہ بنارہا تھا یا درونِ خانہ فری میسنری یہودی اسکے پیشِ نظر تھے؟

## علامہ رشید رضا کی فری میسنز کے خلاف مساعی جلیلیہ:

چناچہ شامی مصری اسلامی الہیات دان محمد راشد رضا (۱۸۶۵–۱۹۳۵) نے بیسویں صدی کے اوائل میں اسلامی دنیا میں فری میسنری کی مخالفت کی قیادت کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ لہذا رضا سے متاثر ہوکر ، بہت سے مسلم افراد فری میسنز کے خلاف نفرت انگیز کراہت کا اظہار کرنے لگے تھے،یہ نفرت ماضی میں یہودی،شعوبی،زندیقی،روافض اور قرامطیوں کے خلاف بھی ان میں نمودار

ہوچکی تھی چناچہ  فری میســـنز کے مخالفین کا یہ ماننا ہے کہ فری میســـنری مفادات کو فروغ دینا یہودی مفاد پرست استحسالی گروہوں کا شیوہ بن چکا ہے۔

دنیا بھر کے یہودیوں اور ان کا ایک خاص ہدف و مقصـــد بیت المقدس میں ہیکل ســـلیمانی کی تعمیر نو کے لئے مسجد الاقصی کے احاطے کو تباہ کرنا بیان کیا جاتا ہے۔ علامہ رشید رضاؒ نے اپنے مقبول پین اسلامک جریدے المنار کے ذریعے میسونک مخالف نظریات پھیلائے جو اخوان المسلمون اور اس کے بعد کی اسلامی تحریکوں جیسے حماس پر براہ راست اثر انداز ہونے کےلئے قایم کئے جانے لگے۔

**<u>مسلم دنیا میں فری میسنز کے خلاف جذبات و اقدامات:</u>**

<u>اپنے عہد نامے کے آرٹیکل ۲۸: میں ، حماس کا کہنا ہے کہ:</u>

فری میسنری ، روٹری ، اور اسی طرح کے دیگر گروہ صیہونیت کے مفاد میں اور اس کی ہدایات کے مطابق کام کرتے ہیں۔[37] اکثریتی مسلم آبادی والے بہت سے ممالک میسونک اداروں کو اپنی سرحدوں کے اندر جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔تاہم ، ترکی اور مراکش جیسے ممالک نے جنگ عظیم اول سے قبل گرینڈ لاجز قائم ہوتے دیکھے تھے اور اب وہاں ان کا کوئی وجود موجود ہے یا نہیں اسکا فیصلہ کرنا تاحال باقی ہے ، جبکہ ملائیشیا اور لبنان جیسے ممالک میں ڈسٹرکٹ گرینڈ لاجز کچھ افراد کے نزدیک تاحال قائم بتائے جاتے ہیں جو مرکزی گرینڈ لاج سے وارنٹ کے تحت کام کر رہے ہیں۔ خود ماضی قریب میں پاکستان میں ۱۹۷۲ میں دیکھا گیا تھا کہ اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے فری میسنریوں پر پابندی عائد کر دی تھی۔ چناچہ بعد ازاں ان لاجز کی عمارتوں کو حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

چناچہ ۱۹۱۷ کے اوائل میں عراق میں میسونک لاجز موجود بتائے جاتے تھے ، جب یونائیٹڈ گرینڈ لاج آف انگلینڈ (یو ۔جی۔ ایل ۔ای) کے تحت وہاں پہلا لاج کھولا گیا تھا۔ یو۔ جی ایل۔ ای کے تحت نو لاجز ۱۹۵۰ کی دہائی تک وہاں موجود بتائے جاتے تھے ، لہذا ۱۹۲۳ میں ایک سکاٹش لاج تشکیل دیا گیا تھا۔ تاہم انقلاب کے بعد وہاں تبدیلی پیدا ہوگئی ، مابعد ۱۹۶۵ میں تمام لاجز کو بند کرنے پر مجبور کردیا گیا۔

اس صورتحال کو مابعد صدام حسین کے تحت تقویت پہنچی اور یہود مخالف جذبات کے تحت ان لوگوں کے لئے سزائے موت "مقرر" کی گئی تھی،ان افراد کو اسکا اہل گردانا گیا جو "صیہونی اصولوں کو

[37] حماس ،جماعت اسلامی اور اخوان یہاں ان ایرانی مفادات کو فراموش کرگئے ،جو ماضی میں کبھی سلطنت ِعثمانیہ مخالف رہے تھے،باقی ایرانی لاجز سے جو کچھ ہورہا تھا، ان کا جو اثر و نفوذ متعلقہ علاقوں میں موجود تھا مابعد اس ایجنڈے کو جس طرح انقلابی حکومت نے جاری و ساری کیا اس تناظر میں یہ تاثر ابھرا کہ ایران ،درپردہ یہودیوں کا اتحادی ملک ہے،مگر اس مین کتنی حقیقت و صداقت ہے اس بابت معلومات کےدم پر قطیعت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے،معج

فروغ دیتے ملتےتھے،یا ان کی تعریف کیا کرتےتھے ، چناچہ فری میسنری انسانیت پرستی کے فلسفے کے باوجود انکو ہمیشہ ناقدوں کی جانب سے صیہونی تنظیم ہی گردانا گیا تھا، ۔[38]

**<u>یہودیوں اور فری مینسز کا باہمی تعلق:</u>**

فری میسنز کے ساتھ ہمیں تاریخ میں قرامطی باطنی تحریک کی مانند ایک سحر و اسرار کا پیچیدہ غیر واضح مگر گنجلک قسم کا تاریخی و موضوعاتی رشتہ جڑا ہوا ملتا ہے ،انکے بابت کیا امر مصدقہ ہے اور کونسا غیر مصدقہ ہے اس بابت ہم کچھ محقق کہنے کی حالت میں نہیں ہیں،مسلم دنیا میں فری میسنز و یہودی ایک ہی تصویر کے دو رخ تصور کئے جاتے رہےہیں ،جبھی برصغیر میں یہود مخالف مسلم طبقہ نے جس میں نوجوان یوتھ کلب،ساحل عدیم اور مفتی ابو البابہ شاہ منصور جیسے افراد پائے جاتے ہیں ، ان حضرات کو یعنی کانسپایرسی تھیورسٹ[39] افراد کو مسلمانوں کے خلاف ہر سازش و تباہی کے پیچھے فری میسنز کا ہاتھ نظر آتا ہے،مسلمانوں کی ذاتی اخلاقی برایاں،مذہب سے دوری،ان میں موجود فرقہ بازی،مسلم مذہبیت میں پائی جانے والی جعلی دیوماالائیت،نسل پرستی، شخصیت پرستی،ان کی انفرادی و اجتماعی کوتاہیوں سے ان کو کچھ لینا دینا نہیں ہے،چناچہ یہ کہنا ممکن ہے کہ ہمارے یہاں موجود سازشی نظریات کی صداقت پر اصرار کرنے والوں کو ہر جدید مغربی اقتدار و غلبہ کے پیچھے دجالی قوتوں اور فری میسنز کا ہاتھ نظر آتا ہے ،اور یہ افراد مسلمانوں کی اپنی ذاتی کوتاہیوں انسانی و بشری خامیوں کو سمجھنے اور پرکھنے سے قاصر نظر آتے ہیں ۔

چناچہ اس ضمن میں مسلم رومانیت پسند ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ؒ نے بھی ان نوجوانوں کو تاویل کے ضمن میں کافی متاثر کیا ہے، اب تو بطور قوم یہ ہمارا ایک معروف عمل بن چکا ہے کہ ہم اپنی ہر ناکامی،بدنامی ،اخلاقی کمزوری کا بوجھ قادیانیوں سے فری میسنز تک ڈال کر ہر سوال کا جواب پہلے سے مفروض کرچکے ہوتے ہیں،یعنی حقیقی سوال کا حقیقی جواب کسی ایک فرد کو بھی درحقیقت اصلاح کے ضمن میں مطلوب نہیں ہوتا ہے۔

عین یہی رویہ دیگر اقوام و ممالک کا بھی رہا ہے چناچہ یہودی اسی قسم کا جواب فلسطینیوں کے خلاف تیار رکھتے ہیں،جیسا کہ اکتوبر ۲۰۱۳ میں حماس کے ناگہانی اسرائیلی علاقوں پر حملہ کے ضمن میں کل مغربی دنیا حماس کو دہشت گرد اور قاتل قرار دینے میں جت گئی،ویسے بھی مغرب نے انسانی حقوق اور دہشت گردی دونوں کے فلسفہ و نظریات مسلمانوں کے قتل عام کے جواز کے لئے بلواسطہ پیدا کرکے فروغ دئے ہیں،مسلمانوں کی جہالت و کم علمی ہے کہ وہ جمہوریت و انسانی حقوق

---

[38] https://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%81%D8%B1%DB%8C_%D9%85%DB%8C%D8%B3%D9%86

[39] یعنی کہ ہر خرابی تباہی، اور ناکامی کے پیچھے کچھ پس پردہ بیرونی و اندرونی سازشی نظریاتی افراد و تنظیمیں کارفرماہوتی ہیں۔معج

کو اپنے لئے باعث فلاح تصور کرتے ہیں،وہ یہ بات ہضم نہیں کرپارہے ہیں کہ انسان سے مراد مغرب کی نگاہ میں کوئی عمومی باشعور حیوان نہیں ہے۔

بلکہ اس سے مراد واقعتاً وہ باشعور ،روشن مزاج ،سرمایہ دارانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا خدا بیزار فرد ہے جو اطالوی نشـــاۃ ثانیہ کی کوکھ ســــے تاریکی کو پھاڑ کر مغرب میں پیدا ہوا تھا،مغرب کے درون خانہ فلسفی کہتے ہیں کہ مسلمان کبھی روشن خیال ،انسانیت پسند مخلوق بن ہی نہیں سکتا ہے،چناچہ یہ کل مغربی لبرلز ،عیسـائیوں،اور قدامت پسـندوں کا مجموعی رویہ رہا ہے،ان اقوام نے انسـانی حقوق کی دھائی دیتے ہوئے اســـرایل کو جواب میں یہ اخلاقی و قانونی جواز فراہم کرنے کی کوشـــش کی کہ اسے اپنے علاقوں پر حملوں کے جواب میں میں غزہ کو نیست و نابود کرنے کا کلی حق حاصل ہے۔

چناچہ اس بنیاد پر مسـلسـل اسـرائیلی بمباری نے غزہ میں پانچ ہزار افراد کو شـہید اور بیس ہزار کے قریب فلسطینیوں کو زخمی کردیا ہے، کیونکہ یہ مغربی مقلد انسان نہیں بلکہ نیم و خام انسـان ہے ،جس میں اسلامی تشخس کے جراثیم نے سیاسی و تشخصـی ذومبیت پیدا کردی ہے،اہل یورپ و امریکہ اس ضــمن میں یہ امر فراموش کرگئے ہیں کہ ،حماس نے جوابی حملے کیوں کئے،وہ یہ امر بھول گئے ہیں کہ گزرشـــتہ دو دھایوں ســـے اســـرایئل نے غزہ کی پٹی کو ایک کھلے قید خانہ میں بدل کر رکھ دیا ہے،فلسطینی علاقوں میں جو پہلے ہئ محدود ہیں کو مذید یہودیی آباد کاری اور بستیوں میں اضافہ کی حکمت عملی کے ذریعہ تیز رفتاری کے ساتھ مختصر و محدود کیا جارہا ہے،وہ یہ امر فراموش کرگئے کہ کس طرح رو بروز اســرئیلی حملوں ،فلســطینیوں کی دن دھاڑے گرفتاریوں اور جبری ہلاکتوں نے فلسطینی مسلمانوں میں بے چینی پیدا کرنے کی تحریک مضبوط و مستحکم کردی ہے۔

اسـی طرح بھارت کو دیکھ لیں جس کو ہر دهشـت گردی کی کاروائی میں پاکسـتان کا ہاتھ نظر آتا ہے ،چناچہ اب سـورہ کہف کی جو جدید تفصـیل و تشـریح سـاحل عدیم جیسـے غیر محقق لوگوں سـے آگے بڑھوائی گئی ہے اس نے اســـلام کی تفاســیر کی نئی یو ٹیوبن جدت کاری کا چلنِ عام ڈالا ہے جس نے ایک نئی پود کو جو اسلام کے احیا کی دعوے دار ہے کافی متاثر کیا ہے،یعنی مذہبی جذباتی دائرے اب تحقیق پر حاوی ہوتے جارہے ہیں،جدیدی یوٹیوبی شـخصـیات آن لاین ورچول نیٹ ورلڈ میں نئے پیغمبر بن کر نمودار ہوئے ہیں۔

**<u>یہودی دانشوروں کی دستاویز کا معاملہ:</u>**

اس ضـمن میں ہمارے یہاں یہودی دانشـوروں کی دسـتاویزات کا کافی چرچا پایا جاتا ہے ، اس کتابچہ کا عنوان ان تحریروں کو یہودیوں کے دانشـــوروں کا کارنامہ ظاہر کرتا ہے اور لوگ انہیں مســـتقبل کی قبل از وقت مسـتقبل سـازی کی کوشـش تصـور کرتے ہیں اس دسـتاویز کا اول چرچا کتابی صـورت میں داعش اور جہادی گروہوں کے آن لاین مواد میں پایا گیا تھا،میں نے خود اس قســـم کا ایک پی۔ڈی ۔ایف ۲۰۰۷ میں ڈاونلوڈ کیا تھا،مگر اس کو ایک نگاہ ڈالنے کے بعد قابل وقعت نا جان کر اہمیت دینا چھوڑ دیا تھا ،پھر پانچ چھ سـالوں بعد ایک نیا چلن کاروباری کتب فروش حلقوں ،میں دیکھا گیا تھا کہ انھونے اس دسـتاویز کو جیسـا ان کا گمان ہے کو کتابی صـورت میں چھاپنا شـروع کر دیا ہے، اب تو بہت سـے

غیر محقق مسلمان اسے سازشوں کی یہودی توریت سمجھنے لگے ہیں اور یہ افراد یہ بات سوچنے سے قاصر ہیں کہ ریاستی و انقلابی دستاویز کیسے کہاں سے کس سند سے اچانک نوشتہ دیوار پر نمودار ہوئی اور کیسے سازشی عقلمند یہودی صدیوں قبل اپنی نسل کے لئے ایسی تحریر لکھی چھوڑ گئے جس سے طویل عرصہ تک خود یہودی ناواقف رہے ہیں۔

میں بطور محقق اس دستاویز پر بابا گاگا یا ناسٹرڈیمس کی پیشنگوئیوں کی طرح کی کتب کی طرح کافی شکوک و شبہات محفوظ رکھتا ہوں،جس طرح برناباس کی انجیل میں کئی مسلم الحاقات کا بھی مجھے شک ہے،خیر اس میں کتنی صداقت ہے اور کتنی نہیں یہ میرا موضوع بحث نہیں ہے اس مختصر تحریر کی ایک دستاویز میں لکھا ہے کہ:

''آپ نشے میں بدمست ان جانوروں کو دیکھتے ہیں ، ان کا دماغ نشے کی وجہ سے مختل ہوجاتا ہے ان کی آزادی نے انہیں اس بسیار نوشی کی اجازت عطاکی ہے ہمارا طریقہ کار یہ نہیں رہا ہے اورہمیں اس راہ پر نہیں چلنا چاہئے ، دیکھا گیا ہے کہ غیریہودی افراد شراب کے نشے میں مست ہوکر اپنے حواس کھودئے ہیں ان لوگوں (مسلمانوں) کے نوجوان قدامت پرستی ، فسق وفجوراور بدکرداری کی وجہ سے غبی اورکند ذہن ہوچکے ہیں ہم نے اپنے مخصوص گماشتوں کے ذریعہ انہیں اس راہ پر لگایا ہے یہ کام مدرسین کے ذریعہ اپنے کاسہ لیسوں کے ذریعہ ،امراء کے گھروں میں کام کرنے والی خادماؤں کے ذریعہ اوراپنی لڑکیوں کو عیاشی کے ان اڈوں میں داخل کرکے جہاں غیر یہودیوں کی عام طورپرآمدورفت ہے ممکن بنایا گیا ہے جبکہ مؤخر الذکر گروہ میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جنہیں سبھا کی پریاں کہاجاتا ہے اور یہ خواتین بدکاری اورعیاشی میں دوسروں کی رضاکارانہ تقلید کرتی ملتی ہیں''۔

## فری میسنز کی ابتدا کیسے ہوئی:

کہا جاتا ہے کہ اول اول فری میسنری افراد نے ۱۷۱۷میں لندن کانفرنس میں اپنا یہ نام اختیار کیا تھا۔ اس کانفرنس کی صدارت جیمز اینڈرسن نامی ایک فرد نے کی تھی جو کہ اصلاً و نسلاً اسکاٹ لینڈ سے تعلق رکھتا تھا۔اسی نے قوانین نامی وہ کتاب لکھی تھی جو کچھ اقوال کی رو سے میسنریوں کی قدیم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے جو ۱۷۲۳ میں لندن میں پہلی مرتبہ طبع ہوئی تھی۔[40]

،اس دوران فرانس میں یہ افراد کچھ بے چینی پیدا کرنے اور ملوکیت مخالفت میں ملوث گردانے گئے تھے۔ جرمنی میں یہ لوگ فری میسنری کے نام سے مصروفِ فساد تھے اور جونہی انہیں محسوس ہوا کہ ہٹلر کو ہماری اصلیت کا پتہ چل گیا ہے، انھونے کھسک نے کی کوششیں شروع کردیں، جبکہ ہٹلر نے یہ پتہ چل جانے کے بعد کہ ان کا تعلق یہودیوں کے ساتھ پایا جاتا ہے، فیصلہ کیا تھاکہ ان کے خلاف کاروائی ہونی چاہئے، چناچہ نتیجتاً پورے جرمنی میں ان کے تمام مکاتب و ادارے بند کر دئے

[40] ممکن ہے کہ یہودی دانشوروں سے مراد فری میسنز ہی ہوں اور یہودی دانشوروں کی دستاویز کی اصل یہی ہوں۔معج واللہ علم

گئے ۔ تب انہوں نے کروٹ بدلی اور فری میسنری کو چھوڑ کر جرمن ہاوس کلب کا روپ اختیارکر لیا۔ ۔ پھر جب انہیں یہ پتہ چلا کہ اہلِ فکر و نظر نے ہمیں اس بہروپ میں بھی پہچان لیا ہے تو انہوں نے اپنی تنظیم کو روٹری کلب کا نام دے دیا۔ ایسے ہی یہ لوگ بھیس بدلتے رہے۔ مابعد انھونے لائنز کلب اور بنائی بر تھ بنام بھی اختیار کئے،اب ان دعووں میں کتنی صداقت وحقیقت ہے یہ امر تحقیق کا محتاج ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ اول اول اس تنظیم کی بنیاد میں کام کرنے والے دو افراد خاص الخاص سمجھے جاتے تھے جن میں سے ایک یورپی نژاد آدم وائیز ہاپٹ تھا اور دوسرا امریکی النسل البرٹ پائیک تھا۔ ان میں سے اول الذکر ۱۷۴۸ میں جرمنی میں پیدا ہوا تھا لہذا اس نے۔ مذہبی تعلیم حاصل کر کے وہ مقام پایا کہ مسیحی علمائے دین میں یگانہ ورزگار ہو گیا۔ ۱۷۷۰ میں یہ شخص یہودیوں کے ساتھ مل بیٹھا ۔ ان کے علوم و فنون سے اس نے استفادہ حاصل کیا اور ان کے تعاون سے فری میسنری کی ایک انجمن محفلِ شوق اکبر کے نام سے قائم کی اور پھر ایک عالمی حکومت بنانے کی صدا بلند کی جو پورے عالم کے اہلِ فکر و نظر پر مشتمل ہو۔،اسی قسم کے تصورات و اعقادی حکومت کے عالمی اظھارات جرمن مفکر کانٹمیں بھی دیکھے گئے ہیں۔

چناچہ ان صاحب کے اس قسم کے عالمگیری اعلامیہ سےکافی بڑے بڑے ادیب، ماہرینِ علوم و فنون اور علمائے علم سیاسیات و اقتصادیات بھی دھوکے میں آ گئے جن کی تعداد کبھی ہزاروں سے متجاوز ہوچکی تھی۔چناچہ جو تعمیری نعرے اس نے لگائے تھے۔ وہ جوہری طور پر اصل بحث کا صرف ظاہری روپ تھے۔ جبکہ انکا اصل باطنی اور بھیانک مشن یہ رہا تھا کہ پوری دنیا کی حکومتوں میں تخریب کاری علمی و جسدی طور پر سرانجام دے کر وہاں انتشار پھیلایا جائے اور تمام ادیانِ عالم کو مٹا دیا جائے، کچھ صدائیں ایسی بھی سنی گئی ہیں کہ انقلاب فرانس و برطانیہ میں بھی انکا ہاتھ رہاہے۔

انیسویں صدی کے دوران فری میسن تحریک نے اندرون و بیرونِ ملک تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں اور اس وقت تک دنیا بھر میں چھ سو سے زائد فری میسن مراکز قائم ہوچکے تھے۔ اسی طرح بیسویں صدی کے اوائل میں ان فری میسن مراکز کی تعداد تقریباً۳ ہزار افراد تک پہنچ چکی تھی۔ اگرچہ اس وقت دنیا کے بہت سے ممالک میں فری میسن مراکز بند کئے جاچکے ہیں لیکن اس کے باوجود فری میسن درون خانہ بطور تحریک و منہج اپنا وجودبرقرار رکھے ہوئے ہے اور اب بھی اس کی سرگرمیاں ماضی کی طرح پوشیدہ ہیں۔

۱۹۹۲ء میں برطانوی گرینڈ لاج کی ۲۷۵ ویں سالگرہ کے موقع پر مختلف تقاریب کا انعقاد کیا گیا تھا، جس میں فری میسن تحریک کے ہزاروں کارکنوں نے شرکت کی تھی اور تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ جب گرینڈ لاج کی کوئی تقریب ٹیلی ویژن اور اخبارات تک کی زینت بنتی دیکھی گئی تھی اور ۲۰۱۷ء میں برطانوی گرینڈ لاج کی ۳۰۰ ویں سالگرہ کی تقریبات کی تیاریاں جاری تھیں۔

## تنظیم میں شمولیت کی رسم و ایفائے عہد:

بیان کیا جاتا ہے کہ فری میسنری دنیا کی انتہائی خفیہ اور خطرناک تحریک ہے۔ جس کے ممبران کے ۳۳ درجے بیان کئے جاتے ہیں۔ اور ہر درجے کا ممبر اپنے سے اوپر والے درجات کے متعلق قطعاً کچھ نہیں جانتا ہے۔آغاز میں پہلے درجے کے ممبر کو ایک اندھیرے بند کمرے میں لے جایا جاتا ہے۔ جہاں مکمل انسانی ڈھانچہ اور کھوپڑیاں اور زہریلے مصنوعی سانپ رکھے جاتے ہیں ، اس کمرے کا نام کمرۂ تامل رکھا گیا ہے اور متبدی کو وہ یہ باور کراتے ہیں کہ بلند مقام حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے ماحول سے دوچار ہونا ناگزیر ہے۔ اندرون کمرہ ان کا ایک چیف موجود ہوتا ہے جو بار بار یہ الفاظ دہراتا ہے کہ :

## کیا تم میسنری ہونے پر مُصر ہو؟

اگر یہ مبتدی بار بار کہتا رہے تو ایک گائیڈ اس کی آنکھوں پر سیاہ پٹی اور گلے میں رسی ڈال کر ایک دوسرے ہال میں اسے لے جاتا ہے جہاں دوستونوں کے درمیان اسے کھڑا کر کے اس سے کئی سوال کئے جاتے ہیں۔ اور آخر میں کہا جاتا ہے کہ تم کو ایک سخت امتحان سے دوچار کیا جائیگا جس میں ممکن ہے کہ تمہیں اپنی جان کی بازی بھی لگانی پڑ جائے، لہذا ابھی تیرے پاس سوچ و تامل اور غوروفکر کے لیے کافی وقت پڑا ہے چاہو تو یہیں سے اپنی دینا میں واپس لوٹ جائو قبل اس کے کہ تم سے پختہ عہد اور حلف لیا جائے۔

اگر وہ با ر بار کہے کہ میں میسنری بننا چاہتا ہوں تو چیف اسے ایک میٹھے پانی کا گلاس پلاتا ہے اور پھر ایک کڑوے پانی کا اور اسی دوران کہتا ہے کہ انسانی زندگی اس تلخی سے بھی دوچار ہو سکتی ہے۔

## فری میسنز ،سریئت و تصوف کا باہمی تعلق:

یہ فری میسنز ایک درپردہ عالمی غلبہ کی فکری تنظیم ہےایک بین الاقوامی یہودی تنظیم ہے،جو اہل تصوف کی طرح انسانیت کو سب سے بڑا مذہب قرار دیکر انسانوں کے لئے کچھ فطری حقوق تسلیم کرتی ہے،ایسے تمام حقوق کی تفصیل اقوام متحدہ کے ۱۹۴۸ اکے اعلامیہ اور ان سے متاثر ریاستی آئینوں میں دیکھی جاسکتی ہے،یہ تنظیم انسانی محبت،انسانیت ،فطرت،مساوات ،برادری اور بھائی چارے کی بنیاد پر عالمی سیاست کی تشکیل و تدوین چاہتی ہے۔اہل تصوف کی طرح یہ مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیکر ان سے مطالبہ کرتی ہے انسانیت کی خدمت ہی درحقیقت اصل مذہب

ہے،جمہوریت بہترین طریقہ انتخاب ہے،سب مذاہب کے پاس خیر ہے منزل ایک ہے بس الگ الگ شاہراہوں سے آمد پر اختلاف ہے۔

مگر محققین کی ایک مشرقی اور مغرب سے کیتھولکی جماعت کا ماننا ہے کہ ان لوگوں کا اصل مقصد دنیا میں دجال اور دجالی ریاست کی راہ ہموار کرنا ہے ۔لہٰذا اس میں بیس برس سے بڑی عمر کے لوگ ہی ممبر بنائے جاتے ہیں۔ بظاہر تویہ سوشل رابطوں اور فلاحی کاموں، اسپتالوں، خیراتی اداروں فلاحی اداروں اور یتیموں کے تعلیمی اداروں کی ایک تنظیم ہے۔ امریکہ میں اس کے ممبروں کی تعداد اسی لاکھ سے زیادہ ہوچکی ہے۔بظاہر یہ ایک خفیہ سلسلۂ اخوت ہے،خیرات کرنا اس کے ممبران کے فرائض میں شامل ہے۔ تنظیم کے پاس لاکھوں نہیں کھربوں ڈالر کے فنڈ بتائے جاتے ہیں۔ اور اس کے پیروکار دنیا کے تمام ممالک میں موجود خیال کئے جاتے ہیں۔

آپ معاملہ کی نزاکت یا مخالفین کی مالغہ آمیزی جو چاہے سمجھیں اس امر سے اندازہ قیاسی اندازہ قایم کر سکتے ہیں کہ امریکہ کے سابق صدر جارج واشنگٹن اور گوئٹے[41] اس کے سربراہان میں شامل بتائے جاتے ہیں۔ کچھ کا یہ بھی قول ہے کہ یہ سنہ ۱۷۷۱ء میں برطانیہ میں قائم ہوئی تھی۔ برطانیہ کا حکمران خود اس کا سربراہ رہا ہے۔ اس کا ہیڈ آفس اب بھی برطانیہ میں ہی ہے۔ مسلم مصنفوں کی ایک بڑی جماعت کا ماننا ہے انکی خیراتی سرگرمیوں اور فلاحی اداروں کی آڑ میں مسلم دشمنی کارفرما ہوتی ہے،یہ دراصل انکے اختراع کردہ ترغیبی پہلو و طریقہ کار ہیں، جنکا مقصد مسلم شناخت میں تبدیلی پیدا کرکے اسے مغربی روپ دینا اور مغربی آدرشوں کی گٹھی چٹوانا انکا اصل مدعا و مقصد رہا ہے اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا اس کے اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ یہ تک دعوے کئے گئے ہیں کہ امریکی خفیہ ادارے سی۔ آئی۔ اے تک میں یہودی خصوصاً ''فری میسن'' ممبران کی اکثریت پائی جاتی ہے اور امریکی افواج کے ان دستوں میں جو بیرون امریکہ یعنی عراق،بوسنیا، چیچنیا اور افغانستان میں بھیجے جا رہے ہیں کثرت سے کٹر یہودی شامل ہیں۔

## <u>عیسائی یہودی اتحاد:</u>

ناقدین کے مطابق مطابق یہودی شروع روز سے مسلمانوں سے انتقام لینا چاہتے تھے جبھی مدنی دور کے غزووں کا بدلہ یہ ہم سے چن چن کر لے رہے ہیں ،اس بابت یہ سوال غور طلب ہے کہ عیسائیوں نے سب سے زیادہ یہودیوں کا قتل عام کیا ہے،مگر ،یہودی ان سے یہ انتقام کیوں نہیں لے رہے ہیں؟،حلانکہ یہودی علما مسیح کے قاتل رہے ہیں اور یہودی ان کو مسیح دجال قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ مگر محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں کیا ایک دوسرے کے باہمی ظلم بھلا کر کیا صرف مسلم دشمنی پر اتحاد کرچکے ہیں؟ یا پھر یہودیوں کو یقین ہوگیا ہے کہ عیسائی ان کے مقابل اپنا تاریخی ومذہبی تشخص اس قدر شدید بنیادوں پر فراموش کرگئے ہیں کہ ان کی اصل شناخت پس پشت جاچکی ہے ،بلکہ یہی عیسائی اب دنیا بھر میں ان کے وہ آلہ کار بن چکے ہیں جو ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں

---

[41] گویٹے کا نام اس ضمن میں کافی محل نظر ہے۔معج

شـکار بننے سے روکتے ہیں،ایک طرح سے یہودیوں نے کل عیسـائی و ملحد قوتوں کو ذہنی و علمی طور پر یرغمال بنا کر ان کو اپنا مفت کا بھاڑے کا سـپاہی بنا دیا ہے،تاکہ وہ اپنے مذہبی انتقام کے تحت زیادہ سے زیادہ اجروثواب کے لیے مسلمانوں کے ساتھ دہشت گردی کی انتہا کرسکیں،بلکہ یہ تک بتایا جاتا ہے کہ پوپ نے ان سے مفاہمت کرکے یہ بیان جاری کیا تھا کہ ماضـی کے یہودیوں اور موجودہ دور کے یہودیوں میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے اور ہمارے عصر کے یہودی لوگوں کا یسوع مسیح کی مصلوبی و قتل و ظلم سے کچھ لینا دینا نہیں ہے،وہ یہودی اور تھے یہ اور ہیں،مگر مزے کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں سے نمٹنے اور اپنی رسم و رواج کے ضمن میں موجودہ یہودی اور عیسائی افراد اسـی ماضـی کے تاریخی ورثہ کو دل سے لگا کر بیٹھے ہیں؟۔ اور بھول جاتے ہیں کہ پوپ کی دلیل کے قیاس میں ماضی کے مسلمان الگ تھے اور یہ مسلمان بہت الگ ہیں؟

## فری میسنز اور تصوفانہ کا باہمی تعلق و سازشیں :

بادی النظر میں گوانتاناموبے میں جو مظالم مسـلمانوں پر ڈھائے جا رہے ہیں اب تو وہ منظر عام پر آچکے ہیں۔ عراق اور افغانسـتان میں جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے اس میں بھی بقول شـخصے فری میسـنز اور الیمیناٹی شـامل ہیں ،کچھ کے نزدیک یہ الگ الگ تنظیمیں ہیں،مگر کچھ محققین کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں ،بلکہ اکثر لوگ الومیناٹی کو فری میسنز کا بدلا ہوا نام تسلیم کرتے ہیں،مگر ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ایلومیناٹی میں سازش ،سحر و اسرار کا پہلو فری میسنز سے بھی زیادہ گہرا پایا جاتا ہے، چناچہ یہ دونوں تنظیمیں عصر حاضر میں مسلمانوں میں اتنی غیر مقبول ہوچکی ہیں کہ انہیں دجال تنظیمیں گردانا جاتا ہے اور گوانتاناموبے کے مظالم کی بابت بھی یہی دعوی ہے کہ اس میں بھی یہی تنظیم ملوث ہے۔

کہنے والوں کے مطابق فری میسن تحریک نظریات اٹھارویں صدی کے اوائل سے ہی تشـکیل پاتے رہے ہیں اور ان کا تعلق سیاست(خاص طور پر امریکا اوربرطانیہ میں اقتدار حاصل کرنا)، مذہب ( عام طور پر عیسائیت و اسلام مخالف اور شیطانی اقدار اور رسومات پر یقین رکھنا) اور ثقافت سے رہا ہے۔ فری میسن تحریک کے حوالے سے ایک عام تصور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ یہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں،مگر میرے نزدیک یہ قول محل نظر ہے ،ہوسکتا ہے کہ تصوف کی راہ سے گرینڈ ماسٹر یا ماسٹر حضـرات لوگوں کی آزمایش کےلئے انکو مختلیف قربانیوں کے مراحل سے گزار کر انکو دین میں معتدل یا آزاد خیال بنانے میں دلچسپی رکھتے ہوں، یا ان میں کچھ افراد سیٹن ازم یا شیطان پرستی کی فکر کے حامل ہوں،مگر بہ حیثیتِ مجموعی یہ الزام گہری تحقیق کا محتاج ہے۔

چناچہ دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کی عملی متصـوفانہ حرکات وسکنات مبتدیوں کو دین بیزار بنا کر دنیا سے وابستہ کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں،چناچہ انکی لبرل فکر ، جمہوری اقدار اور بشریت پسندی پر مبنی افکار و نظریات کے سبب سوویت یونین کی کمیونسٹ حکومت نے بھی ۱۹۲۲ء میں فری میسن

تحریک سمیت تمام خفیہ تنظیموں پر پابندی عائد کر دی تھی، بعدازاں تمام کمیونسٹ ریاستوں بشمول چین میں فری میسن تحریک کی سرگرمیوں پر پابندی برقرار رہی مگر ساتھ ساتھ کچھ مفکرین یہ کہتے پائے جاتے ہیں کہ روسی انقلاب بھی بہ ذات خود فری میسن تحریک کے ارکان کی کوشش کا ہی نتیجہ تھا۔

میں نے فری میسنز کا جتنا ناقص و معمولی مطالعہ آن لاین کیا ہے، اس سے مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ انکا ایک بڑا طبقہ وجود باری تعالی کو مانتا ہے،جیسا کہ خود ان کے مخالفین بہ ذاتِ خود ان کے یہودی ہونے کے قایل ہیں،اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہودی ایک خدا یعنی رب الافواج کو پوجنے کے قایل ہیں اور خود کو اس کی منتخب و برگزیدہ قوم تصور کرتے ہیں ،مگر دوسری طرف یہ بھی معلوم پڑتا ہے کہ ان میں سے ایک جماعت ملحدوں کی ملتی ہے،اگر ان کی طرف اس جماعت کی نسبت درست ہو؟،چونکہ قبالہ پر مبنی یہودی سریئت و تصوف کی راہ سے بشریت پسندی کے جس رجحان کو یہاں جگہ ملی ہے وہ موجودہ عالمی تصوف کا بھی ابدی و ازلی حصہ جانا جاتا ہے،جن کے نزدیک ادیان عالم و فرقہ جات بس منہج یا منزلیں ہیں،مگر مقصد و منزل سب کی ایک اور واحد ہے۔

جبھی ادیان کے مرکزی متصوفانہ افکارِ کی نوعیت یہاں ان میں مشترکہ ہونے کے ساتھ ساتھ بنیادی نہیں ثانوی نوعیت کی حامل ہے،مگر میں ساتھ ساتھ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جتنے منہ اتنی باتیں ہیں،حق و صداقت کیا ہے،اس بابت قطعیت سے کچھ کہنے کی میں حالت میں نہیں ہوں،کیونکہ ماخذات کے معیار و اسناد اور انکی بنیادی معیاریت کے بغیر کوئی دعوی کرنا کافی مشکل و غیر معقولی ہوگا،باقی سازشوں میں لازمی انکا کچھ نا کچھ ہاتھ رہا ہوگا، الزام کے مطابق یہ سیاست پر سرمایہ کاری کرکے ریاستوں کو یرغمال بنانے میں گہری دلچسپی بھی رکھ سکتے ہیں، جیسا کہ ان کی طرف نسبت منسوب کی جاتی ہے مگر ہر شہ انکے سر مونڈھ دی جائے یہ امر جذباتی زیادہ اور تحقیق سے کافی دور محسوس ہوتا ہے۔

چونکہ نومبر کا انقلاب کمیونسٹ انقلاب تھا،لہذا کمیونسٹ حکومتیں انکو سازشی مغربی اقدار کی حامی و تبلیغ کار سمجھتی تھی چناچہ ۔چلی کے سابق کمیونسٹ صدر سلواڈور ایلندے فری میسن تحریک سے وابستگی کی بنا پر معروف تھے۔ مگر دوسری طرف کہا جاتا ہے کی فیڈل کاسترو نے بھی کیوبا میں فری میسن تحریک پرکبھی پابندی عاید کی تھی۔

فری میسن تحریک نازی حکومت کی جانب سے کیے گئے یہودیوں کے ہالوکاسٹ کی زد میں بھی آئی تھی جبکہ اس دوران ایک اندازے کے مطابق فری میسن تحریک کے تقریباًاسی ہزار سے دو لاکھ تک اراکین کو سزائیں دی گئی تھیں۔دوسری جانب برطانیہ اور امریکہ میں فری میسن تحریک نے سیاسی منظرنامے پر کافی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔

## ولیم مورگن کیوں گمشدہ ہوئے؟

۔چناچہ انیسویں صدی کے اوائل میں امریکہ میں مصنف ولیم مورگن نے فری میسن تحریک کی خفیہ سرگرمیوں پر ایک کتاب لکھی تھی ۔ کتاب کی اشاعت کو چند روز ہی گزرے ہوں گے کہ وہ پردہ ہستی سے لاپتہ ہوگئے، جس کے باعث فری میسن تحریک کے مخالفین یہ دعویٰ کرنے لگے کہ انہیں فری میسن تحریک کے اراکین نے اغواء کرکے قتل کر دیا ہے۔ مورگن کی گمشدگی کے خلاف ملک بھر میں مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان دنوں ہی ایک فری میسن مخالف رہنما تھرلو ویڈ[42] ایک

## فری میسنز کی سیاسی شراکت داری:

سیاسی جماعت کی تشکیل عمل میں لائے جس نے بعدازاں صدارتی انتخابات میں بھی حصہ لیا۔ اسی طرح برطانوی حکومت کے مختلف حکام بھی فری میسن تحریک کے حوالے سے شکوک و شبہات کا شکار رہے ہیں اور پولیس اور عدلیہ میں شمولیت اختیار کرنے والے فری میسن تحریک کے اراکین کے حوالے سے قانون سازی کی کوششیں بھی کی جاتی رہی ہیں۔ ایک قول کی رو سے ابتداء میں اس تحریک کی قیادت سابق برطانوی وزیرداخلہ اور لیبر پارٹی کے سرگرم رہنماء جیک سٹرا نے کی تھی ۔ چناچہ ان کی تحریک کسی حد تک کامیاب رہی تھی اور گزشتہ ہزاریے کے اوآخر میں ویلش اسمبلی نے فری میسن تحریک کے اراکین پر رُکنیت ظاہر کرنے کی شرط عائد کر دی تھی۔

## مذاہب عالم اور فری میسنز :

فری میسن تحریک دنیا کے ان چند خفیہ گروہوں میں سے ایک ہے جسے تمام مذاہب کی جانب سے رَد کیا گیا ہے جن میں عیسائیت پیش پیش رہی ہے۔ اگرچہ عیسائیوں کی اکثریت فری میسن تحریک کے خلاف ہے یا ان کے

بارے میں کوئی مؤقف نہیں رکھتی ہے۔

لیکن بہت سی عیسائی تنظیمیں ایسی ہیں جو فری میسن تحریک کو مکمل طور پر رَد کرتی ہیں اور اپنے پیروکاروں کو اس کا حصہ بننے سے روکتی ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم رومن کیتھولک کلیسا ہے۔ کیتھولک مذہب کی فری میسن تحریک پر تنقید کی ایک وجہ اس کا فطرت کے اصولوں کی حمایت کرنا بھی ہے اورتحریک کے ارکان کاخدا کے بارے میں کوئی واضح نقطۂ نظر بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ اتفاقِ رائے پایا جاتاہے کہ فری میسن تحریک ملحدانہ نظریات کی حامل سمجھی جاتی ہے دولتِ مشترکہ اور برطانیہ کے سابق چیف رابی اسرائیل بروڈی فری میسن تحریک کے برطانوی یونائٹڈ

[42] **Thurlow Weed۔**

گرینڈ لاج کے گرینڈ چیپلن رہے ہیں جس سے ان شکوک کو تقویت ملتی ہے کہ فری میسن تحریک پر یہودیت کی گہری چھاپ پائی جاتی ہے۔

**بروڈی کے علاوہ بھی بہت سے ربیز فری میسن میں سرگرم رہے ہیں۔ ایک رابی ڈاکٹر جوناتھن رومین لکھتے ہیں کہ:**

''مجھ سے کہا گیا کہ میں فری میسن بن جاؤں اور لاج میں شمولیت اختیار کر لوں۔ میرا سوال یہ تھا کہ کیا بیک وقت ایک یہودی اور ایک فری میسن ہوا جاسکتاہے ؟ اس کا جواب سادہ سا ہے کہ اگر یہودیوں اور فری میسن تحریک کے اراکین کے درمیان کوئی تعلق ہے تووہ اچھی بات ہے۔ خاص طور پر آج دونوں ہی ہیکلِ سلیمانی تعمیر کرنے کی بات کرتے ہیں۔''

اسی طرح فری میسن کی کچھ تقاریب میں یہودی علامتیں اور عبرانی زبان کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ مزیدبرآں اٹھارویں صدی میں شروع ہونے والی فری میسن تحریک کے اراکین آزاد خیال تھے اوریہودیوں سے نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ یہودیوں کو خوش آمدید کہتے ہے۔

آخری عثمانی خلیفہ کو بھی جدت پسندی کے حصول اور قدامت پرستی سے فرار کا فریب رہا تھا،اور وہ جلاوطن کیا جاچکاتھا۔

<u>**کیا ترک سلاطین خلیفہ تھے؟**</u>

اب نام نہاد خلافت کا ادارہ ختم ہوچکا تھا ۔ ان کے سر سے سائبان چھن چکا تھا ۔ مگر یاد رکھیں کہ ترک سلطان کبھی عرصہ دراز تک باقاعدہ اعلان کردہ یا دعوے کردہ خلیفہ نہیں رہے تھے، اور نا انکی سیادت عباسیوں کی طرح کبھی جانی مانی گئی تھی،کیونکہ صدیوں انھونے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی ، ہاں برصغیر کے ترک نسل حکمرانوں اور مهاجریں کو ان کی بابت کچھ ایسا گمان تھا،چناچہ ٹیپو سلطان نے انگریزوں سے نمٹنے کے لئے ان کے ہی یورپی اتحادی عثمانی ترکوں سے مدد چاہی تھی اور ساتھ میں ان کے مخالف فرانس کی طرف بھی مدد کے لئے اپنی نگاہ اٹھائی تھی،چناچہ صحیح بات تو یہ ہےکہ نا انھونے کبھی اس کا دعوی کیا اور نا انھونے کبھی اس امر کے دعوے کی ضرورت محسوس کی تھی کیونکہ وہ صدیوں اس قدر طاقتور،خود مختار اور خود انحصار رہے تھے کہ ان کو اس قسم کے دعوے اور لقب کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی،چونکہ ان کی ذات و اقتدار خود طاقت ،غلبہ اور اقتدار اعلی کا مخزن بن چکی تھی ،لہذا انھونے اپنی ایک الگ ہی منفرد و یکتا دنیا ،نظمیہ،جبر و قوت قایم کرکے صدیوں دنیا کے بڑے حصے کو زیر اطاعت بنائے رکھا تھا۔

ہاں اپنے زوال کی آخری صدی بلخصوص آخری تین عشروں میں یہ باز گشت زیادہ طاقتور طریقہ سے مسلم دنیا میں سنائی دی کہ ترک سلاطین نہیں عالمگیر خلفا ہیں کیونکہ انہونے مصر کی فتح میں عباسی شہزادے سے یہ حق حاصل کرلیا تھا،یعنی کہ ان کے نزدیک خلافت بنا علاقہ و آبادی بھی بلقوت یرغمال بنا کر منتقل کی جاسکتی تھی؟ یہاں کسی نے ملوکیت اور نسلی حکومت کے اس نقد و جرح سے کام لینا ضروری نہیں سمجھا تھا جیسا کہ انہونے بنو امیہ کے ضمن میں تاریخی نا انصافی ظاہر کرنے کی روش اختیار کی تھی چناچہ،برصغیر کے مسلمانوں میں تحریک خلافت اور علمائے کرام نے اس نقطہ نظر یا سیاسی موقف کو اس لئے زیادہ تقویت فراہم کی تھی کہ چونکہ سلطان حنفی فقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے زیر اقتدار مکہ و مدینہ کے شہر بھی موجود تھے،ان میں تصوف کے جراثیم میں عام ملتے تھے ،حلانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان شہروں سمیت کئی عرب علاقوں پر ترک تین سو سال سے کمزور چلے آرہے تھے،وہاں ان کے اعمال حکومت داخلی طور پر خود مختار ہوکر عین ویسے ہی حکومت کررہے تھے جیسے مغل زوال کے دور میں حیدرآباد،بنگال اور اودھ کے صوبے دار آزاد ہوچکے تھے،اور مغل بادشاہ انگریزوں کے تصرف میں آنے سے قبل ہی دھلی سے آگے کسی جگہ غلبہ و قوت نہیں رکھتا تھا۔

چناچہ سلطنت عثمایہ سے آزادی لے کر جدید ترکوں کو آخرکار بدلے میں کیا ملا؟ آزادی! کس سے آزادی؟ وہ تو بدترین جانبدارانہ نظام کے غلام ہوچکے تھے۔ ترقی ! وہ تو ان سے کوسوں دور تھی۔ طیب اردگان تک وہ ترقی خواب ہی رہی جو حریت کے نام پر اسے جھانسہ دیا گیاتھا۔ ماضی میں ترکی کی معیشت بد ترین حد تک گر گئی تھی ۔ ترقی یافتہ یورپ کے پڑوس میں ہوتے ہوئے وہ افریقہ کے کسی قحط زدہ ملک کی طرح بدعنوانی، شہری سہولتوں کے فقدان، جرائم کی بھر مار اور اندھیرے مستقبل کا معمار قرار دیا جاتا تھا۔ جمہوریت کا راگ الاپنے والے اپنے پیچھے فری میسن کی شیطنت کے علاوہ کچھ نہ چھوڑ کر گئے تھے۔ عثمانی خاندان کے ساتویں اور سلسلہ خلافت کے آخری حکمران خلیفہ عبد المجید آفندی نے بہادر شاہ ظفر کی طرح چپ چاپ جلاوطنی قبول کرکے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی تھی۔

**<u>آخری سلطان عبدالمجید آفندی اور اختتام خلافت:</u>**

عبدالمجید کو اندرونِ خانہ موجود ایجنٹوں کے ذریعے خوفناک طریقے سے سہما دیا گیا تھا۔ ان کے آخری ایام فرانس کے دارالحکومت پیرس میں گزرے۔ پیرس کے بیس انتظامی اضلاع ہیں۔ ان میں سے آپ کی رہائش گاہ سولہویں ضلع میں تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران انکا ۲۳ اگست ۱۹۴۴ء کو دل کا دورہ پڑنے سے ان کا انتقال ہوگیا۔ فری میسنز کے لیے یہ دوسری بڑی خوش خبری تھی۔ خلافت کے بعد اب خلیفہ بھی اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ اس نے اس لفظ کے اتنے غلط استعمال دنیا میں اور لغت کی کتابوں میں پھیلا دئے تھے کہ اس لفظ کے استعمال سے لوگ شرمانے لگے تھے۔ اس لفظ کو اس کا حقیقی وقار اور اس منصب کو اس کا حقیقی افتخار لوٹاناآج کے مسلمان کا فرض ہے۔ چناچہ آخری عثمانی خلیفہ کو بھی نام نہاد غیر متعصب جمہوری حکمرانوں نے وطن میں دفن کے لیے چند گز زمین دینے سے انکار کردیا۔ بالآخر انہیں مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔

برصغیر میں ترکوں کو خلیفہ ماننے کا مسئلہ کبھی مغلوں کے سامنے موجود نہیں تھا ،ان کی قوت دبدبہ ،دولت و حشمت ترکوں سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں تھی،اسے سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا،برصغیر ایک چھوٹا براعظم مانا جاتا تھا،لہذا دور زوال کے ٹیپو سلطان نے جسے مغل سلطنت کے زوال پذیر نام نہاد دربار میں جگہ حاصل نا تھی اور اس کو اودھ و دکن کے صوبے داروں سے جو مکمل خود مختار ہوچکے تھے اور اس کے بڑے مخالف اپنے مفاد کے تناظر میں سمجھے جاتےتھے،اس نے ترکوں کی سیاسی قوت کا غلط اندازہ لگا کر ترک سلطان سے مدد کی درخواست کی تھی ،مگر یہ اس دور میں ایک چھوٹی سی ریاست کا استثنائی خارجہ حکمت عملی کے ضمن میں جرات مندانہ اقدام و تدبیر تھی مگر اس استثنی پرعموم کے دلایل قایم نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

چناچہ اس دور زوال کے آخری عشروں میں انگریزوں کی نظر سے دور ترکوں کے غلبہ و قوت سے خارج یورپ کی سب سے بڑی قوت کی نوآبادی کی مساجد میں کیسے ،کس طرح خاموشی سے ترک سلطان کے نام کے خطبہ کا چلن پڑھا گیا[43]اسکا کوئی مستند ثبوت نہیں ملتا ہے،کچھ بازگشتیں جو اس ضمن میں سنائی دیں ،ان سے بھی ان افراد و گروہ کا اندازہ قایم کرنا مشکل ہے جو اس تحریک کے پیچھے موجود تھے۔ممکن ہے کہ مغل سلطنت کے خاتمہ نے کچھ غیور مسلمانوں کو اس امر پر آمادہ کیا ہو،مگر اتنا طے تھا کہ سلاطینِ ترکیہ کو جب اپنے زیر سایہ علاقوں پر اقتدار و غلبہ دور شجاعت و فتح کی طرح اب حاصل نا تھا تو کوسوں دور ہندوستان میں کیسے حاصل ہوتا؟جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مصر،شام،فلسطین و حجاز کے عاملین حکومت صدیوں سے ان علاقوں پر خودمختار و قابض ہوتے چلے آرہے تھے،کیونکہ ترکیہ اپنی بیماری میں وہاں کامل قبضہ سے بدتریج محروم ہوتا چلا آرہا تھا، چناچہ ہندوستان میں اس قسم کی انفرادی کوششوں کو شاید انگریز جان کر بھی طفلانہ عمل سمجھ کر نظر انداز کرہے ہوں گے۔

لہذا یہ الزام بھی حدود سے خارج ہے کہ ان سلاطین کو پوپ کی طرح کیلسائی اختیارات حاصل تھے،ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت میں روحانیت کی نسلی روایت کو نا بنو امیہ نے اہمیت دی تھی اور ،نا ہی بنو امیہ اندلس نے اسے اہم جانا تھا بلکہ یہ روایت عباسیوں،اور فاطمیوں میں دیکھنے میں آئی ہے جو نسل و خاندان کی توارث کو اہلیت و قابلیت سے زیادہ اہم جان کر خاندان نبوت سے تعلق ظاہر کرنے والے جتھوں کو ہی حکمران دیکھنا چاہتے تھے۔

آل عثمان نے اپنے زور بازو ،لیاقت و قابلیت سے سلطنت کا عظیم نظام قایم کیا تھا،انہونے کبھی خود کو روحانی خلیفہ ظاہر نہیں کیا تھا ،مگر یاد رکھیں کہ ان کے ظاہر کرنے یا نا کرنے سے قطع نظر وہ اپنے علاقے کی عوام کے بنا اعلان شرعی تناظر میں امام و خلیفہ ہوا کرتے تھے،جس کے لئے انھیں کسی خلیفہ کے لقب کی ضرورت نہیں تھی،کیونکہ مسلم شریعت کی رو سے دین و دنیا کوئی الگ الگ شہ نہیں ہوتے ہیں،ہر خطہ کا حکمران اپنے علاقوں پر سیادت و غلبہ رکھتا تھا چناچہ وہ اپنی علاقائی آبادی سے حاصل قبولیت عامہ کےسبب بلا اعلان ان کا عملی خلیفہ ہوا کرتا تھا،مگر یہ امر ساتھ ساتھ مت بھولیں کہ یہاں بحث خلافت کے مشتہر و اعلان شدہ منصب کے تناظر میں کی جارہی

[43] ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی-برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی-۱۹۸۷،صہ:۳۵۲،۳۵۳-(کامل بحث کے لئے مذکورہ بحث اس کتاب میں پڑھیں:معج)

ہے،اس دایرہ کار میں ترکوں کے طاقتور دور عروج کے حکمران ایسے دعووں سے پرہیز کیا کرتے تھے،ہاں اپنے مرکزی علاقے اور مقبوضات کی سنی آبادی سے سلطان اپنی ان دیکھی و کہی امامتِ کبری کی توقع رکھا کرتے ہوں گے ، چناچہ جانچا گیا ہے کہ ان کی سیادت و قیادت کے منکر باغی اکثر و بیشتر ان کی تلوار کی ضرب کے ہمیشہ منتظر رہتے تھے۔

**شاہی خاندان کے آخری فرد کی وفات کا احوال:**

چناچہ خلافت کے خاتمے کے اعلان کے بعد اس خاندان کے آخری فرد کا انتقال تقریباًپانچ سال پہلے ۲۷ ستمبر ۔۲۰۰۹ء کے دن ہوا تھا۔ ان کا نام ارطغرل عثمان بیان کیا جاتا ہے اور یہ آخری خلیفہ عبدالمجید آفندی کے پوتے تھے۔ عثمانی شاہی خاندان نے دو رشتے باہر بھی کیے تھے۔ دونوں کی آخری نسل کی آج کچھ خبر نہیں ہے۔ ایک تو ہم لوگوں یعنی ہندوستانی مسلمانوں میں۔ آخری خلیفہ کی ایک صاحبزادی شہزادی درشہوار کی شادی ریاست حیدرآباد دکن کے ساتویں اور نظام میر عثمان علی خان کے سب سے بڑے صاحبزادے شہزادہ نواب اعظم خان سے ہوئی تھی۔ دوسرے انہی خلیفہ کے پوتے ارطغرل عثمان کا نکاح افغانستان کے آخری شاہ امان اللہ خان کی قریبی رشتہ دار شہزادی زینب ترزئی سے ہوا تھا۔ ارطغرل عثمان۱۹۱۲ ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۹۲۴ میں وہ آسٹریا میں زیر تعلیم تھے۔(یہاں وہی غلطی دہرائی جارہی تھی کہ عثمانی خاندان کے افراد یورپی ممالک کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پاتے تھے جہاں وہ فری میسن کا آسانی سے شکار ہوجایا کرتے تھے۔) انہیں اطلاع ملی کہ اتاترک نے ان کے خاندان کے تمام افراد کو جلاوطن کردیا ہے۔

انہوں نے ماضی کے حکمرانوں کی طرح روش اختیار کرتے ہوئے حسبِ توقع جنبش بھی نہ کی تھی ۔ بلکہ تعلیم پانے کے بعد اپنی زندگی کا بیشترحصہ (تقریباً ۶۰برس) نیویارک میں ایک ریستوران کے اوپر واقع چھوٹے سے فلیٹ میں شہزادی زینب کے ساتھ گزار دئے۔ وہ تو خیر گذری کہ ستمبر۲۰۰۹ء میں بعمر۹۷ سال ان کے انتقال کے وقت ترکی میں کسی سیکولر دعوے دار فرد کی حکومت نہیں تھی چناچہ اس دوران چونکہ وہاں جناب ، طیب اردگان کی حکومت قایم تھی جن کے دل میں ایمان کی چنگاری بحر حال کسی نا کسی ہیت میں روشن تھی لہٰذا انہونے نے ان کے جسدِ خاکی کو نہ صرف وطن واپس لانے کی اجازت دی، بلکہ ہزاروں مسلمانوں کی موجودگی میں ان کی نمازِ جنازہ کے بعد انہیں ان کے دادا سلطان عبدالمجید کے خاندانی قبرستان میں دفن کی اجازت بھی دی تھی۔

**ایک لمحہ فکریہ:**

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر کار یہ سب کچھ ،کب اور کیسے ممکن ہوا؟ ہم جانچتے ہیں کہ ہمیں یہود و نصاریٰ سے دوستانہ تعلقات سے منع کیا گیا تھا۔ ہم نے ان کو اپنا اور اپنے بچوں کا مربی بنا لیا

ہے۔ مشنریز کو اسکول بنانے اور این جی اوز کو نام نہاد فلاحی ادارے چلانے کی کھلی چھوٹ دی گئی ہے ۔ ہم لوگ ہمارے ذہین طلبہ کو اسکالر شپ پر بیرون ملک لے جانے پر شکریہ ادا کرتے نہیں تھکتے ہیں ۔ تعلیم کے راستے یورپی تہذیب تیزی سے ہمارے وجودوں میں اندر تک سرایت کرتی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں بھی قوم پرستانہ صوبائیت و قبایلیت کے روپ میں ''نوجوان ترک''جیسی نئی نسل تیار ہوتی جارہی ہے۔ دلفریب ناموں نے تصور خالفت کا خاتمہ کر چھوڑا ہے۔

مغربی تعلیم، مغربی تہذیب کو اور مغربی تہذیب مغرب کے پرورده حکمرانوں کو جنم دے رہی ہے۔ ترقی اور آزادی کے نام پر بدترین پسماندگی اور غلامی کا جال کل بھی بنا گیا تھا اور اب بھی بنا جارہا ہے۔ چناچہ فری میسنز نے انتظار کیا مسلسل انتظار، خاموشی اور تحمل سے کام کیا ویسے بھیان کے پاس بہت وقت تھا۔ انہوں نے صدیوں تک برداشت کیا تھا، بالآخر انہوں نے مسلم خلافت کے سقوط کوایک عورت کے ذریعے ممکن کردکھایا وہ کام جو لاکھوں سپاہی اور ان گنت صلیبی جنگیں نہ کرسکیں وہ عورتوں اور تزیب کی کایہ کپ سے ممکن ہوگیا۔ اس داستان سے ہمیں کیا پتا چلا؟ سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ:

دشمن کا پہلا وار عورت کی جانب سے ہوتا ہے۔ زن، زر اور زمین میں سے سب سے خطرناک شیطانی ہتھیار''زن'' ہے۔ پاکستان سمیت عالم اسلام کے بہت سے سابقہ حکمرانوں کی بیویاں یا سیکریٹریاں غیرملکی تھیں۔ اور جو ظاہراً و ''اتفاقیہ'' طور پر ان کی زندگی میں داخل ہوئی تھیں،مگر شاید درون خانہ سازشی نظریہ کے حامیوں کی روسے ان خواتین کے کچھ تباہ کن شر انگیز مقاصد مقرر تھے۔

-

انور سادات کی بیوی جہاں سادات، یاسر عرفات کی بیوی سوہا عرفات، اردن کے پورے شاہی خاندان کی بیویوں کی طرح بشارالاسد کی بیوی اسماء اسدسب کی سب امریکی یہودی یا برطانوی عیسائی ہیں۔ انور سادات اور یاسر عرفات کو امن کا نوبل انعام کبھی نہ ملتا اگر وہ ان کافر حسیناؤں کے شوہر نہ ہوتے۔

# ایلومیناٹی کی بحث کا دوسرا رخ

ابھی تک ہم نے مذکورہ بالا سطور میں فری میسنز کا ذکر کیا تھا اور انکا منفی پہلو اور مقبول عام آرا یا پھر عوامی رائے عامہ کے لحاظ سے انکا اور ایلومیناٹی کا ذکر کیا تھا مگر اب ہم اہل مغرب کے اعتدال پسند موقف کی رو سے اسکا جایزہ لیں گے،چناچہ اس ضمن میں ایلومیناٹی کا جو ذکر خیر بی-بی-سی اوردو کی ویب سایٹس پر پایا جاتا ہے اسکا جایزہ ذیل میں پیش کرتے چلتے ہیں۔

**ایما سلیٹری اس ضمن میں تاریخ نگاری کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:**

''الیومناٹی نام کی ایک خفیہ اور حقیقی سوسائٹی کا قیام ۲۴۵ برس قبل ہوا تھا اور اسی نام کو ایک افسانوی تنظیم کے لیے بھی استعمال کیا گیا تھا، جس کا برسوں سے سازشی مفروضوں سے تعلق جوڑا اور سمجھا جاتا ہے۔

کئی لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خفیہ، مگر پراسرار عالمی تنظیم ہے جس کا مقصد دنیا پر قبضہ کرنا ہے اور یہ دنیا میں ہونے والے بڑے انقلاب اور نامی گرامی افراد کے قتل میں ملوث رہی ہے۔

لیکن الیومناٹی حقیقت میں کون تھے اور کیا وہ واقعی میں دنیا پر قابو پا چکے تھے؟ اس پراسرار سوسائٹی کے بارے میں ان ۱۲ سوالات کی مدد سے جانیے کہ اُن کا مقصد کیا تھا اور اِس تنظیم میں کون لوگ شامل تھے۔

کہنے کو تو الیومناٹی ایک خفیہ سوسائٹی تھی جس کا قیام باوریا (موجودہ جرمنی) میں ہوا تھا۔ سنہ ۱۷۷۶ سے سنہ ۱۷۶۵ تک چلنے والی اس سوسائٹی سے منسلک افراد خود کو 'پرفیکٹبلسٹس' کہتے تھے۔

اس سوسائٹی کے بانی قانون کے پروفیسر ایڈم ویشپٹ تھے۔ ان کا مدعا و مقصد یہ تھا کہ وہ قانونِ منطق اور فلاح و بہبود کی تعلیم کو پھیلائیں اور معاشرے سے توہم پرستی اور مذاہب کے اثرات کو کم کریں۔ ایڈم ویشپٹ کی خواہش تھی کہ وہ یورپی ممالک میں نظام حکومت کو تبدیل کریں اور ریاستی اُمور سے مذہب کو ختم کریں اور لوگوں کو 'روشنی کی نئی راہ' دکھائیں۔کہا جاتا ہے کہ الیومناٹی گروہ کی پہلی میٹنگ یکم مئی ۱۷۷۶ کو انگولسٹاڈٹ شہر کے قریب ایک جنگل میں ہوئی تھی، جس میں پانچ افراد نے شرکت کی تھی ۔ اور اس میٹنگ میں اس سوسائٹی کو چلانے کے امور طے کیے گئے تھے۔

بعد میں اس گروپ کے مقاصد میں کچھ تبدیلیاں در آئیں اور انھوں نے ریاستی امور پر اثر انداز ہونے کے لیے سیاسی فیصلوں پر اپنی توجہ مرکوز کرنا شروع کی اور مذہب اور شاہی اثر و رسوخ کو کم کرنے پر بھی زور دینا شروع کیا۔

کہا گیا ہے کہ اس سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے چند افراد نے فری میسن سوسائٹی میں شمولیت اختیار کر لی تاکہ وہ اپنے ممبران کی تعداد میں اضافہ کر سکیں۔

بعد میں 'برڈ آف منروا' نام کا ایک پرندہ اُن کی شناخت بن گیافری میسن ایک ایسی تنظیم ہے جو کہ صدیوں قبل اینٹیں بنانے کا کام کرنے والوں اور گرجا گھروں کی تعمیر کرنے والوں پر مشتمل تھی۔ کئی ممالک، بالخصوص امریکہ میں فری میسن کے بارے میں بہت خوف پایا جاتا ہے۔ سنہ ۱۸۲۸ میں تو امریکہ میں ایک سیاسی تحریک کا قیام عمل میں آیا تھا جس کا یک نکاتی مقصد تھا کہ وہ فری میسن کی مخالفت کریں گے۔

## فری میسنز اور الیومیناٹی کے سمبندھ اور درجات:

اصل الیومناٹی نے کیونکہ فری میسن تنظیم کے افراد کو اپنی تنظیم میں شامل کیا تھا لہذا بعد میں ان دونوں گروہوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جاتا ہے۔الیومناٹی میں کسی کو بھی شمولیت اختیار کرنے کے لیے تنظیم کے ممبران کی اجازت درکار ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ تنظیم میں شامل ہونے کے خواہشمند ممبران کے پاس نہ صرف مال و دولت ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا بلکہ معاشرے میں اچھی ساکھ ہونا بھی ضروری تھی۔

اس کے علاوہ سوسائٹی میں درجات کا نظام تھا جس کے تحت نئے ممبران کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ آگے بڑھتے جاتے تھے۔ البتہ بعد میں ان درجات میں اضافہ کر کے اس نظام کو مزید پیچیدہ کر دیا گیا تھا اور تنظیم کا مکمل ممبر بننے کے لیے ۱۳ مختلف شرائط کو پورا کرنا لازمی قرار دیا گیا تھایہ درست ہے کہ الیومناٹی رسومات ادا کرتے تھے لیکن وہ رسومات کیا تھیں ان میں سے زیادہ تر کے بارے میں علم نہیں ہے۔ اس سوسائٹی میں شامل افراد کے لیے فرضی ناموں کا استعمال کیا جاتا تھا تاکہ اُن کی شناخت خفیہ رہے۔

لیکن جن رسومات کے بارے میں ہمیں علم ہے اُن کے مطابق یہ پتہ چلتا ہے کہ سوسائٹی میں نئے شامل ہونے والے افراد اگلے درجے میں کیسے ترقی پاتے تھے۔ ان کو ان تمام کتابوں کی رپورٹ مرتب کرنی ہوتی تھی جو اُن کی ملکیت میں موجود تھیں، اپنی کمزوریوں کی فہرست لکھنی ہوتی تھی اور اپنے دشمنوں کے نام لکھنے ہوتے تھے۔ پھر اس کے بعد نئے ممبر کو کہا جاتا کہ وہ عہد کرے کہ وہ معاشرے کے بہتری کے لیے اپنے ذاتی مفادات کی قربانی دے گا۔'**آئی آف پرووویڈینس**' ایک ایسا علامتی نشان ہے جس میں ایک تکون کے اندر آنکھ بنی ہوئی ہوتی ہے اور یہ نشان دنیا بھر میں مختلف گرجا گھروں میں، فری میسن عمارتوں اور حتیٰ کہ امریکہ کے ایک ڈالر کے نوٹ پر بھی موجود ہے۔

اس نشان کو نہ صرف فری میسن بلکہ الیومناٹی کے ساتھ بھی جوڑا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ اس گروپ کی دنیا بھر میں نگرانی کرنے اور سب کو قابو میں رکھنے کا علامتی نشان ہے۔

بنیادی طور پر یہ نشان ایک مسیحی نشان ہے اور یہ فن پاروں میں خدا کی انسانیت پر نظر رکھنے کے مظہر کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔اس کے بعد اٹھارویں صدی میں اس نشان کو نئے طریقوں سے استعمال کرنا شروع کیا گیا۔ اس کی ایک مثال فرانسیسی اسمبلی میں منظور کی جانے والی انسانی حقوق کے ایک دستاویز ہے جہاں اس نشان کو استعمال کیا گیا تاکہ یہ دکھایا جا سکے کہ کس طرح سے ایک نئی قائم ہونے والی جمہوریت پر نظر رکھی جا رہی ہے۔

اس نشان اور الیومناٹی کے درمیان کسی قسم کا کوئی باضابطہ تعلق موجود نہیں ہے۔ ایسا ضرور ممکن ہے کہ اس نشان کو الیومناٹی سے ملانے کی وجہ یہ تھی کہ فری میسن گروپ کے لوگ اس نشان کو خدا کی علامات کے طور پر استعمال کرتے تھے اور الیومناٹی اور فری میسن میں مماثلت پائی جاتی تھی۔کئی لوگوں کو یہ یقین ہے کہ الیومناٹی دنیا بھر کے امور پر قابض ہے اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اتنی خفیہ سوسائٹی ہے کہ نہایت ہی کم تعداد میں لوگ ہیں جو اِس کی اصل حقیقت سے واقف ہیں۔

کیونکہ الیومناٹی کے کئی ممبران فری میسن گروپ میں شامل ہو گئے تھے اور فری میسن سے منسلک افراد نے الیومناٹی گروپ میں شمولیت اختیار کر لی تھی لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ الیومناٹی اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہے۔

تاہم تاریخ دانوں کی اکثریت کہتی ہے کہ الیومناٹی کے اصل گروپ کا اثر و رسوخ محدود رہا ہے۔الیومناٹی گروپ کے ممبران کی تعداد سنہ ۱۷۸۲ تک ۶۰۰ افراد کے قریب پہنچ گئی تھی۔ ان میں سے ایک جرمن سوسائٹی کے اشرافیہ میں شمار کیے جانے والے بیرون ایڈولف وون نگے تھے جو کہ ماضی میں فری میسن گروپ سے منسلک تھے اور انھوں نے الیومناٹی کی معاشرے میں وسعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔

شروع شروع میں صرف ایڈم ویشپٹ کے طلبا الیومناٹی کے رکن ہوا کرتے تھے تاہم بعد میں ڈاکٹرز، وکلا اور معاشرے کے ذہین و فطین افراد نے اس گروپ میں شمولیت اختیار کرنی شروع کردی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ سنہ ۱۷۸۴ تک الیومناٹی کے دو سے تین ہزار اراکین تھے۔ کچھ ذرائع کہتے ہیں کہ مشہور مصنف یوہان وولف گینگ وون گوئٹے بھی اس تنظیم کا حصہ تھے لیکن اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔

**<u>الیومناٹی تنظیم کا باضابطہ خاتمہ کب ہوا؟</u>**

باوریا کے حکمران کارل تھیوڈور نے سنہ ۱۷۸۴ میں معاشرے میں نئی سوسائٹیوں کے بلااجازت قیام پر پابندی عائد کر دی اور اس کے اگلے برس انھوں نے ایک اور حکم نامہ جاری کیا جس میں نا صرف الیومناٹی کو ہدف بنایا گیا تھا بلکہ اس پر پابندی بھی عائد کر دی گئی تھی ۔

اس زمانے میں الیومناٹی سے منسلک ہونے کے الزام میں جب ممبران کو حراست میں لیا جا رہا تھا تو کئی ایسی دستاویزات دستیاب ہوئیں جن میں دہریت اور خود کشی کے دفاع کے بارے میں تحاریر موجود تھیں اور ساتھ ایسی بھی دستاویزات تھیں جس میں اسقاط حمل کرنے کے طریقے درج کئے گئے تھے۔

ان دستاویزات سے اس شک کو مزید تقویت ملی کہ یہ گروپ ریاست اور مذہب دونوں کے لیے خطرہ ہے۔ اس کے بعد سے کہا جاتا ہے کہ الیومناٹیز منظر عام سے غائب ہو گئے جبکہ کئی ایک کا خیال ہے کہ انھوں نے اپنی تنظیم کی کارروائی خفیہ طور پر جاری رکھی ہوئی تھی۔ایڈم ویشپٹ یونیورسٹی آف انگولسٹاڈٹ سے منسلک تھے تاہم انھیں بعد میں نوکری سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد پھر انھیں باوریا سے بھی ملک بدر کر دیا گیا اور انھوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی گوتھا میں گزار دی جہاں سنہ ۱۸۳۰ میں اُن کی موت واقع ہوئی۔الیومناٹی کے ختم ہونے کے فوراً بعد ہی ان کے بارے میں مختلف نوعیت کی افواہیں گردش کرنے لگیں۔ سنہ ۱۷۹۷ میں فرانسیسی پادری ایبے آگسٹن بارئیول نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ الیومناٹی جیسی خفیہ سوسائٹیز نے انقلابِ فرانس میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اگلے برس امریکی صدر جارج واشنگٹن نے خط تحریر کیا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ انھیں یقین ہے کہ الیومناٹی سے پیدا ہونے والا خطرہ اب ختم ہو گیا ہے جس سے اس بات کو تقویت ملی کہ یہ سوسائٹی اس وقت بھی زندہ تھی۔

اس کے بعد کتابوں اور خطابات کے ذریعے اس گروپ کی مذمت کی جاتی رہی اور تیسرے امریکی صدر تھامس جیفرسن پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ الیومناٹی کے رُکن ہیں۔دنیا پر الیومناٹی کی حکمرانی کا مفروضہ لوگوں کے ذہنوں سے کبھی مکمل طور پر خارج نہیں ہوا اور آج بھی اس بارے میں بات کی جاتی ہے۔

سنہ ۱۹۶۳ میں **<u>پرسینیا ڈسکارڈیا</u>** کے نام سے ایک مقالہ تحریر کیا گیا جس میں ایک متبادل دین کو پیش کیا گیا جسے 'ڈسکارڈین ازم' کا نام دیا گیا۔ اس نظام کے منشور کے تحت جھوٹ اور دھوکہ دہی کی مدد سے انارکی اور شہری نافرمانی پھیلانے کے بارے میں بات کی گئی تھی ۔

ڈسکارڈین ازم کے ماننے والوں میں سے چند نے مختلف جریدوں میں جھوٹے خطوط بھیجے جس میں مختلف دعوے کیے گئے تھے جیسا کہ امریکی صدر جان ایف کینیڈی کی موت کے پیچھے الیومناٹی کا ہاتھ ہے۔

بعد میں ایک کتاب سامنے آئی جس کا نام '**دا الیومناٹس ٹرائلوجی**' تھا اور وہ نہ صرف بہت مقبول ہوئی بلکہ اس کی مدد سے کئی فلمیں بھی بنیں اور سازشی مفروضوں کو فروغ ملا۔ ان میں سے ایک کتاب (اور بعد میں بننے والی فلم) **اینجلز اینڈ ڈیمنز تھی**۔جو لوگ نیو ورلڈ آرڈر پر یقین رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اشرافیہ کا ایک گروہ دنیا پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ کئی سابق امریکی صدور اور کئی مشہور گلوکاروں کو بھی اسی فہرست میں گنا جاتا ہے۔[44]

## الیومیناٹی اور نظریہ سازشیت:

اس دنیائے رنگ و بو میں ہر طرف شکوک و شبہات کے بادل چھائے نظر آتے ہیں،ہر ایک سوچ و فکر ناقدوں کے یہاں ایک تنقیدی و تخریبی روپ میں نظر آتی ہے،مگر کئی صدیوں سے اقوام عالم و مذاہب عالم میں جو امور سب سے زیادہ شکوک و شبہات میں ڈوبےنظر آتے ہیں اور جن مباحث نے نیم عقیدے کی شکل و ہیت اختیار کرلی ہے،ان میں یہودیت،قادیانیت،فری میسنیت،ابلسیت،جادو ٹونا،برمودہ ٹرای اینگل،پیری فقیری،الیومناٹیت خاص الخاص مباحث ہیں جو بری طرح شکوک و شبہات کے گرداب میں ڈوبے نظر آتے ہیں ۔

**صوفیہ سمتھ گیلر سازشی نظریات اور ایلومیناٹی کے تعلق کے ضمن میں بی۔بی۔سی فیوچر میں فرماتی ہیں کہ:**

یہ کہانی ایک ایسے سازشی نظریے کی ہے جس کے سامنے باقی تمام تر سازشی نظریات کوئی کچھ بھی نہیں ہیں ۔ یہ سازشوں کا ایک ایسا دستر خوان ہے جس پر دنیا بھر کے تمام سازشی نظریات اکھٹے کر دیے گئے ہیں۔

اس سازشی نظریے کے مطابق 'اِلیومناٹی' دنیا کے تمام تر امور کو کنٹرول کرنے والے طاقتور ترین افراد کا وہ گروہ ہے جو خفیہ طریقے سے کام کر رہا ہے۔ اور اس گروہ کا مقصد دنیا میں ایک نیا نظام قائم کرنا ہے۔اس فرضی کہانی کا آغاز سنہ ۱۹۶۰ کے ایک دلچسپ خیال پر مبنی فِکشن سے ہوا تھا۔

[44] https://www.bbc.com/urdu/world-57480101

جب کئی لوگوں نے اس خفیہ سوسائٹی کی تاریخ کو جاننے کی کوشش کی تو وہ اپنے آپ کو جدید دور کے جرمنی میں پاتے ہیں جہاں **'آرڈر آف اِلیومناٹی'** کا قیام ہوا تھا۔

یہ سنہ ۱۷۷۶ میں بَویریا کی ریاست کے رہنے والے دانشوروں کی ایک خفیہ سوسائٹی تھی جس کا مقصد پوشیدہ طور پر مل جل کر عام لوگوں کی روز مرّہ زندگیوں پر مذہب اور اشرافیہ کے تسلط کے خلاف مزاحمت کرنا تھا۔ ان میں اس وقت کے کئی نامور ترقی پسند افراد بھی شامل تھے تاہم وقت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو قدامت پسند اور مسیحی ناقدین نے 'فری میسنز' نامی تنظیم کی طرح غیر قانونی قرار دلوا دیا اور اس طرح اس گروہ کا وجود ختم ہو گیا۔

**ہپی ثقافت،ڈسکارڈین ازم،اور سول نافرمانی:**

سنہ ۱۹۶۰ تک یہ معاملہ ایسا ہی تھا۔ براڈکاسٹر ڈیوِڈ برام ویل جنھوں نے اپنی پوری زندگی اس فرضی قصے کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں صرف کی تھی ، انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ ہم جس الیومناٹی کے بارے میں آج جانتے ہیں اس کا بویریا کی اُس خفیہ سوسائٹی سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے جس کے ساتھ اسے جوڑا جاتا ہے۔

حقیقت میں آج کے جدید دور میں اس فرضی قصے کی دوبارہ سے (بے بنیاد) مقبولیت کی وجہ آج کے زمانے کا کاؤنٹر کلچر، جس میں ایل ایس ڈی جیسی منشیات کے استعمال کرنے کا جنون اور مشرقی ممالک کے فلسفوں میں بڑھتی ہوئی دلچسپی شامل ہے، جیسے عوامل ہیں۔

اِس قصے کا اُس دور میں آغاز '**سمر آف لوو**' کہلانے والے ہِپّی اجتماع اور ہپی طرزِ حیات سے ہوا جب چھوٹی سی کتاب کہیں سے سامنے آئی جس کا لاطینی زبان میں عنوان تھا '**پرِنسیپیا ڈِسکارڈیا۔**'تھا۔

قصہ مختصر یہ کتاب ایک مزاحیہ عقیدے 'ڈِس کارڈین ازم' (نااتفاقیت) کی ایک مزاحیہ مقدس کتاب تھی۔ یہ چند منچلے انتشار پسند اور مفکروں کے دماغوں کی اختراع تھی تاکہ پڑھنے والے افراتفری کی دیوی 'ایرِس' کی پرستش کریں۔

**'نااتفاقیت'** ایک ایسی تحریک تھی جس کا مقصد سول نافرمانی کی حوصلہ افزائی، ٹھٹّے بازی، عملی مذاق، اور افواہیں پھیلانا تھا۔یہ کتاب 'ثقافتی ضد' کے تجسس سے زیادہ حیثیت کبھی حاصل نہیں کر سکی، مگر اس کے ایک عقیدے کو مصنف **رابرٹ اینٹون وِلسن** نے امر کر دیا۔ اس عقیدے کے مطابق اس نوعیت کی تخریب کار سرگرمیاں سماجی تبدیلیاں لا سکتی ہیں اور افراد کو سوالات اٹھانے پر مجبور کر سکتی ہیں۔

برام ویل کے مطابق ولسن اور 'پرنسیپیا ڈِسکارڈیا' کے ایک مصنف **کیری تھارن لی** نے طے کیا کہ چونکہ دنیا میں مطلق العنانیت، سختی اور کنٹرول میں بہت زیادہ اضافہ ہو رہا ہے اس لیے وہ معاشرے کو جھٹکا دینے کے لیے افراتفری پھیلائیں گے اور اس مقصد کے حصول کا طریقہ غلط اطلاعات

پھیلانا تھا۔ تمام ذرائع بشمول **'ثقافتی ضد'** اور میڈیا کے ذریعے غلط اطلاعات پھیلائی جائیں۔ اور انھوں نے سوچا کہ وہ ابتدائی طور یہ کام اِلیومناٹی کے متعلق کہانیاں بنا کر پیش کریں گے۔

اُس زمانے میں وِلسن مردوں کے ایک جنسی میگزین 'پلے بوائے' کے لیے کام کرتے تھے۔ انھوں نے اور اُن کے ساتھی تھارنلی نے اس خفیہ تنظیم اِلیومناٹی کے بارے میں قارئین کے ناموں سے جعلی خطوط لکھنے شروع کر دیے۔ پھر انھوں نے پہلے بھیجے ہوئے خطوط کی تردید کے لیے مزید خطوط بھیجنے شروع کر دیے۔

برام ویل کہتے ہیں کہ 'اس کے پیچھے یہ مقصد کارفرما تھا کہ اگر آپ ایک کہانی کے بارے میں بڑی تعداد میں متضاد معلومات پھیلانا شروع کر دیں تو لوگ اس کی جانب دیکھنا شروع کر دیں گے اور سوچیں گے کہ 'ایک منٹ، یہ معلومات مجھے جس انداز میں ملی ہیں کیا میں ان پر بھروسہ کر سکتا ہوں؟'

'یہ لوگوں کو افسانوی حقائق کی جانب متوجہ کرنے کا ایک مثالی طریقہ ہے اور یہ حقیقتیں ظاہر ہے کہ اس انداز میں وقوع پذیر نہیں ہوتی ہیں جس کی لوگوں کو اُمید ہوتی ہے۔'اِلیومناٹی کی فرضی داستان سے جڑی افراتفری دنیا کے ہر کونے تک پھیل گئی۔ وِلسن اور پلے بوائے کے ایک اور مصنف نے 'دی اِلیومناٹس! ٹرائیلوجی' لکھ ڈالی جس میں امریکی آنجہانی صدر جان ایف کینیڈی کے قتل جیسے واقعات پر پردہ ڈالنے کی ذمہ داری بھی اِلیومناٹی پر عائد کر دی گئی۔

یہ کتاب حیران کن حد تک اتنی کامیاب اور مقبولِ عام ہوئی کہ لیورپول میں اس پر ایک ڈرامہ بھی پیش کیا گیا جس کے ذریعے برطانیہ کے دو اداکاروں بِل نگی اور جِم براڈبینٹ کے کرئیر کا آغاز ہوا۔برطانوی الیکٹرانک بینڈ **'دی کے ایل ایف'** اپنے آپ کو 'قدیم قابلِ جواز مومو' بھی کہتے ہیں۔ یہ نام 'نااتفاقیت' کا عقیدہ رکھنے والوں کے اُس بینڈ سے لیا گیا ہے جو افراتفری کے عقیدے سے متاثر ہو کر وِلسن کی کتابوں میں اِلیومناٹی میں شامل ہو جاتے ہیں۔

پھر اِلیومناٹی کے کرداروں پر مبنی ایک تاش کا کھیل سنہ ۱۹۷۵ میں ظاہر ہوتا ہے جو اس پوری نسل کے ذہن پر پراسرار خفیہ سوسائٹی کی دنیا کے نقوش بِٹھا دیتا ہے۔آج یہ دنیا کے سب سے زیادہ مانے جانے والے سازشی نظریات میں سے ایک ہے۔ یہاں تک کہ بڑی بڑی سیلیبریٹیز مثلاً جے زی اور بیونسے نے بھی اس گروپ کی علامات کو اپنایا ہا ہے اور اپنے کنسرٹس کے دوران اپنے ہاتھ اِلیومناٹی کی تکون بنانے کے انداز میں بلند کیے ہوئے تھے ۔ یہ شاید انتہائی عجیب قسم کا اشتعال انگیز جذباتی لمحہ ہوتا ہے جب یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ جعلی ہے، جو کہ نااتفاقیت کے عقیدے کے حامیوں کا اصل مقصد تھا۔

سنہ ساٹھ کی دہائی کے زمانے کی محدود اور مختصر طباعتی ثقافت آج کے عالمگیریت کے دور میں شاید بہت ہی قدیم زمانے کی بات لگتی ہے، اور یہ بات بلاتردید کہی جا سکتی ہے کہ آج کے دور میں اِلیومناٹی کی افواہوں کی تھیوری کو جو شہرت ملی ہے اس کی وجہ انٹرنیٹ پر مختلف پلیٹ فارمز مثلاً فور چین اور ریڈاٹ پر اس کے بارے میں معلومات شیئر کرنا ہے۔

لیکن ہم ایک ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جو کہ سازشی نظریات سے بھری ہوئی ہے اور، اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ اس دور میں سازشی نظریات کے ماننے والے بھی بہت ہیں۔ سنہ ۲۰۱۵ میں سیاسی علوم کے ماہرین نے دریافت کیا کہ امریکہ کی نصف آبادی کم از کم ایک نہ ایک سازشی نظریے کی ضرور تائید کرتی ہے۔ان میں اِلیومناٹی سے لے کر اوبامہ کی جائے پیدائش اور گیارہ ستمبر کے حملوں کے بارے میں یہ خیال ظاہر کرنا کہ یہ تمام کام اندر کے خفیہ لوگوں کا کام تھے یا اس طرح کے دیگر سازشی نظریات شامل ہیں۔

## سازشی نظریات کی حرکیات:

اینگلیا رسکن یونیورسٹی کے ماہرِ سماجی نفسیات **پروفیسر ویرن سوامی** کہتے ہیں کہ 'سازشی نظریات کو ماننے والوں کا کوئی مخصوص شخصی خاکہ نہیں ہوتا ہے۔ اس بارے میں کئی آرا ہیں کہ لوگ سازشی نظریات کو کیوں مانتے ہیں، اور ضروری نہیں یہ ایک دوسرے کی نفی کرتی ہوں۔ اس لیے اس کی سادہ ترین وضاحت یہ ہے کہ جو لوگ ان سازشی نظریات کو درست تسلیم کرتے ہیں وہ ایک لحاظ سے کسی نہ کسی ذہنی بیماری کے شکار ہوتے ہیں۔'اس موضوع کے دیگر ماہرین ان سازشی نظریات کے بارے میں ایک اور نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ یہ کہ یہ نظریات ان معاملات کے بارے میں ایک علمی وضاحت دے سکتے ہیں جو ہمارے لیے سمجھنا مشکل ہوتی ہیں یا جن سے ہماری عزتِ نفس مجروح ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

سوامی کہتے ہیں کہ 'یہ (سازشی نظریات) ہمیں ایک سادہ سی وضاحت مہیا کر دیتے ہیں۔' سوامی نے سنہ ۲۰۱۶ میں ایک تحقیق کی تھی جس سے معلوم ہوا تھا کہ جو لوگ سازشی نظریات پر یقین کرتے ہیں وہ سازشی نظریات پر یقین نہ رکھنے والوں کی نسبت زیادہ ذہنی تناؤ سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ دیگر ماہرینِ علوم نفسیات نے بھی گذشتہ برس یہ دریافت کیا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے سازشی نظریات پر یقین کرنے کا امکان کم ہوتا ہے۔یہ صورتِ حال جدید امریکہ کی ایک تاریک منظر کشی کرتی ہے، خاص کر سوامی کے نزدیک جنھوں نے اس حوالے سے ایک تبدیلی دیکھی ہے کہ اب سازشی نظریات کے مواد کو کون فروغ دیتا ہے۔

'خاص طور پر جنوبی ایشیا میں سازشی نظریات تو اب حکومتوں کے ہاتھ میں اپنے عوام کو کنٹرول کرنے کے آلۂ کار ہیں۔ مغرب میں یہ اس کے بالکل برعکس ہے، یہ ان لوگوں کا موضوع بنتے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے، جن کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے، اور ان کے اپنے آپ کو بے اختیار سمجھنے کی وہ سوچ ہوتی ہے جن کی وجہ سے وہ یہ سازشی نظریات قبول کرتے ہیں جن کی بدولت وہ حکومت کو چیلنج کرتے ہیں۔ جیسا کہ گیارہ ستمبر کے واقعے کے بارے میں سازشی نظریہ ہے۔ اگر لوگ بے اختیار محسوس کرتے ہیں تو سازشی نظریات انصاف کی خاطر احتجاجی تحریک کی داغ بیل ڈال سکتے ہیں اور لوگوں کو سوالات اٹھانے کا جواز فراہم کرتے ہیں۔'

'اب جو بڑی تبدیلی آئی ہے وہ یہ کہ سیاست دان، خاص طور پر ڈونلڈ ٹرمپ نے عوامی حمایت حاصل کرنے کے لیے سازشی نظریات کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔'امریکہ کے پینتالیس ویں صدر نے سابق صدر بارک اوبامہ کی جائے پیدائش کے بارے میں بار بار الزامات دہرائے کہ وہ اصل میں امریکی ریاست ہوائی میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے سنہ ۲۰۱۶ کے انتخابات کے بعد کئی امریکی ریاستوں پر ووٹنگ میں دھاندلی کے الزامات بھی عائد کیے تھے، اور ان کی انتخابی ٹیم پیزا گیٹ، باؤلنگ گرین قتلِ عام وغیرہ سمیت کئی پروپیگنڈا کہانیوں کی خالق بھی تھی، جو اب جعلی ثابت ہو چکی ہیں۔

میں نے ویرین سوامی سے سوال کیا کہ اُن کی رائے میں کیا ان سازشی نظریات کا استعمال طویل مدت میں طرزِ سیاست کو متاثر کرے گا؟ سوامی نے جواب دیا کہ 'اگر لوگ سازشی نظریات پر یقین کریں گے تو وہ مرکزی دھارے کی سیاست میں دلچسپی لینا چھوڑ دیں گے۔ وہ نسل پرستی، غیر ملکیوں سے ٹرمپ نے کہا کہ ان 'نفرت اور انتہا پسندی جیسے خیالات میں زیادہ دلچسپی لینا شروع کر سکتے ہیں۔ کی خواہش ہے کہ وہ اس طرح کے لوگوں کی نمائندگی کریں، خاص کر ان علاقے کے لوگوں کی جو کبھی امریکی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے تھے، یہ ریاستیں 'رسٹ بیلٹ' کہلاتی ہیں جن کی صنعتیں زوال کی شکار ہیں۔

تاہم بجائے اس کے کہ امریکی عوام یہ سمجھتے کہ وہ اپنے جیسے ایک غیرسیاستدان نمائندے کی وجہ سے ایوان ہائے اقتدار میں بہتر اور مؤثر نمائندگی رکھتے ہیں، اور نظریاتی طور وہ اپنے آپ کو کم بےاختیار محسوس کرتے اور سازشی نظریات کے کم شکار بنتے، مگر اب حقیقت میں نظر یہ آ رہا ہے کہ پہلے کی نسبت زیادہ امریکیوں کے الیومناٹی جیسی کہانیوں کو ماننے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔

ڈیوڈ برام ویل کہتے ہیں کہ 'اگر وِلسن آج زندہ ہوتے تو وہ کچھ تو خوش ہوتے اور کچھ صدمے میں ہوتے۔ سنہ ساٹھ کی دہائی میں انھوں نے سوچا تھا کہ یہ ثقافت بہت زیادہ گھٹن پیدا کر رہی ہے۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ ہر شے بہت ڈھیلی ہے۔ ہر شے بکھر رہی ہے۔'

'اگر لوگ جعلی خبروں اور پراپیگنڈا کے خلاف جنگ کریں تو شاید نسبتاً زیادہ استحکام آ سکے۔ ہم اب یہ محسوس کرنے لگ گئے ہیں کہ سوشل میڈیا کس طرح ایسی کہانیاں پیش کر رہا ہے جو ہم سننا چاہتے ہیں۔'انٹرنیٹ فورمز پر بحثوں، عوام میں تائید اور انسانی تخیل کی کھلی آزادی کے باوجود ہو سکتا ہے کہ آج سچ کے متلاشی اور حقائق کی جانچ پڑتال کرنے والے الیومناٹی جیسی فرضی داستانوں کو ہمیشہ کے لیے رد کر دیں۔ایک ناقابلِ احتساب اور خفیہ اشرافیہ کا تصور اُن لوگوں کے ذہنوں پر ضرور حاوی ہو سکتا ہے جو خود کو کمزور اور پسماندہ تصور کرتے ہیں۔[45]

[45] https://www.bbc.com/urdu/vert-fut-53401780

# نایٹس ٹیمپلرز کی داستان زیست

ہم پڑھتے ہیں کہ جس طرح فری میسنز کے ساتھ سازشی دجالی نظریات،پاتال،مسیح ،ایلومیناٹی اور ڈنرز کلب کا نام وابستہ ہے عین اسی طرح عیسائی پیرائے میں اسکے ساتھ ٹیمپلرز کا نام بھی منسلک کیا جاتا ہے چناچہ اس ضمن میں :

**ایڈیسن نیوجنٹ بی-بی-سی پیرس کے لئے اپنے تحریر کردہ ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:**

معروف فلم '**انڈیانا جونز**' سے لے کر ' آج تک، ہمارے جدید تخیل میں نائٹس ٹیمپلر کے افسانوی کردار چھائے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ان کرداروں کے پس پشت کئی صدیوں پر محیط ایک ایسی داستان ملتی ہے جو ایک سے زیادہ براعظموں پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے-یہ کہانی فرانس کے دارالحکومت پیرس پر اختتام پذیر ہوئی جہاں نائٹس ٹیمپلر کے آخری برسوں کی نشانیاں مل سکتی ہیں- لیکن یہ نشانیاں صرف انھیں نظر آتی ہیں جو انھیں ڈھونڈنے نکلتے ہیں-

نائٹس ٹیمپلر کی کہانی ۱۰۶۶ میں پہلی صلیبی جنگ کے دوران شروع ہوتی ہے جب یورپ سے تعلق رکھنے والے مسیحی فرقے رومن کیتھولک کی افواج نے مسلمانوں سے یروشلم چھین لیا تھا- نتیجے میں یورپ کے زائِرین بڑی تعداد میں اس 'مقدس زمین' میں بس گئے تھے -لیکن کئی لوگوں کو مسلمانوں کے قبضے والے علاقوں سے گزرتے ہوئے لوٹ مار یا قتل کا نشانہ بنایا جاتا تھا-ان حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سنہ ۱۱۱۸ کے آس پاس فرانسیسی کمانڈر ہیوز ڈے پیانز نے اپنے علاوہ آٹھ فوجیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ تشکیل دیا جس کا نام پوور نائٹس آف کرائسٹ آف دی ٹیمپل آف سولومن رکھا گیا- یہ گروہ بعد میں نائٹس ٹیمپلر کہلایا-

نائٹس ٹیمپلر اعلیٰ سطحی کمانڈرز یا نائٹس تھے جن کا ہیڈکوارٹرز یروشلم کے مقدس ماؤنٹ ٹیمپل پر بنایا گیا تھا- ان کا بنیادی مقصد شہر میں مسیحی زائِرین کی حفاظت کرنا تھا-اگر افسانوی کہانیوں کو مانا جائے تو یہ نائٹس ٹیمپلر کے ہی کچھ اراکین تھے جنھوں نے چودہویں صدی کے دوران فرانس سے بھاگ کر برطانیہ میں فری میسن نامی تنظیم شروع کی تھی -سنہ ۱۱۳۹ میں پوپ انوسنٹ دوئم نے ایک حکم جاری کیا جس کے تحت نائٹس ٹیمپلر کی طاقت وسیع ہوگئی اور اس کے فوجی یروشلم کے پار بھی متحرک ہوگئے تھے - انھیں کچھ غیر معمولی چھوٹ بھی دی گئی تھی جس میں ان پر دنیا بھر میں ٹیکس یا مذہبی فرائض میں دیے جانے والا چندہ جمع کرانا اب فرض نہیں رہا تھا-

اس کی تاریخ کا ہر سپریم لیڈر یا گرینڈ ماسٹر فرانسیسی نسل سے تعلق رکھتا تھا جس کی بدولت یورپ میں فرانس کو نائٹس ٹیمپلر کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔کتاب **نائٹس ٹیمپلر فار ڈمّیز** کے مصنف اور نائٹس ٹیمپلر سے متعلق پیرس میں تفریحی سفر کے میزبان **ٹیری ڈو ایسپیراٹو** نے بتایا کہ 'پیرس نے ان (نائٹس ٹیمپلر) کی یادیں مختلف جگہوں کے نام رکھ کر محفوظ کر لی ہیں، جیسے سکویر ڈو ٹیمپل، بلیورڈ ڈو ٹیمپل، رو ڈو ٹیمپل، رو وییے ڈو ٹیمپل، رو ڈے فونٹین ڈو ٹیمپل، کیرو ڈو ٹیمپل، وغیرہ۔'

ان کی مرکزی جگہ تو بہت پہلے سے وقت کے ہاتھوں اپنی اصل حالت کھو چکی ہے۔ لیکن آپ آج بھی اس جگہ کا دورہ کر سکتے ہیں جو رو ڈے لوبو پر موجود تھی۔ یہ ہوٹل ڈی وِلے کے عقب میں واقعے ہے۔ماضی میں اس حویلی کے اردگرد میلوں تک بنجر زمین اور دلدل پائی جاتی تھی۔ اس علاقے کو رہنے کے قابل بنانے کے لیے نائٹس ٹیمپلر کے جنگجوؤں نے دلدل کو خشک کرنا شروع کر دیا تھا ۔ معلوم پڑتا ہے کہ انھوں نے یہ عمل ۱۲۴۰ تک کامیابی سے مکمل کر لیا تھا ۔ حالانکہ اب یہاں کوئی دلدل موجود نہیں ہے پھر بھی یہ جگہ 'لے ماریز' یا 'دی مارش' کہلاتی ہے۔

سکویر ڈو ٹیمپل کا پارک نائٹس ٹیمپلر کے یورپ کے تباہ حال مرکزی دفتر کے اوپر بنا ہوا ہے۔ اس مرکزی دفتر کا نام انکوز ڈو ٹیمپل تھا۔یہ وہ جگہ ہے جہاں جنگجو اپنے خزانے کا بڑا حصہ رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ فرانس میں ایک مضبوط ریاستی طاقت یا 'ریاست کے اندر ریاست' بن کر ابھرے جو فرانس کے بادشاہوں کے سامنے خود مختار تھے۔حاکمیت کا یہ نظام کچھ عرصے تک اسی طرح چلتا رہا لیکن ۱۳۰۳ میں جب مسلمانوں کی افواج دوبارہ یروشلم پر قابض ہوگیئں تو سب کچھ بدل گیا۔ چناچہ نائٹس ٹیمپلر کو زبردستی یروشلم کے ٹیمپل ماؤنٹ کی جگہ فرانس کے انکوز ڈو ٹیمپل نامی یورپی دفتر کو اپنا مرکز بنانا پڑا۔

اس وقت کے فرانسیسی بادشاہ فلپ دی فیئر[46] نائٹس ٹیمپلر کی ریاستی طاقت سے خوش نہیں تھے جس کی وجہ سے انھوں نے فیصلہ کیا کہ ہر صورت اس نظام تبدیل کرنا ہو گا۔بادشاہ فلپ کے اس فیصلہ کی بازگشت آج بھیسنائی دیتی ہے۔ اکثر سکالر سمجھتے ہیں کہ انھوں نے یہ فیصلہ مالی بنیادوں پر کیا۔

نائٹس ٹیمپلر کی تاریخ پر لکھی ایک کتاب کی مصنفہ اور کیمبرج یونیورسٹی سے منسلک تاریخ دان ڈاکٹر ہیلن نکولسن کہتی ہیں کہ 'فلپ چاہتے تھے کہ وہ پیرس میں ٹیمپلرز کے خزانے سے وصول کردہ چاندی کا سکہ استعمال کریں تاکہ فرانس کے سکوں کا گرتا ہوا معیار بہتر بنایا جا سکے۔'

سچ تو یہ ہے کہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے فلپ پر لازم نہیں تھا کہ وہ کسی قسم کی کوئی وضاحت دیں۔ ۱۳۔ اکتوبر۔ ۱۳۰۷ کو انھوں نے نائٹس ٹیمپلر کے گرینڈ ماسٹر جاک ڈی مولے سمیت جنگجوؤں کی بڑی تعداد پر شیطان کو پوجنے، بت پرستی، اور ہم جنس پرستی جیسے الزامات لگا کر گرفتار کروا لیا۔اس میں ستم ظریفی یہ ہوئی کہ آج بھی ماریز کو جنسی حقوق یا ایل جی بی ٹی برادری کے ضلعہ کے طور پر جانا جاتا ہے۔ایک زمانے میں سکویر ڈو ٹیمپل کے چھوٹے سے ساحل پر، جہاں آج لوگ دھوپ سیکتے لطف اندوز ہوتے ہیں، ایک اونچی سی دیوار ہوا کرتی تھی جس کے اندر جنگجوؤں کا بسیرا ہوا کرتا تھا۔

---

[46] ۱۲٦۸ تا ۱۳۱۴۔

انکلوز ڈو ٹیمپل کی تمام عمارتیں آج وجود نہیں رکھتی ہیں۔ سنہ ۱۸۵۳ میں ان میں سے کئی عمارتیں نپولین سوئم نے تباہ کر دیں تھیں جب وہ پیرس کو ایک نئی شکل دینے کے لیے بیرن ہوسمین کے منصوبے پر عمل کر رہے تھے

لیکن اگر آپ چاہیں تو اب بھی علاقے بھر میں نائٹس ٹیمپلر کے جنگجوؤں کی نشانیاں دیکھ سکتے ہیں،

روڈو ٹیمپل میں نمبر ۱۵۸ وہ جگہ ہے جہاں انکلوز کا شاہی داخلی راستہ ہوا کرتا تھا۔ افواہوں کے مطابق ۳۲ رو ڈے پکارڈے کے تہ خانے میں اب بھی ان کے مینار کے باقیات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اب یہاں لے شویٹ نامی ایک سجیلا ریستوران اور بار ہے۔ٹیمپلرز میں دلچسپی لینے والے لوگ پیرس کے قریب شاٹو دی ونسین کا دورہ کر سکتے ہیں۔ یہاں انکلوز ڈو ٹیمپل میں گروس ٹاور یعنی عظیم منزل نامی عمارت کے بڑے دروازے رکھے گئے ہیں۔

**نایٹس آف سینٹ جان اور نایٹس ہوسپیٹلر:**

سکویر ڈو ٹیمپل کی سرحد پر کارو ڈو ٹیمپل نامی ایک بازار ہے۔ سنہ ۲۰۰۷ میں جب اس عمارت کی بحالی کا کام جاری تھا تب یہاں ٹیمپلر کے قبرستان کے باقیات بھی ملے تھے۔ بلکہ اس قبرستان میں جنگجوؤں کی ہڈیوں کے ڈھانچے بھی برآمد ہوئے تھے جن کی موت فرانس میں ہوئی تھی۔رو ڈو ٹیمپل کے قریب ایک گرجا گھر میں دو بڑے جھنڈے دیکھے جا سکتے ہیں جن پر سفید رنگ کے کراس بنے ہیں۔ یہ نائٹس ٹیمپلر کی علامت کی یاد دہانی کراتے ہیں۔ لیکن نائٹس ٹیمپلر کی علامت اس سے کچھ مختلف یعنی سفید رنگ پر لال کراس ہوا کرتی تھی۔چرچ کے پادری کے مطابق اس کا نام اگلیسا سینٹ الیزیبتھ ڈے ہنگری ہے اور اس پر موجود بینرز آرڈر آف مالٹا کی نشاندہی کرتے ہیں۔ آرڈر آف مالٹا ایک ایسا حکم نامہ تھا جس کے تحت نائٹس آف سینٹ جان یا نائٹس ہوسپٹیلر وجود میں آئے۔ جنگجوؤں کا یہ گروہ نائٹس ٹیمپلر کا حریف تھا۔

پادری کے بند کمرے میں اس عمارت کا چھوٹا مجسمہ موجود ہے۔ ان کے مطابق کچھ عرصے تک نائٹس ٹیمپلر اور نائٹس ہوسپیٹلر ایک دوسرے کے حریف رہے تھے۔ نائٹس ہوسپیٹلر کو نائٹس ٹیمپلر کے اختیارات پر کافہ اعتراض تھا۔ ٹیمپلرز کے نظام کے اختتام کے بعد ان کے کئی جنگجوؤں کو ایک انضمام کے تحت ہوسپیٹلر کا جنگجو بنا دیا گیا تھا۔پوپ کلیمنٹ پنجم نے نائٹس ٹیمپلر کے زوال اور جنگجوؤں کی گرفتاریوں کے بعد نائٹس ہوسپیٹلر کو انکوز ڈو ٹیمپل کے اختیارات دے دیے تھے۔

چرچ میں اس مرکز کی عمارت کی کئی تصاویر بھی پائی جاتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے آپ ماضی کے ایک بالکل مختلف پیرس کو دیکھ رہے ہوں۔چرچ کے قریب آپ ایک ایسی عمارت دیکھ سکتے ہیں جہاں تاریخ دان ڈو ایسپیراٹو کے مطابق ٹیمپلرز کے کئی جنگجوؤں کو قید میں رکھا گیا تھا۔ اس عمارت کا نام موزے ڈے آرٹس اے مٹیرز ہے۔ یہ ایک سائنس اور انجینیرینگ کا میوزیم ہے لیکن

پہلے یہاں سینٹ مارٹن ڈے چیمپز پرایوری کی عمارت ہوا کرتی تھی۔ نائٹس ٹیمپلر کی کہانی سکویر ڈو ویر گلانٹ پر اختتام پذیر ہوئی جو مریز میں دریائے سین کے پاس ایک ہری بھری چوٹی پر واقع ہے۔

سکویر ڈو ٹیمپل کی طرح سکویر ڈو ویر گلانٹ ایک پر سکون جگہ ہے جہاں پیرس کے رہائشی اور سیاح سیر و تفریح کے لیے آتے ہیں۔ یہ جگہ شاید ایسی لگے جیسے فرانسیسی پینٹر رینوار کی کسی تصویر کا منظر ہو۔لیکن ۱۸۔ مارچ ۱۳۱۴ کو یہ کسی ڈراؤنی فلم کا سین بنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس دن ٹیمپلرز کے گرینڈ ماسٹر جاک ڈی مولے کو سات سال قید کے بعد زندہ جلا دیا گیا تھا۔

پارک کے داخلی دروازے پر لکھا ہے کہ: 'یہ وہ جگہ ہے جہاں ٹیمپلرز کے آخری گرینڈ ماسٹر جاک ڈی مولے کو جلایا گیا تھا۔'

کہا جاتا ہے کہ مرتے وقت جاک ڈی مولے نے پوپ کلیمنٹ پنجم، بادشاہ فلپ اور ان کے آنے والی نسلوں کو بد دعا دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اگلے ایک سال میں دونوں مر جائیں گے اور بادشاہ فلپ کی نسل فرانس پر حکمرانی نہیں کر پائے گی۔اور ہوا بھی کچھ اسی طرح۔ پوپ کلیمنٹ اور بادشاہ فلپ دونوں اسی سال وفات پا گئے اور اگلے ۱۴ برسوں کے دوران بادشاہ فلپ کی نسل کے تمام وارث چل بسے۔ اس سے وہ نسل جس نے تین صدیوں تک فرانس پر حکمرانی کی نقطع نسل ہوکر برباد ہوگئی۔

ہم شاید یہ کبھی معلوم نہ کر سکیں کہ آیا جاک ڈی مولے نے واقعے بادشاہ اور پوپ کو بد دعا دی تھی یا نہیں۔ سچائی جو بھی ہو اب ماریز کی خوبصورت گلیوں تلے پیرس کے دیگر بے شمار راز سمیت دب چکی ہے۔

# یہودیت،سریئت،تصوف وقبالہ

## تصوف کی جوہریت پر ایک نقد:

تصوف انسان کی رب تک پہنچنے کی ایسی کوشش و جستجو کا نام ہے جس میں نفس پر ایسے طریقوں سے قابو رکھنے کی سعی کی جاتی ہے جس میں فرد مذہب و شریعت کے اصل نقلی ماخذات سے پیچھا چھڑا کر کسی قرار کردہ روحانی شخصیت کے بتائے گئے طریقہ سے رہنمائی پاکر رب،ایشور،گاڈ،اہورمزدا یا آسمان نما الوہی فطری خدا تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

درحقیقت دینی اصولیت کے تناظر میں تصوف دین سے من چاہی روحانی قربت مگر حقیقت میں باطنی دوری کا نام ہے جس میں خدا تک رسائی کے لئے خود کو اذیتوں اور عبادتوں تک پہنچانے کی سبیل ڈھونڈی جاتی ہے۔دینی اصول و فروع کی کھلے عام دھجیاں روحانیت کے نام پر اڑائی جاتی ہیں،مرکزی باختیار ،مطلق،شرکت سے پاک خدا یا گاڈ کی خدائی میں اسی کی زندہ اور مردہ مخلوقات شرکت کی اہل قرار پانے لگتی ہیں جسے اثر و نفوذ کے سبب دینی علما بھی درون خانہ تسلیم کرنے لگتے ہیں ،اور خود کو ان روحانی مناصب پر فایض کرکے ارضی خدا بننے کی جنگ میں شریک ہونے لگتے ہیں ۔

دین مذاہب عالم کے مقابل جس سادگی،واحدانیت اور یکتانیت کے دعوے کو لے کر اٹھتے ہیں،انبیا کرام جو پیغام لے کر آتے ہیں ان کی اموات بعد ان کے معتقدین ان جوہری منفرد اصولوں کی دھجیاں خدا کے برگزیدہ خود ساختہ و قرار کردہ شخصیات کی محبت میں اڑانے لگتے ہیں،یہ قرار کردہ روحانی شخصیات دینی فکر و نظر کی ایسی سرئی خفیہ یا باطنی تشریح و توضیح پیش کرتے ہیں جو اصولی موقف کے خلاف واقع ہوتی ہیں،اور ان کا دعوی ہوتا ہے کہ عبادت ریاضتوں،نفس کشی سے وہ اس درجہ پر فایض ہوجاتے ہیں کہ مہاتما سے پرماتما تک جاپہنچتے ہیں پھر دیوتا یا ولی اعظم کے مراتب تک جا پہنچتے ہیں،مسلم صوفیوں نے تو اس ضمن مین ہندو،یونانی،رومی دیوتاوں کی تخصیص کاریئت کی نقالی میں کاینات چلانے والے عارفوں،ابدالوں،سالکوں،نجیب،قطب اور غوث کی کایناتی نوکر شاہی تک تخلیق کرلی ہے،جس میں گریڈ ایک سے بایس تک کے سرکاری عہدوں کی مانند درجہ بندی قایم کردی گئی ہے۔

**یہودی قبالہ ،تصوف اور الیومیناٹیز کا فکری اتحاد:**

انکی ایک فکری کج روی اس ضمن میں یہ بھی فکری طور پر رہی ہے کہ یہ اپنے دینی دایرہ کار میں رہنے کے دعوے کے ساتھ ساتھ تمام ادیان کو بھی ساتھ ساتھ حق جانتے ہیں اور انکا اصرار ہوتا ہے کہ اختلافِ دین اصل میں جوہری طور پر منزل تک پہنچنے والے راستوں کے سبب وقوع پذیر ہوتا ہے،ورنا مدعا و مقصد تمام ادیان کا ایک ہی ہوتا ہے۔ساتھ ساتھ یہ لوگ معلوم نقطہ نظر کی رو سے انسانیت کو سب سے بڑا دین مانتے ہیں۔کہنے کو یہ عام لوگوں کو اچھی باتیں لگتی ہیں مگر فری میسنز،الیومنیاٹی نما ادارے یہودی قبالہ دعوے داروں کے دعووں کی رو سے ایک درون خانہ باطنی تحریک کا نام ہے جو علم سے عمل تک اخفا کو مد نظر رکھتی ہیں ،جدید دور کے کئی محققین مانتے ہیں کہ فری میسنز ،ایلومیناٹیز وغیرہ اصل میں قدیم یہودی تصوف قبالہ کے انڈے بچے اور فیض یافتہ ادارہ جات و افراد ہیں۔

ہمارے ہاں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو قبالہ کی اقسام اور اس کی اثر انگیزی کے بارے میں صحیح علم رکھتے ہیں۔میری کوشش ہے کہ بہت مختصر اور عام فہم الفاظ میں قبالہ / کبالہ کے بارے میں معلومات فراہم کروں تاکہ ہم علوم کی صحیح جہات سے واقف ہوسکیں۔

قبالہ کی بہت آسان اور عام فہم تعریف یہ ہے کہ قبالہ روحانی،با طنی،سفلی و شیطانی علوم کو سیکھنے کا ایک طریق ہے جس پر عمل پیرا ہو کر بہت سی روحانی طاقتیں حاصل کی جا سکتیں ہیں اور جن کے ذریعہ حواس خمسہ کے دائرہ کار سے باہرجو حقائق موجود ہوتے ہیں ان تک رسائی ممکن بنائی جاتی ہے۔

قبالا جادو چالیس سال کا بالغ الفکر ہونے کے بعد سیکھا جا سکتا ہے یعنی قبالہ بعنی جادو سیکھنے کے لیے کسی کو چالیس سال کی عمر کا ہونا شرط مانا جاتا ہے۔ آج بہت سوں کی نگاہ میں قبالا نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے یہ جس شکل میں تھی اس قبالا کو نئی شکل **الیسٹر کرالی** نے دی ہے اس کو ہر ایلیومناٹی ممبر سیکھتا ہے۔ باقی ایلیومناٹی کے غلام جیسے جیو نیوز جنگ اور ڈان[48]، کتاب[47] بعض مشہور صحافی غلاموں پہ فرض نہیں ہے ۔ایک سازشی گپ یہ بھی پائی جاتی ہے کہ قبالہ کا آغاز بابل میں نمرود کے دور میں ہاروت مروت کے ذریعہ ہوا تھا۔

49

[47] the book of law-

[48] یہ امور تحقیق کے محتاج ہیں۔معج

[49] Babylon-

## قبالہ کی اقسام و تقسیم بندی:

مذہبی نقطہ نظر سے قبالہ کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فارسی زبان سے اردو میں داخل ہوا۔ عربی میں اس کا تلفظ قَبالۃُ ہے یہ ممکن ہے کہ عربی کے اثر سے فارسی میں بھی استعمال ہوتا ہو اور وہاں سے اردو میں داخل ہوا ہو۔ ۱۷۹۵ء کو قائم کے دیوان میں مستعمل ملتا ہے۔-[50]

"آن لاین اوردو لغت کی رو سے "یہودیوں میں ایک قسم کا فلسفہ رائج تھا جس کو فلسفہ قبالہ کہتے ہیں۔[51]

۱۔ یہ کے[53] ساتھ لکھا جاتا ہے تو اس سے ۔قبالہ[52] کو جب انگریزی میں کے سے ظاہر کیا جاتا ہے تو یہودی مذہب میں مراد مخفی،باطنی علوم لئے جاتے ہیں اور ان کا حصول مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے -

۲۔یہ جب انگریزی سی[55] کے ساتھ لکھا جاتا ہے تو اس سے مراد عیسائی مذہب میں کے طور قبالہ[54] یعنی مخفی و باطنی علوم ہوتے ہیں۔قبالہ کی یہ قسم یہودی قبالہ کی جدید قسم کہی جاسکتی ہے جس میں تالمود کے ساتھ ساتھ انجیل میں موجود روحانی علوم کی مختلف جہات پر غوروفکر کرنا یا ان پر عمل کرنا شامل ہے،چناچہ یہاں عیسایت ان یہودی اسرار پر غور و فکر سے کام لیتی ہے جو اسے یہودیت کے ساتھ مشترک ورثہ سے منتقل ہوئے ہوتے ہیں -

۳۔ اسے انگریزی میں کیو[57] سے لکھا جاتا ہے تو اس سے مراد تمام سفلی اور شیطانی علوم قبالہ[56] بسلسلہ قبالہ زیر غور و عمل رہتے ہیں۔قبالہ کی یہ قسم فری میسنز اور الو میناٹی کے ہاں باقاعدہ نصاب اضداد کی فکر کی شکل میں موجود ملتی ہے اور اس کو سکھانے کے مختلف طریقہ کار ملتے ہیں اس ۔قبالہ کی بنیاد نظریہ ثنویت پر استوار ملتی ہے یعنی روشنی اور اندھیرا،اچھائی اور برائی سے وغیرہ۔

---

[50] http://urdulughat.info/words/12708-%D9%82%D8%A8%D8%A7%D9%84%DB%81

[51] ایضاً :بحوالہ: حکمائے اسلام،۱۹۵٦:۲۔۱۵۷۔

[52] Kabbalah-

[53] K.

[54] Cabalah-

[55] C.

[56] Qabalah-

[57] Q-

قبالہ عمل کے اعتبار سے دو اقسام پر مشتمل ہے۔

**۱۔عملی قبالہ:**

قبالہ کی یہ قسم یہودیوں میں عام پائی جاتی ہے اور اس پر عمل ان کے مذہب کا بنیادی حصہ ہے۔قبالہ کی یہ قسم مختلف قسم کی روحانی مشقوں،مختلف اقسام کے تعویذوں یا نقشوں پر مشتمل ہوتی ہے۔یہودیوں کا یہ ماننا ہے کہ خاص یکسوئی اور روحانی مشاہدات سے حقیقت تک رسائی ممکن ہے۔اس کی عملی مثال چلہ کشی ہے۔

**۲۔نظریاتی قبالہ:**

یہ قبالہ کی وہ قسم ہے جس کا تعلق مکمل طور پر شیطانیت اور جادو کے ساتھ پایا جاتا ہے۔اس کی پوری بنیاد یہودی حاضرات کے فلسفے پر استوار ہے یعنی مختلف طریقوں سے جنات کو کیسے حاضر کیا جاتا ہے اور پھر ان سے کیسے کام لیا جاتا ہے۔کیونکہ اس کا تعلق مخفی علوم کے ساتھ ہے لہٰذا باطنی دنیا سے تعلق قائم کرنے کے لیے تین طریقے استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ باطنی دنیا تک اس کوڈ کر کے بھیجا جائے اور صرف بھیجنے والا اور جس کو پیغام بھیجا گیا ہے وہ اس پیغام کی اصل [58]کو سمجھ سکے۔

**<u>قبالہ کی کچھ معروف اقسام و مستعملات:</u>**

**۱۔جیمیٹریا[59]:**

اس کو ہمارے ہاں علم الاعداد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس طرح ہمارے عاملین عربی زبان کو ابجد کی شکل میں لکھتے ہیں اسی طرح عبرانی زبان کے تمام حروف کو ایک خاص عدد دیا جاتا ہے اور پھر ان حروف کے ذریعے باطنی دنیا یعنی شیاطین اور جنات کو پیغامات دیے جاتے ہیں۔

**۲۔نوٹیریکن[60]:**

پیغام رسانی کے اس طریقے میں پورا جملہ لکھنے کی بجائے اس جملے میں موجود تمام الفاظ کے پہلےحروف کو الگ کرکے ایک لفظ بنایا جاتا ہے اور پھر اس لفظ کے ذریعے شیاطین ،جنات اور جادوگرد کے درمیان پیغام رسانی ہوتی ہے۔مثلا اگر پیغام دینا ہو تو پورا جملہ لکھنے کی بجائے پیغام دیا جاتا ہے۔

58 Encode.
59 Gematria-
60 Notarikon-

جیسے کہ ذیل میں لکھا جملہ دیکھیں جسے انہیں بھیجنا مقصود ہو :

Kill the Pious Person

تو وہ اسے لکھنے کی بجائے اس کا علامتی اختصار تحریر کرکے روانہ کریں گے وہ لکھیں گے:

KPP

**۳۔تیمورا[61]:**

پیغام رسانی کی یہ قسم سب سے مشکل اور مخفی ہے۔اس قسم میں تالمود میں موجود آیات کو

استعمال کیا جاتا ہے۔ہر لفظ کے اصل معنی تبدیل کر کے اس کو ایک خاص معنی دیے جاتے ہیں جو کوڈ کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے جسے ان کے مطابق صرف جادوگر جنات اور شیاطین کو پتا ہوتا ہے،ڈی کوڈ کرکے ان کوڈ کرنا انتہائی مشکل مرحلہ تصور ہوتا ہے۔ ہیں۔جادو کی اس قسم کو

ایک طرح سے حساس ایجسیز اور آرمی کے سگنل کے شعبہ جیسا کام تصور کرلیں کیونکہ یہ علامتی شکل میں پیغامات کی رسائی صرف دو فریقین کے درمیان ممکن مانی جاتی ہے جو اسے سمجھتے ہیں۔

قبالہ کی غرض و غایت انسانوں کے کردار ،روحانی ترقی اور رویے کو متاثر کرنا ہے۔

**تصوف کا اجمالی ارتقا:**

اگر چہ تصوف زدگی، تصوف پسندیدگی اور عیسایئت کلیسا کا باہمی تعلق اول روز سے کوئی ڈھکی چھپی چیزیں نہیں ہیں۔مسلم تصوف میں اج جو بھی بنیادیں ہمیں تصوف زدگی کی ملتی ہیں اسکی جڑیں جن نمایاں شاہراہوں سے تصوف کے سنگم پر اختتام پذیر ہوتی ہیں وہ مکان و زماں کے ارتقا کے ساتھ فتوحات و تبلیغ کی مقامیت کی دین ہے، ہماری مطالعہ پاکستان کا یہ دعوی بلکل غلط ہے کہ مسلمانوں نے ہندووں سے کچھ اخذ نہیں کیا ہے اور ناہی ان سے متاثر ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کے معصومانہ و جاہلانہ دعوے کی رو سے الٹا ہندو قوم مسلم معاشرت،تہذیب و تمدن سے متاثر و مرعوب ہوئی تھی، جبکہ اس کے برخلاف ہماری روز مرہ کی حیات،روایتیں ،رسم و رواج ،شادی بیاہ سب اس موقف کے پرخچے اڑاتے نظر آتے ہیں۔

اہل تصوف کی عالمی ارتقائی شاہراہوں میں اول ہندوانہ ویدانی تصوف یا سرئیت کی منزل خاص الخاص ہے،جو مسلمانوں کی ہند کی فتح سے بھی قبل کئی راستوں سے مسلمانوں میں در آئی تھیں جیسے افلاطونی فکر جو فیثاغورث کی راہ سے ہند سے آئی تھی۔پھر افلاطونی عینیت کی صورت میں جب مصر پہنچی تو نوفلاطونی تصوف کی ہیت اختیار کرگئی،اس یونانی فکر نے ہندی فلسفہ و

[61] Temura-

سریئیت سے یہ متحدہ مخلوط ورثہ یہودیت کی راہ سے عیسائیت کو منتقل کیا،چناچہ عیسایئت نے یونانی اور یہودی احبار سے اخذ کرکے اسے عروج ثریا پر جا پہنچایا،اس میں وقت کے ساتھ بدھ مت اورایرانی زدشیت سے بھی تصوفانہ ورثہ منتقل ادھر اُدھر زماں و مکان کے ساتھ منتقل ہوتاگیا۔مسلمانوں نے ایران،عراق،مصر ،شام و ہند کو فتح کرکے یہ سب تصوفانہ بدعات وہاں کی مفتوح یہودی،عیسائی ،ہندی اور فارسی اقوام سے اخذ کی تھیں اور بعد ازاں ،اہل فقہ کے اتحاد سے انہیں اپنے رنگ میں اسلامی آمیزش سے شرعی اختلاط کے ساتھ پیش کردیا۔اصل میں ابن عربی کا وحدت الوجودی عقیدہ اپنی بنیاد میں بہ ذات خود،ہندی و یونانی نوفلاطونیت کی ہی مسلم شکل ہے۔اس بابت ابھی تحقیق و فیصلہ کرنا باقی ہے کہ قبالہ کتنا قدیم ہے اور کیا احباری علما کی روش سے اس کا کوئی تعلق بنتا ہے۔اور کیا یونان و فارس کی راہ سے یہود نے دوران جلاوطنی ان سے اس ضمن میں کچھ اخذ کیا تھا؟،کچھ لوگ فری میسنز ،ایلومیناٹیز ،اسمعیلی باطنی،قرامطیوں کو قبالہ کی ہی فروعات تصور کرتے ہیں۔

**قبالہ کے ضمن میں مسلم اشکال کا عیسائی جواب:**

ذیل میں عیسایوں کی جانب سے مسلم سوالات و اشکالات کے جواب کے ضمن میں قبالہ کی تعریف و وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو علمی طور پر قابل توجہ ہے بلکہ اس میں وحدت الوجود بھی ڈھونڈھنے کو مل جاتی ہے۔چناچہ سوال عدد چھتیس[62] میں پوچھا گیا ہے کہ کہ قبالہ اور غناسطیت سے عیسائیت کا کیا تعلق ہے؟ جس کا جواب دیتے ہوئے سائیٹ کے محققین یعنی پروفیسر۔ڈاکٹر کرسچن ڈبلیو ٹرال[63] اور پروفیسر۔ڈاکٹر۔ٹوبیاس سپَیکَر[64] لکھتے ہیں کہ:

’’عبرانی زبان میں ایک لفظ ہے جس کا مطلب ہوتا ہے تاریخی روایت اور قبالہ کی اصطلاح یہ اسی سے نکلی ہے۔ یہ یہُودیوں کے عِلمِ باطن سے متعلُّق (ذیلی علم ) ہے اور چند مسیحی راہبوں نے بھی اِس چھابے میں ہاتھ مارا تھا۔ وِجدان سے بلا واسطہ معرفتِ خُداوندی حاصل کرنے کے یہُودی سسٹم کے بارے میں قبالہ سے پتا چلتا ہے کہ ایک پوشیدہ رکھے طریقہ پر عمل کے ذریعے مُقدّس پرانے عہد نامہ کی مُقدّس کتابوں کی تفسیر بیان کرتے ہوئے، ان لوگوں کو جنھیں نیا نیا تنظیم میں شامل کِیا گیا ہوتا تھا اپنی خفیہ تعلیمات تک اُنھیں رسائی دی جاتی تھی۔

مثال کے طور پر اُنھیں باور کروایا جاتا تھا کہ یہ ذاتِ حق کی تجلّی تھی جس سے دُنیا تخلیق ہُوئی(ہے)۔ یہ رجحانات کا ارتقا ہے جو غناسطیت کا مرہونِ منت ہے۔ غناسطیت ایک نظریہ ہے۔ رُوحانی برتری کے دعوےدار مسیحیوں کا نظریہ کہ کائنات اُلُوہیت کے جلووں یا قوت و قدرت کے مظاہر کی تخلیق ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں اور تحریکِ احیاے علوم کے درمیانی عرصہ میں اُنھوں نے اپنی فعالیت اور اپنے اثر کی اوجِ کمال کو جا چھُوا(تھا)‘‘

[62] اس سوال کا حقیقیت میں پوچھا جانا یا مفروض کرکے جواب دینا قابل غور امر ہے۔معج

[63] Christian W. Troll SJ-

[64] Tobias Specker SJ-

قرونِ وسطیٰ کا طرزِ فکر اور تحریکِ احیائے علوم کی مقبُولیت حرفِ آخِر تھی۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں ان تعلیمات کی ایک مسیحی شکل سامنے آئی جو بہُتوں کے دِلوں کو بھا گئی۔ بل کہ مقابلۃً مقبُولیت کے تمام دریا پار کر گئی۔ روٹینجلِن اور پارا سیلسَس(اسک کے) بہُت اہم نُمایندے تصوُّر کیے جاتے تھے۔ یہ تنظیم اس لائق تھی کہ اپنے تخصیصی حربے استعمال میں لے آتی اور وِجدان کے بل بوتے پر مُقدّس تثلیث کی اسراری حقیقت کی تشریح اور مخلصی کے کام(مکتی) خُداوندِ خُدا یسُّوع مسیح مُقدّس کی اُلُوہیت ثابت کرنے کے فرائض انجام دے سکتی(تھی)۔''[65]

ان نظریات و رجحانات سے عمداً کیتھولک مسیحی کلیسا نے موجودہ دور میں کافی حد تک اپنے آپ کو علیحدہ ہی رکھا ہے اور اپنی تعلیمات پر بھی ان کا سایہ پڑنے سے باز رکھا ہے۔یعنی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں وحدت الوجود کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے،اور اس میں قبالہ سے باوجود عیسائیت کی تصوف پسندی کے دوری ظاہر کی گئی ہے۔ اس فرقہ کی بابت کیرن آرمسٹرانگ نے خدا کے لئے جنگ نامی کتاب اور محمد امین نے اپنی ''درپردہ حقایق'' نامی کتاب میں کافی روشنی ڈالی ہے ،بلکہ محمد امین نے اسکو فری میسنز کی اصل گردانا ہے[66]۔

یہودیت میں تصوف کی تحریک ہزاروں سال پرانی ہے جسے ''قبالہ'' کہتے ہیں۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہودیت میں تصوف کا علم صرف سینہ با سینہ زبانی منتقل کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اُن کے ہاں بھی تصوف کا باقاعدہ لٹریچر بھی موجود ہے۔ اس سلسلے کی مشہور کتابیں'' باہیر''، ''سفر راذیل''، ''حمالنح'' اور''ظہر'' ہیں، جو تلمودی عہد میں لکھی گئی ہیں اور آج بھی یہ یہودی سلسلۂ تصوف ''قبالہ'' کی رہنما تصانیف مانی جاتی ہیں۔ حالیہ چند عشروں کے دوران ''قبالہ'' کی روایت صہیونی تحریک کے زور کی وجہ سے پس منظر میں جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اب ایک بار پھر آرتھوڈکس یہودیوں میں روحانیت کی طرف جھکاؤ میں اضافہ ہوا ہے۔ خصوصا امریکہ میں ''قبالہ'' کا احیاء دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اسرائیل کے اندر بھی روحانیت پسندوں کے صہیونیوں سے حالیہ تصادم نے دنیا کے سامنے اسرائیل کی اندرونی کشمکش کو واضع کیا ہے۔

دور جدید میں جہاں سیکولرازم کے زیر اثر مذہب اور عقیدے کو انسان کی زندگی سے دیس نکالا دینے کی ایک نئی قسم متعارف کرنے کی کوشش اپنے عروج پر ہے۔ اس کوشش کے نتیجے میں روحانیت[67] کی جگہ غیر مذہبی روحانیت[68] کو انسانیت کے نام پر متعارف کروایا جارہا ہے بلکہ یہ

بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ دور جدید میں انسان کا نیا مذہب ہے جو مذہبی عقیدے ، ظاہری شناخت، مراسم عبودیت سے ہٹ کر انسانیت کی اعلیٰ اقدار جیسے محبت، ہمدردی، رحم، درگزر اور باطنی اور ظاہری پہلوؤں سے انسان کو سکون اور آرام پہنچانے کا نام ہے۔ مذہب بیزار مبلغین اسے رنگ و نسل سے بلند ہوکر کائناتی اور آفاقی انسانوں کی تشکیل پر مبنی مذہب قرار دے رہے ہیں۔ جو عدم تشدد کا قائل ہے

[65] کرسچن و ٹوبیاس
[66] یہ اقتباس و تبصرہ محقق ک کتاب کی جانب سے ہے۔معج
[67] Asceticism-
[68] Non-Religious Spirituality-

اور یوگا کی ریاضت سے سکون کے حصول کا خوائش مند بھی ہے۔سینٹ انتھونی(متوفی:۳۵۰:ع) کو پہلا مسیحی راہب قرار دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں یہ سلسلہ شام و فلسطین اور افریقہ و یورپ میں پھیلتا چلا گیا۔ ترک دنیا، تجرد، نفس کشـــی، مجاہدے، مراقبے اور غلاظت پر مبنی اس تحریک کی ابتداء میں کلیساء سے آویزش چلی تاہم چھٹی صدی عیسوی میں اسے چرچ کے نظام میں باقاعدہ داخل کر دیا گیا۔ کہا جا ســکتا ہے کہ آج کی عیســائیت کا وجود ہی رہبانیت کے ســہارے قائم ہے۔ کیوں کہ اب تمام تر عیسائی مذہبی پیشوا (فادر، نن پوپ) رہبانیت کے ادارے سے ہی آتے ہیں۔

ہمارے ہاں تصوف، راہ سلوک یا طریقت سے مراد وہ سلسلہ لیا جاتا ہے جسے عرف عام میں روحانیت کی اصـطلاع رائج ہے۔ روحانیت ســے مراد مقدس ہسـتیوں یا [69]کہتے ہیں۔ انگزیری میں اس کے لئے تصورات سے وابستگی، عقل اور حواس سے ماوریٰ روحانی تجربات و مشاہدات، مراقبہ، ترک دنیا ، زہد و ریاضت اور ضبط نفس پر مبنی افعال اور اعتقادات لئے جاتے ہیں۔

روحانیت کے تصورات آسمانی مذاہب جن میں یہودیت، مسیحیت اور اسلام شامل ہیں کے علاوہ مشرقی مذاہب خصوصا ہندومت، بدھ مت اور جین مت میں بھی راسخ پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی تقریباً ہر بت پرست اور مظاہر پرست مذہب میں بھی اس سے کچھ ملتے جلتے نظریات ضرور موجود ہیں۔ ان مختلف مذاہب کے روحانی لوگوں کی مشـترکہ اقدار عموما ایک سی ہی محسـوس ہوتی ہیں۔ البتہ اپنے اپنے مذہب کے زیر اثر مقدس شــخصــیات، زہد و عبادت کے طریقے اور روحانی تجربات کی نوعیت میں کچھ فرق ضـــرور دکھائی دیتا ہے۔ مگر تمام مذاہب میں رائج روحانیت کا واحد مقصـــود مذہب کے قانونی پہلوؤں اور ظاہری مراسـمِ عبادت ســے آگے نکلتے ہوئے اپنی ذات میں ڈوب کر دل کا ســکون تلاش کرنا بیان کیا جاتا ہے۔

برصــغیر کے اندر مسـلمانوں میں رائج تصـوف کی ہندو مت کی روحانیت ســے مماثلت حیرت زدہ کر دینے والی ہے۔ چلہ کشی، ترک دنیا اور ریاضـت کے مقابلہ جوگ، دیانت اور تپیسا کا فلسفہ ہو، یا پھر غوث، قطب، نجیب، ابدال، ولی۔ فقیر اور درویش وغیرہ جیسے مختلف مراتب اور مناصـب کے مقابلے پر رشی، منی، مہاتما، اوتار، سادھو، سنیاسی، یوی، گیانی، شـاسـتری اور چتھرویدی جیسـے مختلف مراتب اور مناصب کو لیا جائے، ہر طرف روحانیت کے بنیادی فلسفے کی ہم آہنگی بلکہ یک رنگی نظر آتی ہے۔

ہندو مذہب میں روحانیت کے طالب سـادھو یا سـنت کہلاتے ہیں جو نجات حاصـل کرنے کے لیے دور جنگلوں اور غاروں میں رہتے ہیں۔ اپنے جسـم کو ریاضـتوں سـے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ گرمی، سردی، بارش اور رتیلی زمینوں پر ننگے بدن رہنا اپنی ریاضتوں کا مقدس ترین عمل سمجھتے ہیں۔ جسمانی ریاضتوں کے ساتھ ہندو مت میں دماغی اور روحانی مشقتوں کو بھی نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، چنانچہ یہ لوگ تنہا شہر سے باہر غور وفکر میں مصروف رہتے ہیں۔ ان میں سے کجھ بھیک پر گزارہ کرتے ہوئے ســیاحت کرتے ہیں، کچھ مادرزاد برہنہ رہتے اور کچھ صـــرف لنگوٹی باندھتے

---

[69] Asceticism-

ہیں۔ ہندو معاشـرے میں ان کی بہت زیادہ عزت کی جاتی ہے یہاں تک کہ کئی فرقے ان کی باقاعدہ پوجا بھی کرتے ہیں۔

بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی تشکیل کا آغاز ہی روحانیت کی تلاش سے کیا تھا۔ اُن کے ہاں تو مذہب روحانی اور باطنی واردات کا نام ہے۔ بدھ مت میں باقاعدہ خانقاہی سلسلے ہیں۔ ان میں راہب اور راہبائیں ہوتی ہیں جو بھکشـوؤں کہلاتے اور سینکڑوں قسم کے عہد و پیما ن نبھاتے ہیں، جس میں ہمیشـہ کنوارا رہنے کا عہد بھی شـامل ہے۔ یہ لوگ اپنا سـر منڈاتے ہیں، مخصـوص کپڑے پہنتے اور خانقاہوں میں اجتماعی صـورت میں رہتے ہیں۔ ان کی سـاری زندگی مطالعے، مراقبے، عبادات اور عام لوگوں کی فلاح کےلیے رسـومات ادا کرنے کے لیے وقف ہوتی ہے۔ بدھ مت کے عام پیروکار کے لئے بھکشوؤں کی خدمت نجات کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔

جین مت کی اساس بھی روحانیت پر ہے۔ جین مت کے پیروکارو عدم تشدد اور ضبط نفس اور ریاضـت کے ذریعہ نجات (موکش) حاصل کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے ہاں روحانیت کے دو سلسلے ہیں ایک جو دگمبر یا دگامبر کہلاتے ہیں، یہ ہمیشـہ عریاں رہتے ہیں۔ (برصـغیر کے مسلمانوں کے ہاں بھی تصوف میں "نانگے پیر" کا تصور شاید یہیں سے آیا ہے) دوسرا سلسلہ شویت امبر یا اشویتامبر کہلاتا ہے جس کے سادھو ہمیشہ سفید لباس پہنتے ہیں۔ یہ اپنے منہ پر بھی ایک سفید کپڑا باندھے رکھتے ہیں۔ دونوں سـلسـوں کے فقیر پوری زندگی تجرد، نفس کشـی اور ریاضـت میں گزارتے ہیں۔عیسـائیت میں روحانیت، رہبانیت کے عنوان سے ملتی ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں رہبانیت کا آغاز مصر سے ہوا تھا۔[70]

رہبانیت کی بابت تحقیق کے لئے آیت رہبانیت کے ذیل علامہ مودودی کی تفســیر ترجمان القران میں متعلقہ شـرح اور تجدید احیائے دین اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی تاریخ تصـوف دیکھی جائے تو عمدہ ہوگا۔یہودیوں کے نزدیک دنیا کی عظیم اور قابل تقدیس عبادت گاہ ہیکل ســلیمانی یہودی شــان و شـوکت کی علامت تھا۔ ان کے خیال میں اب اس کی جگہ مسـجد اقصـیٰ تعمیر ہوگئی ہے جس کو مسـمار کرکے دوبارہ ہیکل کا قیام ضــروری ہے۔ اس ہیکل کی تعمیر کے نتیجے میں تمام دنیا کے یہودی اپنے مرکز پرجمع ہوسکیں گے اور خداوند یہواہ کی تعریف کے گیت گاسکیں گے۔[71]

**عطا اللہ صدیقی صاحب لکھتے ہیں کہ:**

’’فری میسـنری کی تعلیمات کا ماخذ یہودیوں کے پراسرار باطنی علوم (قبالہ) اور قدیم دیومالائی قصـے کہانیاں ہیں۔ قدیم مصری، یونانی، شامی اور بابلی دیومالائی قصوں کو فری میسنری رسومات کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ فری میسن ان دیومالائی داستانوں کے ضمن میں ہی ہیکل سلیمانی کے معمارِ اعظم حیرام

---

[70] محمد معین یونس،مہتاب عزیز۔،محدث فورم۔
https://forum.mohaddis.com/threads/%D8%BA%DB%8C%D8%B1-%D9%85%D8%B0%DB%81%D8%A8%DB%8C-%D8%B1%D9%88%D8%AD%D8%A7%D9%86%DB%8C%D8%AA.29050/

[71] بشیر احمد۔فری میسنز۔اسلام دشمن خفیہ تنظیم ۔

ابیف کے مرکز جی اُٹھنے کا واقعہ ذکر کرتے ہیں۔ ہیکل سلیمانی کی تباہی اور اس کی دوبارہ تعمیر فری میسنری علوم کا اہم باب ہے۔

فری میسنری لاجوں کو چلانے والے مختلف عہدیداروں کے درجات کو دیکھا جائے تو وہاں بھی ہیکل سلیمانی کا تعلق نمایاں نظر آتا ہے۔ لاج میں انجام دی جانے والی رسومات بھی ہیکل سے متعلق ہوتی ہیں۔ فری میسنری لاج کی عمارت ہیکل سلیمانی کا عکس اور نمائندہ ہوتی ہے، اسلئے اس کا منہ مشرق کی طرف ہوتا ہے کیونکہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کا منہ مشرق کی طرف تھا۔

کوئی بھی آزادانہ تحقیق کرنے والا شخص جو فری میسنری تحریک اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کے باہمی تعلق کو جانتا ہے، اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ مسجد ِاقصیٰ پر یہودیوں کی تولیت کے حق کو تسلیم کرے۔فری میسنری چونکہ کاریگر اور مستری قسم کے لوگ تھے، اس لئے انہوں نے ہیکل سلیمانی کے گرد اپنے خرافات کا تانا بانا بنا تھا، انہوں نے اپنے مذہبی جنون کا اظہار بھی ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور تعمیر نو کے قصوں کے بیان کرنے میں کیا تھا۔ انہوں نے بہت جلد ہی دیگر یہودیوں میں اپنی خرافات کے متعلق جذباتی وابستگی پیدا کرلی ہے، ورنہ یہود میں ہیکل سلیمانی کی مسجد ِاقصیٰ کو گرا کر تعمیر کرنے کی تحریک قدیم اَدوار میں صیہونی تصورات کی طرح موجود نہیں تھی۔

فری میسن ایک زبردست تحریک تھی جس نے یورپ کے شاہی گھرانوں، دانش وروں اور اہل سیاست و صحافت، سب کو متاثر کیا۔ برطانیہ کے شاہی خاندان اور امریکہ کے صدور کا اس تحریک سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ہندوستان میں جتنے معروف وائسرائے آئے، وہ بھی اس تحریک سے وابستہ تھے۔ صہیونی تحریک کا بانی تھیوڈر ہرزل اس تحریک کا پرجوش رکن رہا تھا۔[72]

**تصوف،باطنیت اور قبالی وحدت الوجودی فلسفہ فکر**:

اصل میں تمام باطنی تحریکوں کی جڑین چاہے فری مسین کی صورت میں ہوں یا پھر ایلومیناٹیز سے تعلق رکھتی ہوں کسی نا کسی شکل مین باطنی ،حشیشین ،قرامطی فدائیوں تک جا پھیلتی ہیں،چاہے یہ ایک دوسرے کے ظاہری منکر و مخالف کیوں نا ہوں یا پھر وحدت الوجود و شہود کے ذریعہ تصوف سے جاملتی ہیں، ان سب کی قدر مشترک ایک خفیہ پن،ایک سرئیت پن ہے چناچہ ،ایک خاص پیر ،ولی،صوفی،سادھو ،گرو ،رشی،منی،سنت،اچاریہ راہب،احبار یا پھر ،گرینڈ ماسٹر تک جڑوں کا جاملنا ایک قابل تفہیم امر ہے۔

[72] https://magazine.mohaddis.com/home/articledetail/2132

اسلام میں اس بحث کے لئے قصص بازاری اور نیریٹو بلڈنگ[73] کے ذریعہ ماخذات کی تشکیل ایک خاص قابل احترام علمی بزنس بن چکا ہے،ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں ضعیف و موضوع روایات ،سے قطب،ابدال،غوث ،عارف و سالک کی اصطلاحیں چن کر تصوفانہ شخصیات کی مدارج بندی و مقامات متعین کرنے کے کھیل تماشہ کھیلے گئے ہیں۔ ہم اس امر کو جانچتے پرکھتےہیں کہ تمام دنیا میں تصوف کی بنیادی باتیں ایک ہی طرح کی فکری منہج سے پھوٹتی ملتی ہیں،لہذا تصوفانہ عارفانہ باتوں اور فلسفہ کے پیش کرنے کے لئے مذہبی دین یا کسی خدا پر بلا دیکھے یقین ،اعتقاد یا وشواش کرنا ضروری امر سمجھا نہیں جاتا ہے،سدھ گرو اور اوشو کی باتوں اور تحریروں سے یہی عیاں ہوتا ہے،بلخصوص اوشو تو ایک مذہبی نراجی یا عقیدوں کا غارت گر قرار پاتا ہے۔

چونکہ اسکا تعلق جین مت سے رہا ہے،جس میں مذہب نام کا عنصر ایک خدا کے گرد گھومنے سے انکار کردیتا ہےدوسری طرف وہ بدھا سے اختلاف کے باوجود بدھا کو بھی دلیل بناتا دکھتا ہے لہذا ہم جانچتے ہیں کہ بدھا یا مہابیر،بھی کسی خدا نامی وجود پر اعتقاد ظاہر کرنے سے قاصر ملتے ہیں ،دوسری طرف توحید کے زبانی کلامی دعوے دار ۔مسلمانوں نے خدا تک رسائی کے لئے انبیا کے بعد اولیا کو نیم نبی مان لیاہے،خدا نے خدائی فرنچایز اب ولیوں کو سونپ کر خود کے زیر تلے تخصیص کار کے ذریعہ اپنے اختیارات بس فرنچایز سازی تک محدود کردئے ہیں، واضح رہے کہ یہ ہمارا اعتقاد نہیں ہے مگر تصوف زدہ افراد کی حیات سے یہی امر ظاہر ہوتا محسوس ہوتا ہے،اسی طرح ،شیعوں نے اپنےاماموں کو یہ منصب سونپ کر ایک نسل پرستانہ طوفان برپا کیا ہوا ہے،ہر ایک فریق کے پاس اپنی اپنی کوئی پرایم و سول[74] وجہ کاینات موجود ہے،جسے وہ نشچے کی زبان میں سپر مین مانتے ہیں ،عیسائیوں نے رومن کیتھولک چرچ کی کلرجی[75]،راہبوں کو یہ شعبہ دیا ہوا ہے جبکہ ان کے برخلاف ،یہودی ربیوں میں شریعت و تصوف قبالہ کی راہ سے در آئے ہیں۔

**عمار غضنفر اس بابت تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:**

دنیا میں رائج صوفیانہ تعلیمات کی بنیاد جس عقیدے پر استوار ہے اسے ہم اپنی زبان میں عقیدہءوحدت الوجود کے نام سے جانتے ہیں۔ آسان الفاظ میں یہ کہ درحقیقت وجود صرف ایک ہی ہے، اور اس کے علاوہ سب کچھ سرابِ نظر کے ماسوا کچھ نہیں ہے یا ایک طور سے یہ ایک واہمہ ہے۔ چونکہ وجود اذلی اور ابدی ہے۔ اس کو فنا نہیں ہے، یہ باقی رہنے والا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ اسی وجودِمطلق کا مختلف رنگوں میں ظہور ہے اور وقت کے ساتھ فنا ہو جانے والا ہے۔ صوفیانہ عقائد و تعلیمات کی بنیاد اسی عقیدے پر استوار ہے۔ اور آپ جس مذہب سے متعلق صوفی اکابرین کی تعلیمات بھی اٹھا کر پڑھ لیں، ان کا بنیادی نچوڑ یہی ہو گا۔

---

[73] Narative building.
[74] Prime and Sole reason.
[75] Clergy.

اس کے مقابل حضرت مجددالف ثانی یعنی شیخ احمد سرہندیؒ نے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا تھا مگر اس کو وہ قبولیت حاصل نہ ہو سکی اور یہ محض نقشبندیہ مجددیہ سلسلے سے متعلق ان کے یعنی پیروکاروں تک محدود رہا۔( مختلیف تصوفانہ فکروں سے) وحدت الوجود کے عقیدے کی جڑیں حامی مذاہب کی تعلیمات سے پھوٹتی نظر آتی ہیں، اور کم و بیش یہی تعلیمات ہندو مذہب کی قدیم ویدوں اور اپنشدوں میں ملتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب سامی مذاہب نے حامی مذاہب پر غلبہ حاصل کیا تو یہ تعلیمات تصوف کے نظریات کی شکل میں سامی مذاہب میں سرایت کر گئیں۔

**قدیم دور میں وحدت الوجودیوں سے نفرت و کراہتِ عامہ:**

اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے کہ تصوف کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب میں اپنا وجود رکھتا چلا آیا ہے،ہر فکر و عمل کی ایک جوہریت ہوتی ہے،حد یہ کہ مادیت کی بھی ایک جوہریت ہوتی ہے،جسے اس کی روح یا روحانیت بھی کہتے ہیں،چناچہ تصوف کو نادان مسلمان دین کا جوہر جانتے ہیں ،حقیقت میں یہ عبادت میں غیر شرعی عبادتوں و طریقہ کار کی شمولیت،بدعات، کذب و جھوٹ پر مبنی روایات کے اتبع اور نقلی دین کے مقابل ایک مساوی خود ساختہ شریعت ہوتی ہے،جو عبادات کے غیر شرعی طریقہ کار سے تصوف کو ایک ایسا طریقہ کار باوار کرانے کی کوشش کرتا ہے ،جس کا دعوی ہوتا ہے کہ وہ کاینات کی اذلی و ابدی قوت و خالق تک رسائی حاصل کرکے اس سے نبیوں سے ماورا تعلق قایم کرتا ہے۔

یوں سالک و عارف رب تک رسائی کے لئے شریعت کو یکسر فراموش کرکے پیر و رہبر کے حکم و اتبع کو حرف آخر ماننے لگتا ہے،ان کے نزدیک پیر و رہبر کسی نبی کے بغیر اللہ تک عزت و شرف کے ساتھ براہ راست رسائی رکھتا ہے،وہ وحی کا محتاج نہیں ہوتا ہے،اس سے من و تو میں غیر پن نابود ہوتا جاتا ہے اور تعلق قایم ہونے کے ساتھ ساتھ تفریق ختم ہوتی جاتی ہے،کبھی من تو ہو جاتا ہے تو کبھی تو من بن جاتا ہے، عبادتیں و ریاضتیں تیرے میرے کی خلیج پاٹ دیتی ہیں،ان کے نزدیک نفس مردہ نہیں ہوتا ہے بلکہ پردہ فرماتا ہے چناچہ تمام انبیا کرام و اولیا کرام فوت نہیں ہوئے ہیں بلکہ وہ اپنی قبور میں زندہ رہتے ہیں بلکہ کچھ کے نزدیک وہ قبروں میں ہی اپنی زوجاوں کے ساتھ شب بھی بسر کرتے ہیں، قبر ان کا گھر بھی ہوتی اور فیض پہنچانے کا مسکن و منبع بھی ہوتی ہیں جن سے برکات کا حصول حاصل کرنا ان کے وسیلہ سے مرا د حاصل کرنا ثواب و پنے کا کام ہوتا ہے، جس کا کوئی پیر و مرشد نہیں ہوتا ہے اس کا پیر و مرشد ابلیس ہوتا ہے،ویسے بھی وحدت الوجوی فکر کی رو سے کاینات میں سب کچھ مایا و دھوکہ ہے،سراب ہی سراب ہے ماسوا خالق کاینات کہ چناچہ ان کے نزدیک عالمِ رنگ و بو میں موجود ہر شہ ہست و نیست اسی کے مظاہر ہیں،وہ ہی کل ہے باقی سب اس کے جز ہیں۔

چناچہ تمام اقوام میں اس قسم کے رجحانات کے تقابلی مطالعہ و مشاہدہ سے صاف نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تصوف نے صدیوں سے مسلم تشخص و فکر کی جینیٹک کوڈنگ کو ملیا میٹ کرکے رکھ دکھ

دیا ہے،عقیدہ توحید کو جس قدر نقصان تصوف نے پہنچایا ہے، اتنا نقصان تو مارکس اور رچرڈ ڈاکنز نے دین کو نہیں پہنچایا ہے،چناچہ چاہے وہ یہودیوں کا قبالہ ہو، عیسائیوں کے سینٹ ہوں، مسلمانوں کا تصوف اور اس کے ذیل صوفیا ہوں، ہندووں کا جوگ ہو یا بدھوں کا نروان ہوان سب نے ہی ایک ہی شراب کو مختلیف ناموں سے استعمال کیا ہے۔

اور سب نے ہی مابعد دیکھا گیا ہے کہ دین کے حقیقی و اصلی پیغام کو تحریف کرکے بدل دیا گیا ہے،ہر جگہ تصوف و نام نہاد روحانیت اصل دین کے مقابل دین بن گئے ہیں،شرک ،بدعات ،کفر ،شخصیت پرستی یا دیوتاسازی کا تصوف سے چولہ دامن کا ساتھ رہا ہے،تصوف اصل دینی ماخذات کے نقلی اور وحی پر مبنی پہلووں کو بدل کر اپنے ذاتی ماخذ کی تشکیل کرتا نظر آتا ہے، یوں دین و طریقیت پہلو بہ پہلو مساوی ہوتے جاتے ہیں ۔ چناچہ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف کی تعلیمات اتنی ہی قدیم رہی ہیں کہ جتنی نسلِ انسانی ہے۔ دنیا میں نت نئے مذاہب آتے رہے ہیں اور ان تعلیمات نے کسی نہ کسی صورت میں اپنا وجود برقرار رکھا ہے۔ کہیں تو ان تعلیمات کا کھلے عام پرچار کرنے پر سرمد و منصور جیسی ہستیاں معتوب ہوئیں اور کہیں جنید بغدادی کی مانند مصلحت کوشی سے کام لیتے ہوئے اس کی تعلیمات کو خصوصی طور پر الخواص تک محدود رکھا گیا، اور عوام کے سامنے رائج شریعت اور مقبول مذہبی نظریات کا پرچار کیا گیا ۔ ان تعلیمات کا اظہار کھل کر ہمیں برِصغیرمیں بابا بلھے شاہ، شاہ حسین اور ان جیسے دیگر فقیروں کے عارفانہ کلام میں نظر آتا ہے۔ شاید اس کی وجہ شاعری کا ایسا ذریعہءاظہار ہونا ہے کہ جس میں بات پردے کی اوٹ میں کی جا سکتی ہے۔ مگر اس کے باوجود تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قصور کے عوام نے بلھے شاہ کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا اور ان کے معتقدین ان کو شہر سے باہر ایک بیابان جگہ پر دفن کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، جہاں آج ان کا مزار واقع ہے اور وقت کے ساتھ شہر کی آبادی کے گھیرے میں آ گیا ہے۔

اسی طرح مسلمانوں میں نظریہءوحدت الوجود کو اوجِ کمال پر پہنچانے والے حضرت ابنِ عربی کی قبر پر برسوں لوگ کوڑا کرکٹ پھینکتے رہے اور بالآخر سن پندرہ سو سولہ میں خلافتِ عثمانیہ کے ایک ترک سلطان نے دمشق کی فتح کے بعد اس مزار کو دوبارکوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے نیچے سے دریافت کر کے اس کی تزئین و آرائش کروائی۔ اسی طرح ہمارے ملتان میں مدفون حضرت بہاءالدین ذکریاؒ کے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی[76] کو جنہوں نے یونانی حکما کی صوفیانہ تعلیمات سے متاثر ہو کر فلسفہءاشراق کی بنیاد رکھی تھی، اور انہیں اسی وجہ سے شیخ الاشراق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، علماءوقت کے فتاویٰ کی بنیاد پر صلاح الدین ایوبی کے حکم پر حاکمِ شہر نے قتل کروا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مصلحت پسند صوفی اکابرین نے وحدت الوجود کا پرچار شریعت کے پردے میں رہتے ہوئے کرنے کی راہ اپنائی۔

اس سب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف کا تعلق مافوق الفطرت طاقتوں کے حصول کے ضمن میں دور قدیم سے چلا آرہا ہے چناچہ اسے نہ ہی لوگوں کے دنیاوی مسائل کے حل سے حقیقت میں کوئی

---

[76] بعض کا ماننا ہے کہ متبع شریعت شہاب الدین سہروردی اور فلسفی سہروردی الگ الگ فرد ہیں لوگ معقولی فلسفی سہروردی کے ساتھ سنی الاسلام سہروردی کو خلط مبحث کردیتے ہیں۔معج

ســـروکار ہے اوراس کا موجودہ مطمعءنظر گدیاں چلانا نظر آرہا ہے۔ صـــوفیاء کرام کی ریاضـــتوں کا مقصـد اپنے فلسـفے کے مطابق اپنے فانی وجود کو فنا کر کے ہمیشـہ کے لیے باقی رہنے والی ذات کا میں ضم ہو جانا ہوتا ہے۔ اور کائنات کے سارے رنگوں کو وہ اسی ایک ذات کا ظہور مانتے ہوئے تمام مذہبی، مسلکی، نسلی اور گروہی تعصبات سے بالاتر ہوتے ہیں۔ تصوف کی اسی تاریخ کی وجہ سے چند علماءکرام جیسے کہ جاوید احمد غامدی صاحب اسے ایک متوازی مذہب قرار دینے پر مصر ہیں۔ شـــاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارےعلماءکرام کسـی نظریے کو مذہب کی عینک کے بغیر دیکھنے کے عادی نہیں ہیں جبکہ تصوف کا دائرہءکار اس قدر وسیع ہے کہ اس کا کسی ایک مذہب کے دائرے میں مقید ہو کر رہنا ممکن نہیں ہے۔[77]

**قبالہ اور شیطانیت:**

فری میسنی دایرہ کار یا ادارہ کی بہت حد تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ قبالہ تصوف کی اعلی ترین ارتقائی شکل ہے،میں اس ضمن شروع روز سے کہتا چلا آیا ہوں کہ میں یہاں اس بحث کے مختلیف تناظر مختلیف لوگوں کی تحقیقات کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کررہا ہوں چاہے وہ ،موافق ہو یا مخالف دونوں قسم کی روایتوں،یا تفصیلات کو میں قاریئن کے سامنے پیش کررہا ہوں،میں بحر طور کسی صورت میں سازشی نظریات کے حامی افراد کی اسٹرکچل گیم بلیم تھیوری[78] کی روشنی میں معاملہ کو دیکھنے کی جگہ منفی و مثبت ہر سطحی پرتوں کو اجاگر کرنا چاہ رہا ہوں،مجھ سمیت کوئی بھی فرد قبالہ یا فری میسنز سے براہ راست ملاقات کرنے کے بعد ان کی بابت یک مشت کچھ کہنے کی حالت میں خود کو محسوس نہیں کرتا ہے۔ان کے متعلق دعوے یا اساطیر مجھے کسی صورت میں یقین کے ساتھ کچھ کہنے پر مجبور نہیں کرپاتے ہیں۔

ذیل میں ایک قبالہ زدہ یہودی خاتوں کا انٹرویو فاران سے نقل کرکے پیش کیا جارہا ہے،اس انٹرویو میں کتنی صداقت ہے اور یہ لڑکی اس انٹرویو میں کس قدر سچی ہے یہ ایک الگ نقد کی محتاج ہے،مگر بحرحال یہ انٹرویو پڑھنے کا تقاضہ لازمی طور پر ہم سے کرتا نظر آتا ہے:

ایک بہت اہم اور دلچسپ واقعہ مئی ۱۹۸۹ میں ‘اوپرا کے عنوان سے براہ راست ٹیلی ویژن پروگرام میں پیش آیا جس نے ناظرین کو حیران کردیا۔ پروگرام کے میزبان نے ایک نوجوان یہودی لڑکی **ویکی پیلن** عرف **ریچل** کا انٹرویو لیا تھا۔ اس لڑکی کے اعترافات بہت دلچسپ اور غور طلب تھے۔

میزبان: میری اگلی مہمان شیطان کی پوجا سے تعلق رکھتی ہے اور اس نے انسان کی قربانی ، آدم خوری اور قبالہ کی رسومات میں شرکت کی ہے، وہ کہتی ہے کہ اس کا گھرانہ بھی کئی نسلوں سے اسی سلسلے سے تعلق رکھتا چلا آیا ہے۔ اور اس وقت اس کا علاج معالجہ ہورہا ہے اور وہ بذات خود ایک ذاتی

[77] https://www.humsub.com.pk/76729/ammar-ghazanfar-7/
[78] Structural Game blame theories.

شخصیتی عدم توازن سے دوچار ہے۔ آج کل وہ بچپن کی تمام ڈراؤنی یادوں کو کچل دینے کے مرحلے سے گذر رہی ہے، ریچل کو دیکھیں جس نے اپنے تحفظ کے لئے اپنا چہرہ تک بدل دیا ہے۔

سوال: کیا تم ان لوگوں کی نسل سے ہو جن کے ہاں بہت بھونڈی رسمیں رائج ہیں؟۔

جواب: جی ہاں! میرے خاندان کا ایک لمبا چوڑا شجرہ نامہ موجود ہے۔ ہمارے ہاں ان لوگوں کے اعداد و شمار کو بھی محفوظ کیا جاتا ہے جو اس قسم کی رسمیں بجا لاتے ہیں اور ان لوگوں کے اعداد و شمار کو بھی، جو ان رسموں کو بجا نہیں لاتے اور ان کا یہ کام سنہ ۱۷۰۰ع تک پلٹتا ہے۔

سوال: کیا تمہیں بھی ان رسومات میں شریک کیا جاتا تھا؟

جواب: جی ہاں! میں نے ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جو اس عمل پر یقین رکھتا تھا۔

سوال: کیا باقی لوگ تصور کرتے تھے کہ تمہارا خاندان ایک اچھا یہودی خاندان ہے؟ کیا باہر سے تم ایک اچھی یہودی لڑکی دکھائی دیتی رہی ہو؟ کیا تم لوگ گھر میں شیطان کی پوجا کرتے تھے؟

جواب: بہت سے یہودی خاندان پورے امریکہ میں ایسے پائے جاتے ہیں، صرف میرا خاندان ہی ایسا نہیں ہے۔

سوال: واقعی؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: کون اس سلسلے میں معلومات رکھتا ہے یعنی بہت سے لوگ؟

جواب: بہرصورت میں نے شکاگو پولیس کے تفتیشی افسر سے بات کی تھی۔ میرے بہت سے دوست بھی جانتے ہیں اور میں نے اس سلسلے میں عام لوگوں سے بھی خطاب کیا ہے۔

سوال: گھرانوں کی رسومات میں کیا کچھ ہوتا ہے؟

جواب: وہ رسمیں جن میں بچوں کو قربان کیا جاتا ہے اور آپ مجبور ہیں کہ قربانی کی اس رسم کو دیکھ لیں۔

سوال: کن کے بچے؟

جواب: ہمارے خاندان میں ایسے لوگ تھے جو بچے پیدا کرتے تھے، کوئی بھی ان بچوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا؛ خواتین بہت موٹی ہوجاتی تھیں اور معلوم نہیں ہوتا تھا کہ حاملہ ہیں۔ یا وہ کچھ عرصہ غائب ہوجاتی تھیں اور پھر پلٹ کر آتی تھیں۔ دوسرا نکتہ جو میں بتانا چاہتی ہوں یہ ہے کہ سارے یہودی بچوں کو قربان نہیں کرتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ رسم وسیع پیمانہ پر رائج نہیں ہے۔

سوال: میں نے پہلی بار سنا ہے کہ یہودی بچوں کو قربان کرتے ہیں، لیکن تم بہرحال بچوں کی قربانی کی گواہ رہی ہو۔

جواب: درست ہے۔ جب میں بہت چھوٹی تھی تو انھوں نے مجھے مجبور کیا کہ اس رسم میں شرکت کروں اور ایک شیرخوار بچے کو قربان کروں۔

سوال: اس قربانی کا مقصد کیا تھا؟ تم کس لئے قربانی دیتے تھے؟

جواب: طاقت کے لئے۔

سوال: طاقت! کیا انھوں نے تم سے بھی کام لیا؟ یعنی تم سے بھی اس رسم میں استفادہ کیا؟

جواب: مجھے کئی مرتبہ ازار و اذیت اور جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔

سوال: تمہاری ماں کیا کررہی تھی؟ اس ماجرا میں اس کا کیا کردار تھا؟

جواب: ابھی تک میں نے اپنی تمام یادیں بیان نہیں کی ہیں لیکن میری ماں کا خاندان ان رسومات میں مکمل طور پر ملوث تھا۔ میری ماں نے مجھے ان اعمال اور رسومات کی طرف کھینچ لیاتھا بلکہ سچ یہ ہے کہ میرے ماں باپ دونوں نے مجھے اس کام میں ملوث کیا تھا۔

سوال: تمہاری ماں اس وقت کہاں ہے؟

جواب: وہ شکاگو میں رہائش پذیر ہے اور شہر کے انسانی تعلقات کمیشن کی رکن اور قابل احترام شخصیت ہے۔

ریچل:( مذید) میں نے بچوں کو قتل کرتے اور کھاتے ہوئے دیکھا ہے، صرف "طاقت" کے حصول کے لئے جو کھانے والے حاصل کرتے تھے۔ ان بچوں کو گھرانے کے اندر اور اسی مقصد کے لئے پیدا کیا جاتا تھا۔

ریچل: (مذید بتایا کہ)مجھے کئی بار جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا اور اپنے باپ کی جنسی زیادتی کی وجہ سے مجھے پانچ بار اسقاط حمل کروانا پڑا ہے۔

ریچل کا معالج ڈاکٹر بھی اوپرا نامی اس پروگرام میں موجود تھا لیکن یوٹیوب میں نشر ہونے والے اس کلپ سے اس کی باتیں حذف کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اب تک وہ اس قسم کے فرقوں کا شکار ہونے والے چالیس مریضوں کا علاج کرچکا ہے جن کا تعلق ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کی مختلف ریاستوں سے ہے اور وہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے لیکن ان سب کے تجربات بالکل ایک ہی طرح کے ہیں۔[79]

ہم سابقہ سطور میں یہ تذکرہ کرچکے ہیں کہ ٹالسٹائی نے وار اینڈ پیس نامی اپنے شہرہ آفاق ناول میں کچھ عرصہ کے لئے نواب پیرے کو ماسونی تنظیم کا رکن بنتا دکھایا تھا۔اس تحریر میں جو ڈرامائی صورت حال اس ضمن میں عیاں کی گئی ہے وہ بہت حد تک ان حوالوں اور لڑکی کے بیان سے کڑی جوڑتی نظر آتی ہے،اب اس امر کا فیصلہ بحرحال کرنا باقی ہے کہ جو کچھ اس ناول میں ٹالسٹائی نے منظر کشی کے ضمن میں پیش کیا ہے، اس کے پس پشت اس کے ذاتی تجربات شامل تھے یا کوئی اور

[79] https://faraan.org/%D9%82%D8%A8%D8%A7%D9%84%DB%81-%DA%A9%DB%8C-%D8%B1%DA%A9%D9%86-%DB%8C%DB%81%D9%88%D8%AF%DB%8C-%D9%84%DA%91%DA%A9%DB%8C-%DA%A9%DB%92-%D9%84%D8%B1%D8%B2%DB%81-%D8%AE%DB%8C%D8%B2-%D8%A7%D8%B9%D8%AA%D8%B1/

اس کسوٹی سے گزرا تھا ،جس نے اس کو یہ خبر دی تھی؟،اور یہ بھی ممکن ہے یہ صرف مطالعہ کے بعد زور قلم کی لب کشائی سے زیادہ کچھ نا ہو؟یہ سوال بھی ممکن تھا کہ کیا ٹالسٹائی خود فری میسنز کا کوئی رکن تھا یا نہیں؟ٹاسٹائی کہاں کھڑا تھا اس پر کچھ صراحت سے کہنا تو ناممکن ہے،ہاں جمال الدین افغانی کے شر پر بہت کچھ علی محمد صلابی گفتگو کرتے نظر آئے ہیں ،جس سے گمان غالب ہے کہ وہ بھی ماسونی تنظیم سے کوئی نا کوئی تعلق رکھتے تھے۔

**قبالہ کی ماہیت کا ماجرا:**

اس بابت ایک موقف اس کی یوں وضاحت کرتا دکھتا ہے کہ :قبالہ نامی سرئی تصور میں ارواح پرستی،پیری،فقیری،جادو ٹونے نما اعمال بھی ڈھونڈھنے سے مل جاتے ہیں، قبالہ یہودیت پر مبنی ایک مذہب ہے، اس لئے یہ موت کے بعد کی زندگی پر یقین رکھتا ہے، یعنی انسان کی موت کے ساتھ ہی اس کی روح دوسرے جسم میں جنم لیتی ہے۔ اپنے کرما یا "ٹکن" کو ٹھیک کرنے کے لیے ایسا عمل فرض نظریاتی طور پر مفروض کرلیا جاتا ہے،یہ سب ترقی کے عمل کا حصہ ہے۔ مزید برآں، روح دو پہلوؤں پر مشتمل بتائی جاتی ہے، ایک عورت اور ایک مرد۔ زندگی میں، الگ ہونے والی روحیں محسوس کر سکتی ہیں کہ ان کا ایک حصہ غائب ہے، لیکن جب وہ اپنی تکمیلی توانائیاں پاتے ہیں، تو وہ مکمل پن کا احساس محسوس کرتے ہیں۔[80]

آج جو بد اعتقادی،بدعات،سرئیت ،یا پھر حروف ابجد یا علم جفر نما روحانیت پائی جاتی ہے اس کی جڑیں بھی دور جا کر قبالی تصوف سے جا ملتی ہیں،آپ لوگوں نے دیکھا ہوگاکہ ابجد ہوز وغیرہ میں ہر حرف کو ایک عدد دیا گیا ہے۔ جیسے ا کا 1، ب کا 2 وغیرہ۔ پھر ان اعداد کے ذریعہ ناموں کے خواص، تاریخ وغیرہ نکالے جاتے ہیں۔ دراصل یہ چیز یہودیوں سے ہمارے معاشرے میں آئی ہے، اس کی کوئی اصل زبان سے لیا قرآن وسنت میں مجھے اب تک نہیں مل سکی۔ عبرانی میں اس طریقہ کار کو گیمطریا[81] کہتے ہیں، غالباً اس لفظ کو یونانی (גימטריה)گیا ہے، اور اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ عمل قبالہ (קַבָּלָה) سے متعلق ہے اور اس کے جو متون ہیں ان میں استعمال ہوتا ہے۔

(اس وقت میرے سامنے صفر یظیرہ (ספר יצירה) موجود ہے جس میں گیمطریا تو نہیں ہے لیکن فلسفہ وہی ہے۔ خیال رہے کہ یہ کتاب تالمود کے بعد یہود کے یہاں سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے، اگر کسی کو یہودی دماغ کا صحیح حدود اربعہ سمجھنا ہو تو اسے دیکھ لے اور موجودہ دور ان میں کی حرکات کاجائزہ لے)۔اب جو لوگ قبالہ سے کچھ بھی واقف ہوں گے تو وہ اس عمل کی حقیقت وماہیت کا کچھ اندازہ ضرور کرلیں گے۔قبالہ کیا ہے اس کے متعلق بس اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہودی روحانیین نے اس لفظ کے اصل تلفظ کوہی دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا ہے، چہ جائیکہ ہم بھی اس کے متعلق کچھ

[80] https://rvpapers.com/ur/kindred-souls-kya-hyn-rohanyt-kbalh-roh-ky-sathyon-aor-mzyd-ky-lyy
[81] geōmetriā

یقینی صداقت کے ساتھ پیش کرنے کی حالت میں ہوتے ۔ ہم آج بھی اس لفظ کے متعلق اندھیرے میں ہی ہیں کہ اسے کس طرح پڑھاجائے۔ قبالہ کی ماہیت وحقیقت تو خیر یہاں مختصراً ممکن نہیں اس لیے اسے کل پرچھوڑیں۔
البتہ اس عمل سے اجتناب زیادہ بہتر ہے۔[82]

ہم یہ دیکھتے کہ انجیل کی کتاب یرمیاہ میں آیات دس تا سولہ قبالہ کا لفظ دیکھنے کو ملتا ہے:

۱۰۔اور میں نے ایک قبالہ لکھا اور اُس پر مہر کی اور گواہ ٹھہرائے اور چاندی ترازو میں تول کر اُسے دے دی۔

۱۱۔سو میں نے اُس قبالہ کو لیا یعنی وہ جو آئین اور دستور کے مطابق سر بمہر تھا اور وہ جو کھلا تھا۔

۱۲۔اور میں نے اُس قبالہ کو اپنے چچا کے بیٹے حنمؔ ایل کے سامنے ، اُن گواہوں کے رُوبُرو جنہوں نے اپنے نام قبالہ پر لکھے تھے اور اُن سب یہودیوں کے رُوبُرو جو قید خانہ کے صحن میں بیٹھے تھے بارُوکؔ بن نیریاہؔ بن محسیاہؔ کو اسے سونپا۔

۱۳۔اور میں نے اُن کے رُوبُرو بارُوک کو تاکید کی ۔

۱۴۔کہ ربُّ الافواج اِسرآئیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ یہ کاغذات لے یعنی یہ قبالہ جو سر بُمہر ہے اور یہ جو کھلا ہے اور اُنکو مٹّی کے برتن میں رکھ تاکہ بہت دِنوں تک محفوظ رہیں ۔

۱۵۔کیونکہ ربُّ الافواج اِسرآئیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ اِس ملک میں پھر گھروں اور کھیتوں اور تاکستانوں کی خرید وفروخت ہو گی ۔

۱۶۔باروک بن نیریاہؔ کو قبالہ دیے کے بعد میں نے خداوند سے یوں دُعا کی۔[83]

مختلف کتابوں اور رسائل کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر یہ دعوی سامنے آتا ہے کہ طاقتور و بااثر شخصیات کا ایک گروہ پس پردہ رہتے ہوئے ''عالمی نظام حکومت '' چلا رہا ہے۔ اسی گروہ کے احکامات پر انقلاب آتے ہیں ، حکومتیں تبدیل ہوتی ہیں اور جنگیں جنم لیتی ہیں۔حتیٰ کہ دنیا کے ہر ملک میں مذہبی ، تہذیبی اور ثقافتی تبدیلیاں لانے کا ذمے دار بھی یہی خفیہ گروہ سمجھا جاتا ہے۔ چناچہ قدامت پسند مسلمانوں کا دعویٰ رہا ہے کہ پچھلے دو ڈھائی سو برس سے یہی گروہ مذہب کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ اسی نے مادر پدر آزاد تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا ہے اور مادہ پرستی کو بھی پروان چڑھایا ہے جس نے عظیم انسانی اقدار سادگی ، قناعت، رواداری ، صبر وبرداشت جیسی اخلاقی صفات تہس نہس کر ڈالی ہیں ۔

[82] محمد شیعب: ابجدی نظام
https://www.urduweb.org/mehfil/threads/%D8%A7%D8%A8%D8%AC%D8%AF%DB%8C-%D9%86%D8%B8%D8%A7%D9%85.52684/

[83] https://www.wordproject.org/bibles/ur/24/32.htm

مسلم مورخین و مصنفین کا دعویٰ یہ رہا ہے کہ عالمی سیاسی و معاشرتی نظام کنٹرول کرنے والے اس خفیہ گروہ نے برطانیہ، دیگر یورپی ممالک اور امریکا میں جنم لیا تھا۔ اور یہ گروہ اپنا ''نیو ورلڈ آرڈر'' دنیا والوں پر تھوپنا چاہتا تھا۔ ماضی میں اسے ''فری میسنری'' اور ''الومناتی'' کہہ کر پکارا جاتا تھا ۔ تب بادشاہ ، وزیر ، نواب، جنگی سردار اور بنیے اس گروہ کے رکن ہوا کرتے تھے۔جب دو سو سال قبل صنعتی انقلاب شروع ہوا، تو اس گروہ میں صدور اور وزرائے اعظم کے علاوہ سرمایہ دار، بینکار اور کاروباری (کارپوریٹ لیڈر) بھی شامل ہو گئے۔

اس گروہ کی مختلف شاخیں بیان کی جاتی ہیں مثلاً **بلڈربرگ گروپ، بوہمین کلب، کلب آف روم، کونسل آن فارن، ریلیشنز ، رہوڈس ٹرسٹ، سکل اینڈ بونز وغیرہ** ۔ مسلم دانش وروں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان گروہوں میں یہود کی کثرت ملتی ہے۔ یہ صہیونی یا انتہا پسند یہودی دنیا بھر میں اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی منزل پانے کی خاطر انہوں نے کچھ اصول وضع کئے ہیں جو ایک کتاب ''**دی پروٹوکولز آف دی ایلیڈز آف صھیون**'' میں درج کئے گئے ہیں۔

لیکن مغرب اور عالم اسلام کے کئی مورخین و دانش وروں کا دعویٰ مذکورہ بالا گروہ کے برخلاف یہ رہا ہے کہ یہ مفروضہ درحقیقت ایک سازشی نظریہ سازی کے ماسوا کچھ نہیں ہے کہ کوئی گروہ خفیہ طور پر اپنی عالمی حکومت قائم کرنا چاہتاہے۔ وہ کہتے ہیں،ماضی و حال میں خفیہ تنظیمیں ضرور وجود میں آئی تھیں لیکن ان کا دائرہ اثر عالمی سطح پر کبھی محیط نہیں رہا ہے اور نہ ہی وہ کوئی انقلاب برپا کیا کرتی تھیں یا کسی قسم کی حکومتیں تبدیل کیا کرتی ہیں۔

## اینسیسٹری موقف ،سچ ٹی۔وی کے دعوے اور ٹائیٹنک کی تباہی :

اس بحث میں جو نئی تحقیقات یا بیانات شامل کئے گئے ان میں اینسیسٹری موقف بھی سامنے آیا ہے چناچہ ڈی۔این۔اے اور مختلیف علمی ماخذات سے شجرہ نسب فراہم کرنے والی ویب سایٹ ''اینسٹری[84] نے حال ہی میں ایسے ''بیس لاکھ'' افراد کی ایک فہرست شائع کی ہے جو ۱۷۳۳ء تا ۱۹۲۳ء ' ' فری میسنری کے رکن رہے ہیں ۔ ان افراد میں کئی امریکی صدور، برطانوی وزرائے اعظم، جرنیل، جج ، سرکاری افسر اور پولیس افسر شامل بتائے جاتے ہیں۔

گویا اس فہرست[85] نے تصدیق کر دی ہے کہ دنیا کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی حالات حسب منشا انجام دینے کی خاطر حکمران طبقوں کی تنظیمیں یا اتحاد خفیہ طور پر کام کرتے رہے ہیں۔اور ممکن ہے،اب بھی سرگرم عمل ہوں۔ آج بھی دنیا بھر میں ''۶۰لاکھ'' افراد فری میسزی کے رکن سمجھے ہیں۔ ان میں سے تین لاکھ امریکا، ڈھائی لاکھ برطانیہ ، دو لاکھ فرانس اور بقیہ مختلف ممالک میں بستے

[84] www.Ancestry.com

[85] اس قسم کی فہرستوں کو جو تحقیقات کے نام پر پیش کی جاتی ہیں ان کو علمی،تحقیقی و درایتی بنیاد پر جانچنا یا پرکھنا بذات خود تحقیق و تخریب کی محتاج ہیں۔معج

ہیں[86]۔سچ ٹی۔وی۔کام کا تو یہ تک دعوی ہے کہ مشہور عالم تباہ شدہ بحری جہاز ٹائیٹینک کی تباہی کے ذمہ دار بھی فری میسنز مالکان اور ڈاریکٹرز تھے۔[87]

بلکہ وہ اس بحث میں بہت آگے چلے گئے ہیں اور یہ تک کہنے لگے ہیں کہ ۱۱۱۸ء میں یورپ کے نو جنگجوئوں نے یروشلم میں ایک عسکری تنظیم کی بنیاد رکھی جو تاریخ میں ''نائٹ ٹیمپلر'' کے نام سے معروف ہوئی تھی۔ یہ جنگجو بظاہر یروشلم آنے والے عیسائی مسافروں کو دوران راہ تحفظ فراہم کرنا چاہتے تھے لیکن ان کا اصل مقصد ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات میں کھدائی کرنا تھا۔یہ جنگجو قدیم علم، قبالہ کے طالب علم تھے۔ قبالہ ایک پُر اسرار علم ہے۔ اس کی بنیادیں کنعان، بابل اور مصر کے ان افراد نے رکھیں جو کالے جادو کے ماہر تصور ہوتے تھے۔ بعدازاں اس علم کو یہود نے مذید ترقی دی۔ لہذا مخصوص اعداد، اشارے اور علامتیں قبالہ کی رسومات اور جادو میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ درج بالا آٹھ صلیبی جنگجوئوں کو یقین تھا کہ ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات میں سے انہیں قبالہ کی کتب اور آثار مل جائیں گے۔

ان فری میسنری[88] کے ''بھائیوں'' نے ایک دوسرے کو بچانے کی خاطر تاریخِ انسانی کے نہایت المناک واقعے کی چھان بین نہیں ہونے دی ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ جم موریسن امریکا کا مشہور گلوکار و شاعر گزرا ہے۔ اس کا قول ہے کہ:''جو میڈیا کو کنٹرول کرے، وہ لوگوں کے ذہن کنٹرول کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔'' اس قول پر مغربی میڈیا بخوبی پورا اترتا ہے، میڈیا اب اتنا طاقتور ہوچکا کہ اب بدی کو نیکی اور اچھائی کو برائی میں بدلنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

مثال کے طور پر حال ہی میں امریکی شہر، سان برنارڈینو میں ایک مسلمان جوڑے نے فائرنگ کرکے چودہ افراد مار ڈالے۔ یہ واقعہ جنم لیتے ہی خصوصاً امریکی میڈیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا شروع ہو گیا۔کہا جانے لگا کہ اسلام مسلمانوں کو دہشت گرد بننے پر اکساتا ہے۔مغربی میڈیا یہ حقیقت کم ہی واضح کرتا ہے کہ پچھلے ڈیڑھ دو سو سال سے امریکا، برطانیہ، فرانس جیسی استعماری قوتوں نے عالم اسلام میں کیا خوفناک غدر مچا رکھا ہے۔ ان کی پالیسیوں ،سازشوں اور مسلم دشمنی کے باعث ہی مسلمان اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے۔

سونے پر سہاگہ یہ کہ مغربی میڈیا اپنے ممالک کی خامیاں اور کمزوریاں چھپانے کی بھر پور سعی کرتا ہے۔ مثلاً واقعہ سان برنارڈینو سے صرف ایک ہفتہ قبل یہ دلدوز انکشاف ہوا تھا کہ برطانیہ میں باقاعدہ منصوبہ بندی سے ٹائی ٹینک حادثے کے اصل مجرموں کو بچایا گیا تھا۔ یہ نہایت حیرت انگیز اور روح فرسا خبر تھی کیونکہ انسانی تاریخ میں حادثہ ٹائی ٹینک ہولناک ترین حادثوں میں شمار ہوتا ہے۔

---

[86] https://www.suchtv.pk/urdu/world/item/25568-titanic-culprit-escaped.html

[87] ایضاً

[88] دسمبر 14, 2015 نیوز ڈیسک :زمرہ: دنیا پُرسرار تنظیم

برطانوی میڈیا نے تو اس خبر کو کچھ نمایاں کیا تھا، مگر امریکیوں نے اسے گھاس تک نہ ڈالی۔ حالانکہ حادثے میں بیشتر مقتولین امریکا سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ منافقت اور بے حسی مغربی میڈیا کو جانب دار ہی نہیں مجرم بنا ڈالتی ہے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں تو نہایت سرگرم رہتا ہے، مگر اپنی کوتاہیوں، جرائم اور گناہ سامنے آجائے، تو معاملہ خاموشی سے پی جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ٹائی ٹینک کا المیہ بھی ایک ایسا ہی گناہ ہے جس نے ۱۵۰۰ سے زائد انسانوں کو قیمتی زندگیوں سے محروم کر ڈالا تھاٹائی ٹینک کی تباہی حادثہ نہیں جرم تھا جس نے انسانی لالچ و ہوس کے بطن سے جنم لیا۔ مگر برطانوی اور امریکی حکومتوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی سے اس جرم کے مرتکب مجرموں کو بچالیا کیونکہ وہ بااثر اور امیر افراد تھےیہ قابل افسوس امر ہے کہ اس دنیا میں کھلے عام سنگین غلطی،کوتاہی یا مفروض کردہ سازش کے سبب ۱۵۰۰ سے زائد انسان مرگئے، مگر اس سنگین جرم میں ملوث ''ایک مجرم'' کو بھی سزا نہیں مل سکی۔ جبکہ یہ مجرم اس لئے بھی بچ نکلے کیونکہ وہ پس پردہ رہ کر مصروف کار رہنے والی ایک پُراسرار تنظیم'' فری میسنری'' کے رکن تھے۔

یاد رہے،فری میسنری کا ہر رکن یہ حلف اٹھاتا ہے کہ وہ اپنے ''بھائی'' کی ہر حال میں مدد کرے گا ،چاہے اسے اس کے لئے کسی قسم کا کوئی قانون ہی کیوں توڑنا نا پڑے۔اس ساری المناک داستان کی کہانی بڑی ڈرامائی نوعیت کی حامل رہی ہے اور بہت سوں کے لئے کافی سبق آموز بھی ہے۔ جو یہ واضح کرتی ہے کہ امریکا اور برطانیہ جیسے ممالک میں بھی جہاں بظاہر قانون وانصاف کا بول بالا ہے،بااثر اور طاقتور افراد اپنی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر قانون کو پیروں تلے کچل ڈالتے ہیں۔انیسویں صدی کے اواخر تک دنیا بھر میں لاکھوں افراد بحری جہازوں کے ذریعے سفر کرنے لگے تھے۔ چنا چہ مسافر بردار بحری جہاز چلانا ایک منافع بخش کاروبار بن گیا تھا۔ اس وقت امریکی سرمایہ کار، جے پی مورگان دنیا کے امیر ترین افراد میں سے ایک تھا۔ اس نے کوششیں کیں کہ بحر اوقیانوس کے بحری اسفار پر اپنی اجارہ داری قائم کرلے۔

چناں چہ ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۲ء اس نے یکے بعد دیگرے امریکا اور برطانیہ کی وہ کئی کمپنیاں خرید لیں جو مسافر بردار جہاز چلاتی تھیں۔ انہی میں ٹائی ٹینک بنانے والی برطانوی کمپنی، وائٹ سٹار لائن بھی شامل تھی۔

۸۸۳فٹ لمبا اور ۴۶ ہزار ٹن وزنی ٹائی ٹینک اپنے زمانے میں دنیا کا سب سے بڑا بحری جہاز تھا۔ اس کو ایک سپر لگژری جہاز کے طور پر بنایاگیا تھا۔ جب یہ برطانوی بندرگاہ، سائوتھ ہمپٹن سے نیویارک روانہ ہوا، تو اس پر ۲۴۳۵ مسافروں سمیت ۳۳۲۷ افراد سوار تھے۔۱۴ اپریل کو یہ جہاز رات پونے بارہ بجے انجام کار ایک برفانی تودے سے جاٹکرایا۔ اور اس عظیم الجثہ برفانی تودے نے جہاز کے پیندے کی فولادی چادر پھاڑ ڈالی۔ جیسے ہی پانی جہاز میں داخل ہوا، یہ جہاز اگلے پونے تین گھنٹے میں ڈوب گیا۔ اس حادثے میں ایک اندازہ کے مطابق ۱۴۹۰ تا ۱۶۳۵ قیمتی جانیں ضائع ہوئی تھیں۔

اس سانحے کو تب بھی''حادثہ'' ہی قرار دیا گیا تھا۔ برطانوی اور امریکی حکومتوں نے حادثے کی تحقیقات کے لیے کمیشن بٹھائے۔ انہوں نے ''انسانی غلطی'' کو بنیادی وجہ قرار دیااور کہا گیا کہ کپتان اسمتھ سمیت پورا عملہ برفانی تودے سے لاحق خطرے کا صحیح طرح اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔

۱۹۸۵ میں سمندر میں ڈوبے ٹائی ٹینک کے دونوں حصّے دریافت ہوگئے۔ ماہرین فلزیات نے جب پیندے کے فولادی ٹکڑوں کا سائنسی تجزیہ کیا، تو انکشاف ہوا کہ فولاد غیر معیاری تھا۔ اسی لیے جب تودہ ٹکرایا، تو پیندے کا فولاد مڑا نہیں، ٹوٹ گیا۔ اس انکشاف نے لوگوں کے کان کھڑے کردیئے۔ انہیں محسوس ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

مزید تحقیقات سے یہ امر بھی نمایاں ہوا ہے کہ جہاز میں صرف بیس زندگی بچاو کشتیاں موجود تھیں، صرف اتنی کہ ۱۲۰۰ مسافروں کو بچا لے جاسکیں۔ اسی لیے ہر مسافر کشتی میں سوار ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ چنانچہ جہاز میں افراتفری مچ گئی۔ اس ہنگامے میں بعض لوگ کشتیوں پر چڑھتے ہوئے نیچے بھی جاگرے۔ دراصل جے پی مورگان ٹائی ٹینک میں زیادہ سے زیادہ لگژری سروسز دیکھنا چاہتا تھا تاکہ امرا کا دل خوش ہوجائے۔ اس نے حکم دیا کہ جہاز میں صرف بیس زندگی بچائو کشتیاں رکھنے کی جگہ ہی رکھی جائے۔ یوں جو جگہ بچی وہ آرائش و زیبائش کی اشیا لگانے میں استعمال ہوئی۔

# ایک گروہ کی عالمی سازشیں

سابقہ بحث کے تناظر میں یہ کہنا ممکن ہے کہ بہت سوں کے نزدیک یہ امر تسلیم کیا جاتا ہے کہ کم از کم فر ی میسنری برطانیہ اور امریکا کی حد تک تو درون خانہ سرمایہ دارانہ معیشت کے ان دو بانی مبادی ممالک میں طویل عرصہ سیاہ و سفید کی مالک رہی ہے۔

خاندانوں کے نسلی شجرہ ناموں سے متعلق مشہور ویب سائٹ ''اینسٹری.کام [89]نےحال ہی میں ایسے ''بیس لاکھ'' افراد کی فہرست شائع کی ہے جو ۱۷۳۳ء تا ۱۹۲۳ء کے دوران فری میسنری کے رکن رہ چکے ہیں ۔ ان افراد میں کئی امریکی صدور' برطانوی وزرائے اعظم' جرنیل' جج ' سرکاری افسر اور پولیس افسر شامل بتائے جاتے ہیں،جیسا کہ اس امر پر سابقہ سطور میں بھی بحث گزر چکی ہے۔

گویا ویب سایٹ[90] کے دعوے کی رو سے اس فہرست نے تصدیق کر دی ہے کہ دنیا کے سیاسی' مذہبی' معاشرتی اور ثقافتی حالات حسب منشا انجام دینے کی خاطر حکمران طبقوں کی تنظیمیں یا اتحاد خفیہ طور پر کام کرتے رہے ہیں۔اور ممکن ہے،اب بھی یہ تنظیمیں زیر زمین سرگرم عمل ہوں۔ آج بھی دنیا بھر میں ''٦٠لاکھ'' افرا د فری میسزی کے رکن باور کرائے جاتے ہیں۔ ان میں سے تین لاکھ امریکا' ڈھائی لاکھ برطانیہ ' دو لاکھ فرانس اور بقیہ مختلف ممالک میں بستے بیان کئے جاتےہیں۔مذکورہ بالا فہرست ہی سے یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ ٹائی ٹینک بنانے اور چلانے والی کمپنیوں کے مالک فری میسنری تھے ۔پھر ٹائی ٹینک ڈوبنے کے اندوہناک حادثے کے بعد مجرم پکڑنے کی خاطر جو سرکاری کمیشن بیٹھا تھا اس کے اکثر ارکان بھی فری میسنری تھے۔ اسی لیے ایک نہایت سنگین حادثہ جنم لینے کے باوجود اصل (فری میسنری ) مجرم سزا سے بچ گئے۔

اس سنگین حادثے کا ایک بڑا مجرم برطانیہ کا بورڈ آف ٹریڈ (وزارت تجارت) بھی تھا۔ چناچہ اس بورڈ نے ٹائی ٹینک کو سمندر میں ڈالنے کی اجازت دے دی حالانکہ اس میں صرف ۲۰ زندگی بچاو کشتیاں موجود تھیں ۔جبکہ ضروری تھا کہ دنیا کے اس سب سے بڑے مسافر بردار بحری جہاز میں کم از کم ستر اسّی کشتیوں کی جگہ زندگیاں بچانے کے لئے مخصوص ہوتی،مگر بورڈ نے اس ضمن میں بہت زیادہ تخلیق کار معماروں ، ادارہ کی صلاحیتوں اور احتیاط بندی کے متعلق غلط اندازے قایم کرکے بند آنکھوں کے ساتھ اسے سمندر میں اتار کر سفر کرنے کی اجازت عطا کردی تھی۔

---

[89] www.Ancestry.com

[90] ہم اس مبالغہ آمیز اعداد وشمار کیی حقیقت و اسناد کی بابت کچھ کہنے کی حالت میں نہیں ہیں،نا ہی اس بابت کچھ

اسناد رکھتے ہیں،چناچہ سچ ٹی۔وی نے اس مذکورہ بالا ویب سایٹ سے کہاں کیسے یہ نتیجہ اخذ کیا یہ دعوی بذات خود تحقیق کا محتاج ہے۔معج

کہنے کو تو ٹائی ٹینک حادثے کی تحقیقات امریکا اور برطانیہ میں بیک وقت انجام پائی تھیں۔ مگر دیکھا گیا تھا کہ امریکی تفتیش کاروں نے برطانوی بورڈ آف ٹریڈ کو ہی حادثے کا موجب ٹہرایا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ٹائی ٹینک کی مالک کمپنی، وائٹ سٹار لائن اپنے تعلقات کے بل پر جہاز کو بورڈ آف ٹریڈ سے منظور کرانے میں کامیاب رہی تھی۔ حالانکہ جہاز زندگی بچاو کشتیوں کی شدید کمی کے باعث سفر کے قابل نہیں تھا۔

اب یہ امر بھی افشا ہوا کہ ہے تب برطانوی بورڈ آف ٹریڈ کا سربراہ، لارڈ سڈنی بکسٹن تھا جو ایک دعوے کی رو سے فری میسنری رکن تھا۔ اسی وزیر تجارت نے ٹائی ٹینک ڈوبنے کی تحقیقات کرنے والی جو کمیٹی بنائی، اس کا سربراہ لارڈ مرسے[91] مقرر کی گیا تھا اور یہ کمیٹی بھی ناقدوں کی رو سے فری میسنری تنظیم سے متعلقہ افراد پر مشتمل تھی۔یہی نہیں کمیٹی کے پانچ ارکان میں سے دو اہم رکن، پروفیسر جان ہارورڈ اور سینئر انجینئر، ایڈورڈ چیسٹن بھی فری میسنری بیان کئے جاتے ہیں۔ ان سبھی فری میسنریوں کے نام شائع ہونے والی فہرست میں شامل ہیں۔

**فہرست آشکار کرتی ہے کہ**

برطانوی صنعت کار ادارہ ہارلینڈ اینڈ ولف ہیوی انڈسٹریز ٹایٹینک کا معمار تھا اور لارڈ ولیم پایری[92] جو اس کمپنی کا مالک تھا وہ بھی درون خانہ ایک میسنری تھا۔ اسی کمپنی نے بیلفاسٹ بندرگاہ میں ٹائی ٹینک تعمیر کیا تھا۔ یہی لارڈ ولیم ٹائی ٹینک کی مالک وائٹ سٹار لائن کمپنی کا ڈائریکٹر بھی تھا۔گویا ایک سوسال سے زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد اب انکشاف ہوا ہے کہ برطانوی فری میسنریوں نے مل کر ٹائی ٹینک حادثے کی ذمے داری انسانی خطا پر تھونپ دی تھی جبکہ بذاتِ خود یہ لوگ نتیجتاً معصوم اور خطا سے مبرا قرار پائے تھے۔ یہ عمل ایک طرح سے قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف سمجھا جاسکتا ہے۔ بلکہ واضح طور پر یہ ان سیکڑوں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں پر ظلم ہے جو ٹائی ٹینک حادثے میں اپنی قیمتی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

برطانوی صحافی، نک کامپٹن نے ٹائی ٹینک حادثے کی وجوہ جاننے کے لیے عرق ریزی سے کی تھی۔ اسی تحقیق کی بنیاد پر اس کی کتاب ''ٹائی ٹینک آن ٹرائل [93]''کچھ سالوں قبل سامنے آئی تھی ۔ وہ حالیہ انکشاف کے متعلق کہتا ہے:''برطانیہ میں حادثے کی تفتیش ایک طرح سے''خانہ پری'' کے انداز میں ہوئی تھی۔ وجہ واضح تھی کہ حادثے کا موجب بننے والی طاقتور شخصیات کو کسی طرح بھی مجرم نہ ٹھہرایا جائے۔ تحقیق کی محدودیت و کمزوری کا یہ عالم تھا کہ دوران تفتیش ٹائی ٹینک کے صرف ''تین مسافروں سے انٹرویو کیا گیا تھااور وہ سبھی لوگ فرسٹ کلاس کے مسافر تھے۔

[91] Lord Mersey-
[92]Lord Pirrie-
[93] Titanic on Trial-

نک ہمیں اس تحقیق میں بتاتا ہے کہ ''حتیٰ کہ ٹائی ٹینک کا کپتان،اسمتھ بھی بے گناہ قرار دیا گیا ۔ کمیٹی کا کہنا تھا کہ برفانی تودے کے قریب سے دیگر بحری جہاز بھی تیزی سے گزرتے رہے ہیں۔ برطانوی کمیٹی کی چھان بین کے دوران سب سے زیادہ تنقید بحری جہاز، کیلی فورنین کے کپتان پر ہوئی۔'' (جب ٹائی ٹینک ڈوب رہا تھا، تو کیلی فورنین صرف 8 میل دور موجود تھا۔ لیکن کپتان سمیت عملہ جہاز نے ڈوبنے والوں کی کوئی مدد نہ کی تھی)۔

ویسے اہم بات یہ ہے کہ افشا کردہ فہرست میں جے پی مورگان کا نام شامل نہیں کیا گیا ہے، معترضین کی رو سے وہ بھی سکہ بند قس کا ایک فری میسن تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا نام دانستہ فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہو،کیونکہ پھر ٹائی ٹینک حادثے کی سازش پوری طرح بے نقاب ہوجاتی۔ قیاس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اخراجات کم سے کم رکھنے کے لیے مورگان کے حکم پر ٹائی ٹینک میں غیر معیاری فولاد اور اسٹیل استعمال ہوا تھا۔ اگر جہاز کا پیندا معیاری ہوتا، تو وہ تودے سے ٹکرانے پر ٹوٹتا نہیں بلکہ نتیجتاً صرف مڑجاتا۔ یوں تصادم سے پیندے میں چھوٹے سوراخ بھی جنم لیتے، تو بھی بدقسمت جہاز مقابلتاً زیادہ گھنٹے یخ بخ سمندر میں تیرتا رہتا۔ یوں تقریباً سبھی مسافروں کی جانیں بچائی جاسکتی تھیں۔یہ بھی یاد رہے کہ ٹائی ٹینک چودہ اپریل کی رات تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔ وجہ یہ کہ جے پی مورگان اپنے جہاز کو صرف لگژری ہی نہیں بلکہ ایک تیز رفتار جہاز بھی ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس کا بینادی مقصد یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ مسافر اسی کے جہازوں کو ترجیح دیں۔

بعض امریکی محققین کا تو دعویٰ ہے کہ جے پی مورگان نے ایک سازش کے تحت ٹائی ٹینک کو ڈبویا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مورگان امریکا میں بینکاری کا نیا نظام (فیڈرل ریزرو) قائم کرنا چاہتا تھا۔ مگر تین طاقتور امریکی شخصیات، جان جیکب آسٹر، بنجمن گگنہیم اور عیسیٰ سٹراس اس نظام کے مخالف تھے اور یہ تینوں ٹائی ٹینک پر سوار تھے۔

ایک بیانیہ کی رو سے معلوم پڑتا ہے کہ جے پی مورگان نے بھی ٹائی ٹینک پر سفر کرنا تھا۔ اور اس کے لیے پورا ایک لگژری کمپارٹمنٹ مخصوص تھا ۔ مگر جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے تین طاقتور مخالف جہاز پر سفر کر رہے ہیں' تو اس نے بہانہ بنایا اور ٹائی ٹینک پر سوار نہیں ہوا۔ یوں اس کے تینوں مخالف ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں فیڈرل ریزرور بینک کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی۔ گویا اپنے مفادات کی خاطر جے پی مورگان نےپندرہ سو بے گناہ انسان مار ڈالے۔ اگر یہ انکشاف واقعی حقیقت رکھتا ہے تو سمجھیں کہ مورگان ایک سفاک قاتل تھا۔

# قبالہ،یہودیت اور ماسونیت کے تاریخی اسرار

## کلیسا اور بادشاہت کے مابین کشمکش:

فری میسنری اور الومناتی کے مخالف دانشوروں کا کہنا ہے کہ یہ دونوں تنظیمیں مذہب کو نیست و نابود کرنے کی خاطر وجود میں آئی تھیں ،مگر جوہری طور پر اس تنظیم کا تعلق معترضین جس گروہ سے جا ملاتے ہیں وہ سامی المذاہب کا خاص مذہب یہودیت قرار پاتا ہے ۔ ان تنظیموں کا اصل مقصد جوہری طور پر ناقدین کے مطابق دنیا میں انسانی ساختہ اصول و قوانین کو رائج کرنا ہے،جسے ہم آج کل انسانی حقوق کے فلسفہ اور اعلامیہ کی صورت میں رایج دیکھتے ہیں، تاکہ مذہبی واخلاقی قوانین کا خاتمہ ہوسکے اور جمہوری نمایندوں کے اختراع کردہ قوانین و احکامات شرعی احکامات کی جگہ لے سکیں،یوں موجودہ دنیا میں انسانی لبرل سیکولر قوانین اور شرعی قوانین میں ریاستی سطح پر تصادم جاری و ساری ہے ۔ ویسے بھی دیکھا گیا ہے کہ ان دونوں تنظیموں کی تاریخ حیرت انگیز اور تعجب خیز رہی ہے۔

یہ ۱۹۷۵ء کی بات ہے کہ جب مغربی کلیسا (رومن کیتھولک کلیسا) کے سربراہ اور ایک سو ستانویں پوپ‘ گریگوری ہفتم نے اعلان کیا کہ پوپ ایک بادشاہ کو ہٹانے کی قدرت رکھتا ہے ۔اس اعلان نے پوپ کو دنیائے مغرب میں سب سے طاقتور شخصیت بنا دیا ۔ مگر اس اعلان کو مقدس سلطنت روما کے بادشاہ‘ ہنری چہارم نے قبول نہیں کیا۔ چنانچہ بادشاہ اور پوپ کے مابین تنازع اٹھ کھڑا ہوا۔

یہ مناقشہ پھر اتنا بڑھا کہ پوپ گریگوری ہفتم نے ہنری چہارم کو عیسائیت ہی سے خارج کر دیا۔ جواب میں بادشاہ نے ایک اور پادری‘ گوئی برٹ کو کلمینٹ سوم کے خطاب سے نیا پوپ بنوا دیا۔ ۱۰۸۴ء میں جب گریگوری ہفتم مرا‘ توا س کے حمایتیوں نے ۱۰۸۸ء میں ایک فرانسیسی پادری ‘ اوڈو نامی کو اربن دوم کا خطاب دے کر نیا پوپ بنوا دیاپوپ اربن دوم اب یورپی ممالک میں گھومنے پھرنے لگا تاکہ عوام کو اپنا حمایتی بنا سکے۔ اس نے عوام کے مذہبی جذبات سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوششیں کیں تاکہ اپنے مسائل کا حل نکال سکے۔ اسی کوشش کے بطن سے پہلی صلیبی جنگ نے جنم لیا۔

اس وقت مشرقی کلیسا کے عیسائی بازنطینی سلطنت میں زندگی گزار رہے تھے۔ تبھی سلجوقی مسلمان بازنطینی سلطنت پر حملے کرنے لگے۔ وہ لوگ عقیدتاً قسطنطنیہ فتح کرنا چاہتے تھے۔ پوپ اربن دوم مقابلتاً یہ تبلیغ کرنے لگا کہ مسلمان بازنطینی عیسائیوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔( اس الزام میں صداقت بہت کم تھی) لہٰذا مغربی کلیسا کے لوگوں کو اپنے ہم مذہبوں کی مدد کرنا چاہیے۔ چناچہ موصوف نے عوام اور یورپی نوابوں کے مذہبی جذبات مشتعل کر کے اچھی خاصی فوج کھڑی کر لی تھی۔ اسی فوج کے ذریعے پہلی صلیبی جنگ کا آغاز ہوا اور یورپی مسیحی حملہ آور ۱۰۹۹ء میں یروشلم پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہے۔

۱۱۱۸ء میں یورپ کے نو جنگجوئوں نے یروشلم میں ایک عسکری تنظیم کی بنیاد رکھی جو بعدِ ازاں تاریخ میں ''نائٹ ٹیمپلر'' کے نام سے معروف ہوئی۔ یہ جنگجو بظاہر یروشلم آنے والے عیسائی مسافروں کو دوران راہ تحفظ فراہم کرنا چاہتے تھے لیکن ایک دعوے کی رو سے ان کا اصل مدعا و مقصد ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات میں کھدائی کرنا تھا۔

یہ جنگجو قدیم علم، قبالہ کے طالب علم بتائے جاتےتھے۔ اوپر کی بحث سے یہ امر واضح ہے کہ یہودی نوعیت کا حامل تصوفی قبالہ ایک پُر اسرار علم ہے۔ اس کی بنیادیں کنعان، بابل اور مصر کے ان افراد نے رکھی تھیں جو کالے جادو کے ماہر ہوا کرتے تھے۔ بعدازاں اس علم کو یہود نے مذید ترقی دی۔مخصوص اعداد، اشارے اور علامتیں قبالہ کی رسومات اور جادو میں بہت اہمیت رکھتی ہیں،یہی اعداد و علامتیں بعد ازاں مسلم تعویز گنڈوں،علم جعفر ،اور علم جعفر کی بنیاد بنے چناچہ شمع شبستانِ رضا نامی کتاب ایسے ہی اسرار کا مسلم نمونہ و چربہ نظر آتی ہے۔ صلیبی جنگجووں کے ایک مخصوص گروہ کو یقین تھا کہ ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات میں سے انہیں قبالہ کی کتب اور آثار مل جائیں گے۔

یہ ۱۸٦۰ء کی بات ہے جب برطانوی فوج کے دو انجینئروں نے ہیکل کے نیچے کھدائی کی تھی۔ وہ ایک سروے کرنا چاہتے تھے۔ تبھی انہیں وہاں سرنگوں کا ایک جال نظر آیا۔ یہ سرنگیں انہی نو نائٹ ٹیمپلروں نے کھودی تھیں[94]۔ خیال ہے کہ انہیں ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات سے خاصے آثار و نوادرات ملے تھے اور ایسی کتب بھی میسر ّئی تھیں جن میں کالے جادو اور پُراسرار رسومات کے متعلق معلومات درج تھیں۔

قیاس ہے کہ قبالہ کی کتب پاکر نائٹ ٹیمپلر پُراسرار رسومات کے گورکھ دھندے میں پھنس گئے۔ وہ کالا جادو سیکھ کر غیر معمولی طاقتیں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یوں پھر وہ دنیا کے حاکم بن سکتے تھے۔ نائٹ ٹیمپلر کالا جادو سیکھ کر فوق البشر تو نہ بن سکے، مگر ان کے جانشینوں میں آج تک یہ تصّور ضرور پنپ رہا ہے کہ دنیا پر حکمرانی کرنے کا دیرینہ خواب پورا کیا جائے۔

چونکہ قبالہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے تنظیم کا ڈھانچہ اسرار و رموز پر مبنی تھا۔ بیرونی لوگوں کو قطعی علم نہ تھا کہ تنظیم میں کام کیسے ہوتا ہے۔ اسی کا سردار ''گرینڈ ماسٹر'' کہلاتا تھا ۔ جبکہ اس کے نائبین کو ''ماسٹر'' کہا جاتا تھا۔ ان ماسٹروں کا حکم ''خدا کا لفظ'' سمجھا جاتا تھا جسے نائٹ ٹیمپلر ہر صورت انجام دیتے تھے ۔ اتنا تو طے ہے کہ تنظیم میں نہایت چھان پھٹک کر نئے ارکان شامل کئے جاتے تھے۔[95]نایٹ ٹیمپلرز کے انجام کی بابت ہم اس تحریر میں اوپر بی۔بی۔سی اوردو کی رپورٹ پیش کرچکے ہیں انہی ٹیمپلرز پر ایک سیریز ہسٹری ٹی۔وی:دی نائٹس کے نام سے بھی پیش کرچکا ہے۔

---

[94] اس قسم کے تمام دعوے و مواقف بذاتِ خود تحقیق کے محتاج ہیں۔معج

[95] ایضاً

اب ہم ایک دفعہ پھر قبالہ کی طرف پلٹتے ہیں جس کی تاریخ بہت سے حضرات کے دعووں کی رو سے یہودیوں میں سلیمانؑ کے دور سے جاملتی ہے،مگر ہمیں قران سے یہ بنیاد ہاروت ماروت سے سفرکرتی ہوئی موسیٰؑ کے ذکر کے ضمن میں سامری کے قصے سے جاملتی دکھائی دیتی ہے، جس نے ایک فرشتہ کے گھوڑے کی پاوں کی مٹی سے سونے سے ڈھلے بچھڑے میں آواز پیدا کروادی تھی،دوسری طرف اہل معقولیت یہ منطقی دلیل پیش کرتے نظر آتے ہیں کہ چونکہ بچھڑا اندر سے کھوکھلا تھا ، لہذا جب ہوا اس سونے کے کھوکھلے وجود سے نکل کر خارج ہوتی تھی،تو صوتی اثرات پیدا ہوکر قابل سمع آواز پیدا کردیتی تھی، اس پر لوگ یہ گمان کرنے لگتے تھے کہ یہ بچھڑا اُن سے بات کررہا ہے،یعنی انکا نیا معبود بچھڑا ان سے کلام فرما رہاہے،حلانکہ یہ صرف سامری کی صنعت گیری کے ماسوا کچھ نہیں تھی،ممکن ہے کہ سامری نے رب الافواج خداوند قدوس پر ایمان رکھتے بت کے مطالبہ کار کو یہ کہا ہو کہ اس کی اصل بنیاد حقیقت میں وہیں سے تعلق رکھتی ہے،جہاں سے موسیٰؑ کی جڑیں جا ملتی ہیں کیونکہ میں نے اس مقدس فرشتہ کے سم کی مٹی لے کر اس بچھڑہ میں جان ڈالنے کی کوشش کی ہے جو موسیٰؑ پر بھی اترا کرتا تھا،قصص میں ہم اس ضمن میں اسی قسم کی باتیں لکھی پاتے ہیں۔

خیر سلیمانؑ کے دربار سے جنات کے متعلق ہونے کی شہرت نے بھی بہت سے یہودیوں کو ان کھیل تماشوں کی طرف راغب کردیا تھا، چناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ،(کچھ داستانوں کی رو سے)سلیمان علیہ السلام کے دور میں لوگ براہِ راست جنّات اور شیاطین سے بات کیا کرتے تھے[96]۔ کہنے کو جنات اور شیاطین ایک ہی مخلوق کے دو نام شمجھے جاتے ہیں ، مگر یاد رکھیں کہ لفظ جنات عموم کا ظاہر کرتا ہے تو دوسری طرف لفظ شیطان شر پسند ،تخریب کار ،نیکی کے دشمن باطل کا پیروکار قرار پاتا ہے،جبکہ جنات نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی ہوتے ہیں یعنی جنات میں مسلمان جنات اور کافر جنات دونوں قسم کے جنات پائے جاتے ہیں ۔ مسلمان جنات کو بھی عموم میں جن ہی کہا جاتا ہے جبکہ کفار جنات کو شیاطین کہا جاتا ہے۔ یہودی لوگ شیاطین سے جادو سیکھتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد انہوں نے جادو پر مکمل طور پر یقین کر لیا تھا اور اسے روحانی علم کا درجہ دے دیا تھا ، جس کا ذکر میں اوپر تفصیل اور باحوالہ کر آیا ہوں۔

لہذا جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں بھیجا گیا تو یہودیوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا اور بولنے لگے کہ آپ ہمارے مسیحا نہیں ہیں، بلکہ ہمارا مسیحا تو کوئی اور ہے۔ یہ جس مسیحا کا انتظار کر رہے تھے وہ دجال سمجھا جاتا تھا کیونکہ ان یہودیوں نے جب کبالہ نامی جادو سیکھا تو وہ اس جادو کے ذریعے کسی اور دنیا سے مخاطب ہواکرتے تھے،چناچہ وہ جس دنیا کی بات کر رہے ہوتے تھے وہ ابلیس کی دنیا سمجھی جاتی تھی جسے وہ روحانی دنیا کہا کرتے تھے۔ اس طرح وہ شیطانِ اکبر یعنی ابلیس سے براہِ راست ہم کلام ہونے کی کوشش کرتے تھے، ایک قول کی رو سے اسی نے انہیں بتایا تھا کہ تمہارا مسیحا کوئی اور نہیں دجال ہے۔ یہ لوگ چھوٹے شیاطین سے تو بات کرتے ہی تھے اب شیطانِ اکبر سے بھی باتیں کرنے لگے جس سے باتیں کرنے کا راستہ انہی چھوٹے شیاطین نے ہموار کرکے دیا ہوگا اور یوں یہ لوگ شیطان اور اس کی باتوں پر من و عن ایمان لے لائے تھے۔

---

[96] سلیمانؑ جنات سے گفتگو کیا کرتے تھے یا کل عوام شیر و شکر ہوکر کلام کرتی تھی یہ امر تحقیق کا محتاج ہے۔معج

دراصل یہ کبالہ نامی جادو شیطانیت اور سفلیات سےتعلق رکھتا ہے جو کیمیائی، جادوئی، برقیاتی لہروں یا ہیپناٹزم کے ذریعے دماغ اور اس کی سوچوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ کبالہ جادو، جادوئی دنیا کا سب سے خطرناک جادو ہے اس کے ذریعے یہ ایلومیناتی جو کہ دنیا کا ایک فیصد کا ہزارواں گروہ سمجھا جاسکتا ہے شیطان سے براہِ راست ہمکلام ہوتے ہیں اور شیطان انہیں دنیا کو گمراہ کرنے اور اس پر حکمرانی کرنے کے نت نئے حربے سمجھاتا ہے جس کو اپنا کر یہ لوگ دولت شہرت اور حکمرانی کے خواب کو پورا کر چکے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ اس کبالہ نامی جادو کی شروعات کب کیسے اور کہاں سے ہوئی۔

بائیبل میں شیطانِ اکبر یعنی ابلیس کا نام لوسیفر بتایا گیا ہے جس کا مطلب ہے روشنی کا علمبردار۔ دراصل شیطان کو لوسیفر تب(تپ:بمعنی عبادت و ریاضت) کی بناء پہ کہا گیا ہے ،کیونکہ تخلیق، کاینات سے قبل ایک دور ریاضت قبل از تخلیق ہوا کرتا تھا،جب وہ اللہ کا فرمانبردار ہوا کرتا تھا کیونکہ کے معنی صبح کا بیٹا ہے۔ یہ تنظیمیں آج بھی شیطان کو اچھا مانتی ہیں اس لیئے وہ شیطان کو لوسیفر ہی کہتے ہیں اور شیطان یعنی لوسیفر کو علم دینے والا اور پرنور مانا جاتا ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ لوسیفر ہر چیز،بشمول علوم و نور کا منبعہ سمجھا جاتا ہے ۔ اِن تنظیموں کا اس بات پر ایمان ہے کہ لوسیفر یعنی شیطان ایک نیک ہدایت یافتہ وجود ہے ۔

البرٹ پائک جوکہ فری میسنری کے فاونڈرز میں سے ایک سمجھا جاتا تھا وہ ایک ۳۳ ڈگری کا حامل فری میسنری ہوا کرتا تھا، جیسے ہمارے ہاں درجہ بدرجہ اولیاء اللہ اور تقویٰ کے لحاظ سے بڑی بڑی ہستیاں ہوتی ہیں بالکل اسی طرح ان کے ہاں بھی بتدریج ابلیس کے پجاری ہوتے ہیں جس میں سب سے بڑا درجہ ۳۳ ڈگری کا سمجھا جاتا ہے۔ البرٹ پائک کی کتاب مورالس اینڈ ڈوگما[97] آج بھی فری میسنری کے سٹوڈنٹس کو رہنمائی کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کے کچھ کلمات آپ سے شیئر کرتا چلوں جیسا کہ ایک جگہ البرٹ پائک لکھتا ہے کہ:

**’’کوئی شک نہیں یہ لوسیفر ہی ہے جس کے پاس تمام انوار ہیں تمام روشنیاں ہیں۔‘‘**

اسی لئے یہ تمام لوگ کو کرنٹ بلٹ سے تشبیہ دیتے ہیں اور اکثر یہ لوگ جسم کے مختلف اعضاءپر کرنٹ کے نشان نما نشانات بناتے پھرتے ہیں۔کہا جاتا ہے دنیا کی مکمل آبادی میں سے صرف ایک فیصد الومیناتی ہیں جو کہ دنیا کے امیر ترین لوگ ہیں اور یہ تیرہ بلڈ لائنز یعنی خاندان ہیں جو نسل درنسل شیطان کی پوجا کرتی آرہی ہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ ٹرمپ یا اوبامہ الومیناتی ممبر ہے تو غلط ہے کیونکہ یہ لوگ کسی کو بھی اپنی خفیہ تنظیم میں شامل نہیں کرتے ہاں مہرہ بنا کے اپنی انگلیوں پہ ضرور نچوا سکتے ہیں یعنی جو لوگ مشہور ہونا چاہتے ہیں یا پیسہ کمانا چاہتے ہیں وہ شیطان سے سودا کر کے اسے اپنی روح بیچ دیتے ہیں اور ہمیشہ الومیناتی کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں پھر وہ جیسا کرنے کو بولتے ہیں انہیں ویسا کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی ممبر ایلومیناتی کے کسی قانون اور رول کی خلاف ورزی کرے تو اسے عبرتناک طریقے سے مار دیا جاتا ہے۔ فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والی اکثر شخصیات ایلومیناتی کی ممبر ہوتی ہیں۔

[97] Morals and dogmas.

سازشی نظریات پر اعتقاد رکھنے والوں کو پاکستان میں بھی کچھ چہرے اس کے آلہ کار نظر آتے ہیں،جیسا کہ دیکھا گیا کہ قندیل بلوچ ایک عام سی یو ٹیوبر،ٹک ٹاکر نما ماڈل تھی جسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچایا گیا اور پھر کسی رول کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے قتل بھی کردیا گیایہ بھی مانا جاتا ہے کہ الومیناتی کی تیرہ نسلیں بینک اونرز، ایجوکیشنسٹ، سیاستدانوں پر مشتمل پائی جاتی ہیں اور کل ، دنیا کا الیکٹرانک میڈیا ان کے کنٹرول میں ہے۔ اور ان کا ایک خاص مقصد صرف اور صرف دنیا سے تمام مذاہب خاص طور پر اسلام کو ختم کرنا ہے تاکہ سارے بنی نوع انسان کسی اختلاف و نزاع کے بغیر ایک پلیٹ فارم پہ جمع ہو کے دجال کو خدا مان لیں اور جسے ان کی زبان میں نیو ورلڈ آرڈر کہا جاتا ہے۔

الومیناتی کی تیرہ نسلوں میں ایک خاندان ڈیوِڈ فیلپ کا جبکہدووسرا خاندان روتھس چائلڈ کا بیان کیا جاتا ہے یہ دونوں خاندان پوری دنیا کے فائی نینشل سسٹم اور امریکہ کے فیڈرل ریزرو بینک کے مالک ہیں ، یہ لوگ اسّی سے نوّے فیصد کنٹرول دنیا پہ پا چکے ہیں۔ خیر اسی فیڈرل بینک سے قرضہ لے لے کر امریکہ ان کا غلام بن چکا ہے اور اگر کہا جائے کہ امریکہ کے صدور ان کے ہاں گائے بھینس سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے تو غلط نہیں ہوگا۔

یہ تیرہ کے تیرہ خاندان کٹر یہودی گروہ ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ یہودی کسی طور مسلم دوست نہیں ہو سکتے ہیں اور ان لوگوں کی ذہنیت ہمیشہ سے شیطانیت کی حامل رہی ہے شائد یہی وجہ ہے کہ شیطان نے اپنی عبادت کے لئے ان کا انتخاب کیا ہے۔ یہ لوگ بظاہر اچھے اچھے کام کرتے ہیں انسان کی آسائش اور آسانی کے لئے طرح طرح کے فلاحی کام کر کے لوگوں کی ہمدردی اور ان کا بھروسہ جیتتے ہیں لیکن پسِ پردہ ان کے مقاصد شیطانیت کو پروموٹ کرنا ہوتا ہے۔ ان کا طریقہ کار یہی ہے کہ پہلےیہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتے ہیں، چاہے وہ سیاست کا میدان ہو یا فلموں کی دنیا وغیرہ ہو یہاں یہ لوگ اپنے اداکاری کے جوہر دکھا دکھا کر لوگوں کے فیورٹ ہیرو اور سیاست دان بن جاتے ہیں نتیجتاً لوگ انہیں اپنا مسیحا اور اپنا آئیڈیل سمجھ کر ان کے چال چلن کو فالو کرنے لگ جاتے ہیں بلکہ اس سے ایک حد آگے جاکر انہیں سپورٹ کرنے لگتے ہیں اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ ان کا شکار جال میں پھنس چکا ہے تب بہت ہی غیر محسوس انداز میں ان کی مائنڈ پروگرامنگ کر کر کے شیطانیت کو پروموٹ کرنے لگ جاتے ہیں۔[98]

اس ساری بحث کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ عبدالوہاب شیرازی کا بیان کردہ الیومناٹی سے تعلق رکھتا یہ سازشی نظریہ سازی کا بیانیہ اگر سابقہ سطور سے ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوجائے گا ،ان لوگوں پر الزامات کی نوعیت کافی شدید و تباہ کن نوعیت کی حامل ہے۔

---

[98] عبدالوہاب شیرازی:نکتہ:
https://www.nuktaguidance.com/jadu-nagri-episode5/

# جمال الدین افغانی کی حقیقت کیا تھی؟

پاکستان کا قریباً ہر میٹرک اور انٹر کا طالب علم اگر جس نے سرسری سا بھی مطالعہ پاکستان کا مضمون پڑھا ہو تو وہ لازمی جمال الدین افغانی کے نام سے واقف ہوگا، چناچہ ہم بچپن سے جمال الدین افغانی اور ان کی پان اسلام ازم کی بابت پڑھتے چلے آئے ہیں ،انھیں مسلم جدیدیت کے بانیوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مشہور مصری عالم محمد عبدہ جو خود کافی جدید الطبعیت واقع ہوئے تھے اور ان کے تلمیذِ رشید بیان کئے جاتے ہیں۔

عبدہ اور ان کے شاگرد علامہ رشید رضا کون تھے؟ اس سے علمی حلقہ غافل نہیں ہیں ، یاد رہے کہ سید رشید رضا مابعد راسخ العقیدہ اسلام کی طرف پلٹ گئے تھے اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے موقف کے موافق ہوتے گئے تھے،مگر ان میں مصر و جامعہ ازہر سے تعلق نے ایک معقولی منہج کسی نا کسی سطح پر برقار رکھی تھی،اتنا تو سب پر عملی طور پر واضح ہے کہ ہماری حکومتوں سے سیاسی جماعتوں تک لوگ چونکہ جدیدیت پسند روشن الخیال مسلم فکر کو پسند کرتے چلے آئے ہیں لہذا ہماری ریاست نے اقبال ،جناح ،سید احمد،نیاز کی طرح ان پر مضامین کو بھی ہمارے نصاب میں جگہ عطا فرمائی ہے۔افغانی کی بابت کوئی زیادہ محقق کتب و ذرایع کثرت سےموجود نہیں پائے جاتے ہیں۔نا ہی اہل وطن ان سے براہ راست کسی طویل تعلق سے واقف معلوم پڑتے ہیں دوسری طرف ہمارے نصابی مضامیں و معلومات کے ماخذات کیا رہےہیں اس بابت ہم کچھ نہیں جانتے ہیں۔

مگر جانچنے و پرکھنے سے اتنا ضرور معلوم پڑتا ہے کہ مصر و عرب کے علما کافی حد تک ان سے واقف حال تھے ،جبھی انکی رائے ان کے متعلق کچھ خاص نہیں رہی ہے،ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی کی جو تحریر مابعد اس تحریر و تحقیق کے اختتام پر قارین کے سامنے سلطان عبدالحمید کی حیات کے ضمن سامنے آئیگی اس میں جمال الدین کو ماسونی،جدت پسند،باغی،اور تخریبی سرگرمیوں کا حامل قرار دیا گیا ہے،اور بتایا گیا ہے کہ خود سلطان عبدالحمید کو بھی ان کی ریاست مخالف حرکات و سکنات پر تحفظات لاحق تھے۔ چناچہ خود جید عالم مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی ( م ۱۹۹۹ء ) نے بھی اپنی کتاب ’’ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ‘‘ میں جمال الدین افغانی کی شخصیت کے اس منفی پہلو کی طرف اشارہ فراہم کیا ہے۔

**جمال الدین افغانی کا آبائی وطن و نسل کون سے تھی؟**

<u>چناچہ جمال الدین افغانی کےذکر کے ضمن میں شیخ علی الوردیؒ لکھتے ہیں کہ:</u>

افغانی کا لقب ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونے کے ساتھ بدلتا رہا۔ ہم نے انہیں مصر و ترکی میں افغانی کا لاحقہ استعمال کرتے دیکھا۔ ایران میں وہ حسینی تھے۔ بعض اوراق جو ضائع ہونے سے

بچ گئے ان سے ان کے دوسرے لاحقات بھی واضح ہوتے ہیں۔ مثلاً استنبولی، کابلی، روسی،طوسی اور اسد آبادی۔ لقب کی طرح ان کا لباس و حلیہ بھی اپنے مقام کی نوعیت کے اعتبار سے بدلتا رہا۔[99]

ان کی شخصیت کی جستجو کرنے سے معلوم پڑتا ہے کہ وہ دل موہنے والے اور لوگوں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں پھنسانے کا ہنر بخوبی جانتے تھے بلکہ مولانا عبدالکلام آزاد جیسے آسانی سے متاثر نا ہونے والے فرد پر بھی انھونے اپنی ایک ملاقات میں کافی اثر چھوڑا تھاحد یہ کہ انھونے افغانی کو منفرد قرار دے کر ان کی کافی حیران کن تعریفیں بھی کر ڈالیں تھیں، خیر اتنا تو واضح ہے کہ جمال الدین صاحب افغانستان سے ایران جاکر شیعہ علما کے ساتھ ایک عرصہ رہے تھے اور انھونے وہاں کے حوزۃ العلمیہ سے تعلیم بھی حاصل کی تھی، یہاں یہ سوال اٹھانا ممکن ہے کہ آخر کار وہ کون تھے؟ کیا وہ کوئی جاسوس تھے،یا لارنس آف عریبیہ نما افراد کے ساتھی یا سہولت کار تھے، ایک سازشی انسان تھے، یا پھر سنی اور شیعہ فردیت میں سے کسی ایک فردیت کے حامل تھے؟ اس ضمن میں سچ تو یہ ہے کہ کوئی بات واضح نہیں ہے۔ چناچہ شخصیاتی مقبولیت اور اس کے اثرات کے تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جدیدیت پسند لوگوں ،یہودیوں اور روسی انقلابیوں سے ینگ ٹرکس تک کیوں مقبول تھے یہ امر حقیقت میں ایک حل طلب معمہ و سوال ہے۔ان کے پیغام و شخصیت میں وہ کون سے ہمہ گیر پیغام موجود تھے جو ہر سو ان کو بہ نظر قدر دیکھا جاتا تھا ،اس کا کچھ کچھ حال مابعد اس مقالہ میں ہمیں ڈھونڈھنے سے میسر آئیگا۔ اس تناظر میں یہ دیکھنے کی بھی ضرورت ہمیں محسوس ہوتی ہے کہ ان میں عبیداللہ سندھی سے قبل وہ آثار کیسے اور کس طرح سے موجود تھے،جو مابعد سندھی سے ہویدا ہوئے ،ہم دیکھتے ہیں کہ

**مولانا آزاد بھی ان سے متاثر ہونے کے باوجود ان کے گرد موجود سحر و اسرار کی فضا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:**

''سید جمال الدین کی شخصیت پربغیر کسی تامل کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اس کی شخصیت کئی اعتبار سے اپنا سہیم و شریک نہیں رکھتی ہے وہ ایک گمنام اور مجہول ماحول میں پید ا ہوا۔ ایسے مجہول ماحول میں کہ آج تک یہ بات قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکی کہ وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا؟ اسد آباد کا جواہرات کے قریب ہے اور افغانستان میں واقع ہے، یا اسدآباد کا جو ہمدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے ؟

اس کے وطن کی طرح اس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تاہم یہ قطعی ہے کہ تعلیم و تربیت کا اانھیں کوئی موقعہٰ ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو۔ انیسویں صدی کے کامل تنزل یافتہ افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علومِ ر سمیہ کی جیسی کچھ تعلیم دیا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ تعلیم جو اس نے حاصل کی تھی، وہ وہی تھی۔ جن استادوں سے اس نے تعلیم حاصل کی وہ بھی یقیناً معمولی درجے کے تھے۔ ان میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو۔''

**آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ:**

سیر و سیاحت بھی ذہن کی نشو و ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہے لیکن اس نے اپنی ابتدائی زندگی میں ہندوستان اور حجاز کے سوا اور کسی مقام کا سفر نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں مقامات میں کوئی

---

[99] شیخ علی الوردیٰ: لمحات اجتماعیۃ فی تاریخ العراق الحدیث:۳:۳۱۳۔

سرچشمہ ایسا موجود نہ تھا جس سے ایک مجتہدانہ فکر و نظر کی پیدائش ہو سکے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں ان مقامات کا تعلیمی تنزل منتہا کمال تک پہنچ چکا تھا۔

سب سے زیادہ یہ کہ اس نے جتنی بھی اور جیسی کچھ بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ وہی تعلیم تھی جو بجائے خود مسلمانوں کے ذہنی تنزل کی پیداوار ہے،اور کئی صدیوں سے اسلامی دنیا کے دماغی تنزل کا سب سے بڑا سبب بن گئی ہے۔ اس تعلیم سے ذہن و فکر کی تمام قوتیں پژمردہ ہو جا سکتی ہیں لیکن آزادانہ نشو و نما نہیں پا سکتیں۔

با ایں ہمہ وہ ۱۸۷۰ء میں جب کہ اس کی عمر بہ مشکل تیس برس کی ہو گی۔ یکایک قاہرہ میں رونما ہوتا ہے۔ اور صرف چالیس دن کے قیام سے اس عظیم مشرقی دارالحکومت کے تمام علمی حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی ''عجیب اور نئی قسم کی علمی قابلیتوں '' کی شہرت دارالخلافہ قسطنطنیہ تک پہنچتی ہے اور اس کی تمام اصلاحی اور انقلابی قوتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔[100]

ہندوستان میں تو الہلال کی اشاعت سے پہلے غالباً لوگ سید جمال الدین کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ ۱۸۷۹ء میں جب وہ حیدرآباد اور کلکتہ میں مقیم تھا تو ہندوستانی مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص یعنی مرحوم عبد الغفور شہباز تھا۔ جسے اس کے فضل و کمال کی تھوڑی سی شناخت نصیب ہوئی تھی، اور اس کے چند فارسی مقالات کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔ ( پروفیسر عبد الغفور شہباز، مصنف حیات نظیر اکبر آباد نے علامہ جمال الدین افغانیؒ کی زندگی میں ان کی اجازت سے ان کے فارسی مقالات کا مجموعہ'' مقالات جمالیہ'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ یہ مجموعہ رپن پریس کلکتہ سے ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا۔ [101]

**خیر الدین زرکلی ( ۱۸۹۳ء -۱۹۷۶ء ) نے لکھا ہے:**

ان کے ایک نصرانی مرید ادیب اسحاق کے زیر ادارت نکلنے والے جریدے '' **مصر** '' میں جمال الدین کی تحریریں مظہر بن وضاح کے نام سے شائع ہوتی تھیں۔[102]

ہم دیکھتے ہیں کہ جمال الدین افغانی نے اپنی جائے ولادت '' اسد آباد '' بتائی ہے اور یہاں یہ امر خالی از دلچسپی نہیں کہ ''اسد آباد '' ایران، افغانستان اور آذر بائیجان کے ۳۳ مقامات کا نام ہے۔ موصوف کے ایرانی الاصل ہونے کے سب سے بڑے مدعی مرزا لطف اللہ خاں ہیں جو خود کو جمال الدین افغانی کا بھانجا بتاتے ہیں۔ تاہم اس قضیے کے بارے میں دلیپ ہیرو[103] نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ نہایت معنی خیز ہے وہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

کہنے کو جمال الدین افغانی کی ذات مختلف صلاحیتوں کی حامل ایک مذہبی شخصیت تھی، ایک محقق، فلسفی، مدرس، صحافی اور سیاستدان۔ تھے وہ مغربی ایران میں ہمدان کے اطراف میں اسد آباد کے مقام پر ایک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تھے تاہم انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کا مقام ولادت مشرقی

---

[100] http://lib.bazmeurdu.net/622/

[101] مبارز الدین رفعت:جمال الدین افغانی(مرتبہ).نفیس اکیڈمی۔حیدآباد دکن۔ہند۔

[102] خیر الدین زرکلی:الاعلام:٦:١٦٩۔

[103] Dlip hero.Holy Wars:The Rise of Islamic Fundamentalism. Routledge;NY. First Edition (January 1, 1989).pp:49.

افغانستان میں کنڑ کے قریب اسدآباد کا مقام ہے' و نیز ان کے والدین سنی تھے۔ انہوں نے سنی پسِ منظر کا دعویٰ اس لیے کیا تاکہ اسے مخاطبین کا وسیع حلقہ مل سکے۔ [104]

چناچہ محمد مبارک نے اپنے مقالے '' **الفرسان الثلاثۃ** '' میں ان کا اصل نام آیت اللہ مازندرانی لکھا ہے۔جمال الدین افغانی نے اپنی جائے ولادت '' اسد آباد '' بتائی ہے اور یہاں یہ امر خالی از دلچسپی نہیں کہ ''اسد آباد '' ایران، افغانستان اور آذر بائیجان کے ۳۳ مقامات کا نام ہے۔ موصوف کے ایرانی الاصل ہونے کے سب سے بڑے مدعی مرزا لطف اللہ خاں ہیں جو خود کو جمال الدین افغانی کا بھانجا بتاتے ہیں۔[105]

**ممتاز برطانوی مستشرق ایلی کدوری [106] کے حوالے سے رابرٹ ڈریفس لکھتا ہے کہ:**

اس کے مطابق افغانی کے پیروکاروں ( بشمول رشید رضا اورعبدہٗ ) نے '' سچائی کی کفایت '' سے کام لیا تھا۔ افغانی زندگی بھر بھیس بدلتے رہے تھے۔ اگرچہ اسے بجا طور پر ساری اسلامی دنیا پر محیط پین اسلامی سیاسی و سماجی تحریک کی نظری بنیادیں مہیا کرنے والا سمجھا جاتا ہے، لیکن وہ ایک غیر راسخ العقیدہ مفکر تھا جو ایک فری میسن، صوفی، سیاسی کارکن اور سب سے بڑھ کرایک ایسا ان متنوع بیانات شخص بھی تھا جو بقول کدوری '' مذہب کے سماجی استحصال پر یقین رکھتا تھا۔[107]
چناچہ اس بیان کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ افغانی ایک گنجلک نما چیستانی،افکار کے حامل فرد تھے بلکہ وہ ایک غیر جنسی سیاسی راسپوٹین نما انسان تھے، بلکہ ریاست شکن لارنس آف عریبیہ کا ہم عصر بھی لارنس نے ان کے نو دس سال بعد وہ کام سرانجام دئے جو انہونے ادھورے چھورے تھے،شیعہ اسے شیعہ کہتے ہیں سنی اسے سنی مانتے ہیں، جبکہ صلابی نے اسکو سازشی ماسونی لکھا ہے بلکہ ،کچھ افراد اسے علی محمد بابی کا مقلد بابی تک قرار دیتے ہیں۔

**بقول ابن عادل صاحب :**

علی عبد الحلیم محمود ( ۱۹۱۰ء -۱۹۷۸ء ) نے '' **جمال الدین الافغانی**[108] ''، مصطفیٰ فوزی غزال نے '' **دعوۃ جمال الدین الافغانی فی میزان الاسلام**[109] '' ، اور محمد مبارک نے اپنے مقالے '' **الفرسان الثلاثۃ** '' میں قرائن سے اسے بابی ثابت کیا ہے۔ جبکہ یہ بات تو مشرق و مغرب کے اہلِ علم میں یکساں

[104] https://www.urduweb.org/mehfil/threads/%D8%B3%DB%8C%D8%AF-%D8%AC%D9%85%D8%A7%D9%84-%D8%A7%D9%84%D8%AF%DB%8C%D9%86-%D8%A7%D9%81%D8%BA%D8%A7%D9%86%DB%8C-%DB%94-%D8%AF%D9%88%D8%B3%D8%B1%D8%A7-%D8%B1%D8%AE.50976/

[105] ابن عادل ۔ایضاً

[106] Eli Kedourie-

[107] رابرٹ ڈریفس۔اسلامی بنیاد پرستی کی تاریخ(مترجم:یاسر جواد)نگارشات۔لاہور۔۲۰۲۱۔صہ:۱۳۔

[108] صفحہ: ۶۸

[109] ص: ۸۰۔

معروف ہے کہ وہ فری میسن تھے، اس کے بعد ان کے مسلکی انتساب کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی ہے[110]۔

جمالی کسی بیرونی و خارجی جاسوس کی طرح زبانیں فورا سیکھنے کی استعداد کے حامل بیان کئے جاتے تھے۔ وہ بقول رضا جس جگہ جاتے تھے اسی کے رنگ و ڈھنگ میں ڈھل جاتے تھے،چناچہ رشید رضا مصری ( ۱۸۶۵ء -۱۹۳۵ء ) نے اپنی مشہور کتاب '' **تاریخ الاستاذ الامام** ''میں افغانی کے حالات کے ضمن میں سلیم عنحوری کا مضمون بھی شامل اشاعت کیا ہے۔

**سلیم عنحوری نے '' شرح دیوان سحر ہاروت '' میں لکھا ہےکہ:**

افغانی نے یہاں کے علمائے براہمن و اسلام سے علوم شرقیہ اور تاریخ اخذ کی ہےاور سنسکرت زبان میں تبحر حاصل کیا تھا۔[111]خود زرکلی کو بھی یہ امر تسلیم ہے کہ افغانی کو عربی، افغانی، فارسی، سنسکرت، ترکی زبانوں پر مہارت تھی جبکہ وہ ساتھ ساتھ فرانسیسی، انگریزی اور روسی زبانیں بھی جانتے تھے۔ چناچہ فصاحت کے ساتھ عربی زبان میں تکلم کا سلیقہ بھی ایک قول کے مطابق انہیں حاصل تھا۔[112]

چناچہ عمر رضا کحالہ نے اپنی مشہور کتاب '' **معجم المولفین**''[113]میں '' **أعلام الشیعة** '' کے حوالے سے جمال الدین کا جائے ولادت اسدآباد: ہمدان تحریر کیا ہے۔ اب آخر میں رابرٹ ڈریفس کا بیان ملاحظہ کیجئے جو کہتا ہے کہ :

۱۸۳۸ء میں غالباً فارس میں جنم لینے والے جمال الدین نے خود کو افغانستان نژاد ظاہر کر نے کے لیے الافغانی کا لقب اپنایا۔ افغانی الاصل ہونے کا دعویٰ کرنے کے ذریعے وہ فارسی اور شیعہ ہونے کی دونوں شناختوں کو چھپانے کے قابل ہوئے تاکہ سنی اکثریتی مسلم دنیا میں وسیع تر پیمانے پر مقبولیت پاسکے۔ افغانی کی جائے پیدائش کے قریب اس کا پہلا بھیس موجود تھا۔[114]

**افغانی کی ماسونی سرگرمیوں کا حال:**

ویسے اہل علم و اسرار کے نزدیک افغانی کا فری میسن ہونا اب محتاج ثبوت نہیں رہا ہے۔ ان کے عقیدت مندوں نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ وہ فری میسن تھے۔ ۱۸۷۶ء کے لگ بھگ وہ اطالوی لاج[115] لاج کے ممبر بنے۔ ۱۸۷۷ء تا ۱۸۹۷ء انہوں نے مصر کی ماسونی تنظیموں (فری میسن) سے روابط استوار کئے تھے۔ بعض دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ افغانی **نیل لاج** قاہرہ کے بھی ممبر تھے جو **نیشنل گرینڈ لاج** آف مصر کے ماتحت چل رہا تھا۔ اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ افغانی **کوکبِ شرق لاج** کے بھی ممبر بنے تھے ، یہ لاج برطانوی گرینڈ لاج کی منظوری سے قائم ہوا تھا۔ مشہور مصری دانشور

---

[110] محولہ بالا ۔اوردو ویب۔اورگ۔

[111] سید رشید رضا۔ تاریخ الاستاذ الامام : ۴۳/۱

[112] زرکلی۔محولہ بالا۔

[113] معجم المولفین‘: ۳ /۱۵۵۔

[114] انھونے اس کل بحث کو میری تحقیق کی رو سے مجلہ الواقعہ میں تنزیل الرحمن صدیقی الحسنی سے نقل کیا ہے۔اس ضمن میں آن لاین ابن عادل:بحوالہ:رابرٹ دریفس:محولہ بالا۔ الواقعہ میں متعلقہ تحریر:جمال الدین افغانی تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں۔معج

[115] Luce De Orient

محمد صابری کے مطابق افغانی نے برطانوی قونسلر مقیم قاہرہ **رافیل بورگ** کے ایماء پر کوکب شرق لاج کی رکنیت اختیار کی تھی۔ اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ افغانی نے ۲۴ جنوری ۱۸۷۷ء کو اس لاج کے ایک غیر معمولی اجلاس میں شرکت کی تھی اور اگلے سال جنوری ۱۸۷۸ء میں انہیں اس لاج کا صدر بھی منتخب کرلیا گیا تھا۔ جس سے ہمیں خفیہ برطانوی اداروں سے ان کے روابط بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ ۳ فروری ۱۸۷۹ء کو وہ گرینڈ لاج انگلینڈ کے تحت قائم **گریشیالاج** کے ممبر بنے۔ افغانی چونکہ کئی فری میسن لاجوں کے ممبربن چکے تھے اس لیے ان کی سیاسی سر گرمیوں کا مکمل علم نہیں ہوپاتا ہے۔[116]

افغانی کا فری میسزی سے تعلق اس قدر گہرا اور نمایاں سمجھا جاتا ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں ہے ،تاہم افغانی کے لیے نرم گوشہ رکھنے والوں نے اس ضمن میں یہ عذر پیش کیا ہے کہ افغانی اصلاحی و تعمیری مقاصد کے لیے فری میسن بنے تھے اور وہ فری میسنری کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لیکن خیال رہے کہ فری میسنز اتنے بے وقوف نہیں ہوتے ہیں کہ کوئی انہیں استعمال کرتاپھرے اور وہ چپ بیٹھے رہیں ۔ اس کے بَرعکس معلوم پڑتا ہے کہ وہ بڑی آسانی سے بڑی بڑی شخصیات کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے تھے۔ کہنے کو بشیر احمد صاحب بھی افغانی کے ایسے ہی ہمدردوں میں سے ایک تصور کئے جاسکتے ہیں مگر انہوں نے اپنی کتاب '' فری میسنری '' میں افغانی کے خلاف ثبوت زیادہ مہیا کیے ہیں بلکہ ایک طرح سے انھونے اس کا دفاع بھی انتہائی کمزور لہجے میں کیا ہے۔ وہ بھی اس ضمن میں یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ:

**''وہ ایک اعلیٰ درجے کے مستعد فری میسن تھے اور مصر کی فری میسنری سے ان کے قریبی روابط تھے[117]۔ ''**

سلطان عبد الحمید ( ۱۸۴۲ء -۱۹۱۸ء ) جن کی بے گناہی تاریخ نے اب ثابت کردی ہے۔ استعمار کی بات نہ ماننے ہی کی بنا پر انہیں مسندِ خلافت سے دستبردار ہونا پڑا تھا۔ جنہوں نے فلسطین کی ایک مشتِ خاک بھی یہودیوں کے حوالے کرنے سے صاف انکار کردیا تھاوہ بھی افغانی سے نالاں تھے۔ سلطان عبد الحمید کی ذاتی ڈائری اب شائع ہوچکی ہے۔ اس سے بھی افغانی کی زندگی پر غیر معمولی روشنی پڑتی ہے اور بعض اہم حقائق ظاہر ہوتے ہیں۔[118]

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی نے بھی افغانی کے سازشی ہونے اور انکی پرسرار نقل و حرکت پر اپنی تشویش کا ظہار بھی کیا تھا،اور وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ اس ضمن میں ان پر کچھ قدغنیں بھی نافذ کی تھیں،افغانی نے مفتی محمد عبدہ جیسے عالم فاضل فرد کو بھی اپنی جادوئی شخصیت سے متاثر کرکے مسلم جدیدیت کے رجحانات کو مذید پروان چڑہایا تھا۔

علی محمد صلابی اور بشیر احمد دونوں نے افغانی کی بابت سلطان عبدالحمید کی ڈایری سے ان کے تاثرات نقل کئے ہیں:ذیل میں کچھ حوالے بشیر احمد کے ذریعہ پیش کئے جاتے ہیں صلابی کے تذکرے انکی تاریخ سلطنت عثمانیہ اور اسی کتاب پر ان کے متعلقہ حصہ میں پیش کی جایں گے۔

---

[116] ابن عادل:بحوالہ:بشیر احمد: فری میسنری ''، ۲۳۴-۲۳۹ :اوردوویب.ارگ:محولہ بالا۔
[117] ایضاً: صہ: ۲۳۵
[118] ایضاً۔

**سلطان عبدالحمید صاحب اپنی مذکورہ بالا ڈایری میں لکھتے ہیں کہ:**

''ان کے ہاتھ ایک منصوبہ لگا ہے جو برطانوی وزارت خارجہ کے دفتر میں تیار ہوا تھا اس منصوبے میں دو آدمی بنیادی کردار کی حیثیت رکھتے تھے ایک جمال الدین افغانی اور ایک انگریز جو اپنا نام بتاتا تھا۔ منصوبے میں کہا گیا تھا کہ ترکوں سے خلافت کی قبا لے لی جائے اور مکہ کے شریف بلنٹ[119] حسین کو مسلمانوں کا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا جائے۔[120]

**سلطان محترم مذید فرماتے ہیں کہ:**

''میں جمال الدین افغانی کو قریب سے جانتاتھا جب وہ ۱۸۷۹ء میں مصر میں تھے۔ وہ بہت خطرناک آدمی تھے مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ایک بار انہوں نے میرے سامنے تجویز رکھی کہ وہ وسطِ ایشیا کے مسلمانوں کو روس کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرسکتے ہیں مجھے خوب علم تھا کہ افغانی ایسا کرنے پر قادر نہیں ہیں کیونکہ درحقیقت درونِ خانہ وہ انگریزی حکومت کے آدمی تھے اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ انہیں انگریز سرکار نے میری جاسوسی کے لیے تیار کیا تھا میں نے فوراً انکار کردیا میں نے **ابو الہدیٰ الاصیادی الجلی** کے ذریعے انہیں استنبول آنے کی دعوت دی اور پھر انہیں نکلنے نہ دیا اور یہیں ان کی وفات ہوئی''۔

**ابن عادل صاحب فرماتے ہیں کہ:**

افغانی کی زندگی کا یہ پہلو نمایاں ہوتا جارہا ہے۔ سیّد رشید رضا مصری کی کتاب '' تاریخ الاستاذ الامام '' میں بھی افغانی کی زندگی کے کئی اہم پہلو مذکور ہیں۔ راسخ العقیدہ علما نے اس کی سخت مخالفت کی ہے۔ علمائے ازہر نے افغانی کے الحاد پر متفقہ فتویٰ بھی دیا ہے۔ مفتیانِ کرام میں شیخ **محمد بن احمد علیش مالکی** ( ۱۸۰۲ء ۔۱۸۸۲ء ) اور **شیخ فہد الرومی** نمایاں ہیں۔ موخر الذکر نے **''منہج المدرسۃ العقلیۃ فی التفسیر** '' میں افغانی دبستانِ فکر کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ **شیخ مصطفیٰ صبری**( ۱۸۶۹ء ۔ ۱۹۵۴ء ) نے **'' موقف العقل و العلم و العالم من ربّ العالمین** '' **اور شیخ خلیل فوزی الفلیباوی** نے **'' السیوف القواطع ''** میں افغانی پر سخت تنقید کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معاصر مخالف علماء میں مفتی حنفیہ مصر **شیخ محمد بخیت** ( ۱۸۵۴ء ۔۱۹۳۵ء ) اور **شیخ حسن فہمی** کا نام بھی ملتا ہے۔

زمانۂ حال کے ایک عرب عالم شیخ م**قبل بن ہادی الوداعی** (۱۳۵۱ھ ۔۱۴۲۲ھ ) نے اپنے فتاویٰ '' **تحفۃ المجیب علی اسئلۃ الحاضر و الغریب** '' میں افغانی کوائمہ ضلال میں شمار کیا ہے۔ دوسری طرف جو تحقیقی ذخیرہ سامنے آیا اس سے بھی شکوک و شبہات بڑھتے چلے گئے۔ اس سلسلے میں ایرج افشار

---

[119] Blunt-

[120] بشیر احمد:محولہ بالا:صہ:۲۳۹۔

اور ڈاکٹر اصغر مہدوی کی مساعی سے ’’ مجموعہ اسناد و مدارک چاپ نشدئہ سید جمال الدین افغانی تہران سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

اس میں افغانی کی وہ یادداشتیں ملتی ہیں جو قیام تہران کے دوران الحاج محمد حسین امین دار الضرب کے گھر رہ گئی تھیں۔ صاحبِ خانہ افغانی کے خاص احباب میں سے تھے۔ چناچہ ۱۹٤۲ میں ایک کتاب[121] منصہ شہود پر نمودار ہوتی دکھی، جسے کیلیفورنیا یونیورسٹی پریس نے شایع کیا تھا اور اسے پروفیسر نکی کیڈی[122]،ماہر ایرانیات کیلیفورنیا یونیورسٹی نے تحریر کیا تھا ،اس میں کئی اہم شواہد اس ضمن میں موضوع بحث بنائے گئے ہیں۔

**افغانی کے عصری شخصیات پر اثرات پر ایک بحث:**

علما و فضلا کی جانب سے مہدویت سمیت کئی عقاید کے ضمن انکے بعض مذہبی و فلسفیانہ افکار و نظریات بھی انتہائی سخت ملحدانہ اندازِ فکر کے حامل بتائے جاتے ہیں۔ اسی بنیاد پر راسخ العقیدہ علما نے افغانی کی مخالفت کی تھی ،یہ ہماری جدید الخیال سیکولر ریاستیں ہیں جنھیں افغانی نصاب میں شامل کئے جانے کے فرد نظر آئے۔ یہاں طوالتِ کلام کے خوف سے الحاد و دہریت کی ان مثالوں کو ترک کیا جارہا ہے۔ چناچہ میں دیکھتے ہیں کہ ان کا عہد کس قسم کی تبدیلی فکر و عمل کا دور تھیا ،یہ بات تو مانی ہوئی ہے کہ جمال الدین افغانی ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے اور ان کا انتقال ۹ مارچ ۱۸۹۷ء میں ہوا تھا۔

یہ پورا عہد جدید اسلامی تاریخ کا اہم ترین عہد تھا اور افغانی اس عہد کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک سمجھے جاسکتے ہیں۔ برصغیر میں ایک طویل عرصے تک افغانی مسلم ہیرو کی حیثیت ہی سے متعارف رہے ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد (۱۸۸۸ء ۔۱۹۵۸ء ) اور علامہ اقبال ( ۱۸۷۷ء ۔۱۹۳۸ء ) جیسے عالم و مفکر بھی افغانی کے مداح رہے ہیں ۔ لیکن جب حقائق واضح ہوئے تو مولانا سیّد ابو الحسن علی ندویؒ جیسے صاحبِ علم کو بھی افغانی کے لیے اپنا زاویۂ فکر تبدیل کرنا پڑا۔ یہ حقائق ممکن ہے کہ بہتوں کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوں مگر مومن کے لیے اس کی اصل عقیدت اسلام سے وابستہ ہونی چاہئے نہ کہ شخصیات پر ان کا مدار ہونا لازمی تصور کیا جائے ۔ عام فرد کا ایک المیاتی مسلہ یہ رہا ہے کہ وہ شخصیات کو اسلام کے تناظر میں دیکھتا ہے نہ کہ اسلام کو شخصیات کے تناظر میں دیکھتا محسوس ہوتا ہے۔

یہاں میں میں یہ امر واضح کردوں کہ مولانا آزادؒ اور اقبالؒ دونوں کو ہی افغانی کی شخصیت نے اسی طرح متاثر کیا تھا جیسے افغانی نے راسپوتین کی طرح محمد عبده وغیره کو متاثر کیا تھا، لہذا ان سب میں کسی نا کسی تناظر میں جدیدیت کی آمیزش کسی نا کسی سطح پر پائی جاتی تھی،اگر چہ کہنے و سمجھنے کو ماخذات و عقاید میں آزاد کی نگاہ ان سب سے زیادہ تھی، بلکہ علم بھی انکا اقبال و افغانی سے بہت زیادہ تھا،مگر ساتھ ساتھ یہ امر بھی محققانہ طور پر انکار کے قابل نہیں ہے کہ اقبال اور آزاد

[121] Sayyid Jamal al-din al- al-Afghani: A Political Biography-

[122] Nikki Keddie-

دونوں پر ہی دبستان شبلی کا کافی غلبہ طاری تھا، کہنے کو سید احمد علیگڑہی کی روح بھی جزئی طور پر کہیں نا کہیں ان لوگوں میں ڈھونڈھی جا سکتی ہے،چونکہ آزاد ایک سلفی منہج کے فرد تھے جبھی عقایدی و اصولی تناظر میں انکی سوچ و فکر راسخ العقیدہ نوعیت کی حامل تھی،مگر ساتھ میں وہ شخصی تقلید سے وہ اتنے پرے ہو چکے تھے کہ اپنے والد جیسے کٹر صوفی پیر سے بھی انھونے اس امر میں دوری بنائے رکھی تھی،اور عدم تقلید کی راہ پر گامزن ہوگے تھے،مگر دوسری طرف وہ ایک پریکٹیکل اور عملی سیاست دان بھی تھے جو سیاست میں مصلحت اور حقیقت پسندی کی جانب گامزن تھے،آزاد کو اگر چہ افغانی نے متاثر ضرور کیا تھا مگر اس کے باوجود وہ ان کے فکری سرمایہ پر وہ ویسا اثر نہیں ڈال سکے تھے جیسے اقبال پر ڈال گئے تھے،چناچہ قوم،اوطان و ملت کی جو بحث اقبال و حسین احمد مدنی میں موجود تھی ،اس کی جڑوں میں کچھ پانی افغانی کا بھی شامل تھا،اس بحث میں اصل میں اقبال افغانی ،فشچے اور نشچے کے معجونی افکار کے سنگم سے شربت پی کر اپنی اوردو شاعری میں انڈیلنے میں مگن تھے۔

**اقبال اور افغانی :ایک تجزیہ:**

لہذا یہ امر مت فراموش کیا جائے کہ کسی سے اثر قبول کرنے کے بعد ذاتی تخیل سازی میں اقبال کی پرواز بہت بلند تھی چناچہ ،فشچے،نشچے،برگسان،وٹنگسٹاین ،گولڈزیھر ،شاخت ،رومی اوربیدل،سب لوگ ہی ان کے ہاں گھیر گھار کر متاثر کرنے کے لئے میسر آگئے تھے، جیسا کہ دیکھا گیا ہے ان کے خطبات مسلم اصول دین اور راسخ العقیدگی کو پہ در پہ طمانچے رسید کرتے نظر آتے ہیں سابقہ شیخ الجامعہ کراچی ،پروفیسر ڈاکٹر منظور احمد مرحوم بھی تجدید دین کی تشکیل میں اقبال کی سرزمیں پر چلا کرتے تھے، اسی طرح بہت حد تک خلیفہ عبدالحکیم،ڈاکٹر رفیع الدین،پرویز،غامدی اور شکیل اوج بھی انہی قدموں پر پاوں گھسٹتے ہوئے چلتے ہوئے ملے۔ یہ بحث عام عوام کی معلومات سے کوسوں دور کھڑی نظر آتی ہے جبھی وہ اس بحث سے عدم تحقیق و مطالعہ کے سبب ناواقف محسوس ہوتے ہیں ،ویسے اقبال کا محاکمہ اس ضمن میں ان کے روحانی استاد سید سلیمان ندویؒ بھی کرچکے تھے، اس سلسلے میں امالی غلام محمد کے لئے ماہنامہ ساحل اور شعبہ تصنیف و تالیف:جامعہ کراچی کے جریدے :جریدہ کو دیکھا جاسکتا ہے، چناچہ بادی النظر میں ان کے خطبات کے جوہری و نقدی مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ اقبال کا مطالعہ بہ حیثیت مجموعی شرعی علوم میں بہت محدود نوعیت کا حامل تھا،وہ ندوی سمیت اکثر علما اور اہل علم سے کتب اور حوالے خط لکھ کر طلب کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

مگر ایک باد یاد رکھی جائے ہمارے یہ اوردو کے عظیم شاعر کسی صورت میں فری میسنز سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے تھے،چناچہ اس قسم کے اشارے جہالت اور گمراہی پر مبنی محسوس ہوتےہیں،مارکس کو پسند کرنے یا حوالہ دینے سے جس طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یقینا حوالہ دینے والا مارکسی ہے یا کسی اور مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح کسی غلط فہمی یا قلت معلومات کے سبب کسی کو حسن ظن میں پسند کرنا دلیل نہیں بن جاتا ہے۔آزاد جیسا جید عالم ،مفسر و محقق گاندہی سے بھی سیاسی طور پر متاثر تھا، عین اسی طرح جناح نورو جی تلک و گوکھلے کو سراہاکرتے تھے، خطبات میں دیکھا گیا ہے کہ اقبال معتزلہ کے مفکرین اور مستشرقین کے موقف کو پیش کرکے ان کی

طرف میلان و رجحان ظاہر کرکے ایک طرح سے دینی تشکیکیت کے پھیلاو کا سبب بنے ہوئے تھے،جبھی رومی و اقبال پرویزیوں ،غامدیوں،اور جدت پسند منکرین حدیث کو بہت محبوب ہیں،مگر ماسونیت سے ان کا دور دور کا کوئی تعلق نہیں تھا،بلکہ انھیں یا آزاد کو معلوم پڑتا ہے کہ اس بابت کچھ معلومات میسر نا تھیں، جبھی اسی نادانی وہ یہ دونوں ان کی پان اسلام ازم کو سراہا کرتے تھے،آزاد کی کانگریسی اوطانیت کو اس ضمن میں ان کا ایک رجوع تصور کیا جاسکتا ہے۔

اقبال کی بابت جدید تحقیقات یہ امر بیان کرتی ہیں کہ انکی عربی دانی سے مذہب دانی تک معلومات کافی قلیل تھیں،اور جو بھی تھیں وہ بنیادی ماخذات کی جگہ مستشرقین کے مطالعہ یا حوالوں کا نتیجہ تھیں،چناچہ وہ اکثر و بیشتر کتب اور ان کے حوالہ جات مختلیف اہل علم سے بذریعہ خطوط و دیگر زرایع طلب کیا کرتے تھے،ہم اس بابت نہیں جانتے ہیں کہ ان مستشرقین کا انھونے راست مطالعہ کیا ہے یا نہیں؟ مگر انھونے انکی اکثر کتب کی اشاعت عامہ و تراجم کی خواہش ظاہر کی تھی ،ان کے خطبات سے اس بابت آسانی سے اندازہ قایم کرنا ممکن ہے کہ وہ کس قدر جدت پسند واقع ہوئے تھے،حد یہ کہ انھونے اپنی اولاد کے لئے بھی جرمن گورنس کا انتظام کررکھا تھا اور اکثر و بیشتر اس گورنس سمیت کئی مغربی خواتین کی طرف نرم و گرم جذبات ظاہر کرتے رہتے تھے،ہمارا ادارہ اس ضمن میں خطوط اقبال[123] کے تناظر میں ایک تحقیق نشر عام کرچکا ہے۔

چناچہ اقبال کواگر جمال الدین افغانی کی بابت خوش فہمی اور حسن ظن لاحق تھا ،تو یہ ان کی عدم خبر اور عدم تحقیق کی علامت تھی،کیونکہ جید عرب علما، اور سلطان عبدالحمید جو خود ان کی سر گرمیوں سے بلراست آگاہ تھے ان لوگوں نے ان کی قید سلاسل کی وجوہات اپنی خود نوشت میں بیان کردی ہیں،افغانی کی بابت عربی و فارسی کے ماہر ،مفسر قران ،صحافی اور ادیب مولانا آزاد بھی کچھ خاص نہیں جانتے تھے ،مگر انھونے افغانی کے گرد موجود کچھ امور کے اشارے فراہم کئے تھے ان میں سے ایک تو اوپر گزر چکا ہے،مگر اقبال جیسے اوردو کے عظیم الشان شاعر کو اس غلط فہمی پر خود ماسونی تصور کرنا پرلے درجے کی جہالت اور بغضِ اقبال کی علامت ہے،اہل علم بھی فروگزاشتیں کرتے رہتے ہیں،ہم سب اس دایرہ کار سے خارج نہیں ہیں،اقبال پر نقد سے ہماری مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ وہ کوئی عام ،متنازع فرد ہیں،بلکہ بلا ناغہ وہ اوردو کی ملی شاعری کے عظیم الشان امام کا درجہ رکھتے ہیں۔

**افغانی کی شخصیت سے وابستہ سحر و اسرار:**

جمال الدین ایک جیمز بانڈ نما جاسوس کی طرح حلیہ بدلتے رہتے تھے ،جس کے ساتھ ساتھ ان کے ناموں میں بھی مقام کے بدلنے کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی رہتی تھی چناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ

**شیخ علی الوردیٰ صاحب نے اپنی کتاب[124] میں لکھا ہے کہ :**

” افغانی کا لقب ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونے کے ساتھ بدلتا رہا ۔ ہم نے اسے مصر و ترکی میں افغانی کا لاحقہ استعمال کرتے دیکھا ۔ ایران میں وہ حسینی تھا ۔ بعض اوراق جو ضائع ہونے سے

---

[123] خطوط اقبال بنام عطیہ فیضی:جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش۔
https://archive.org/details/iqbalfinal1

[124] شیخ علی الوردیٰ: ” لمحات اجتماعیة فی تاریخ العراق الحدیث ” ٣ /٣١٣

بچ گئے ان سے اس کے دوسرے لاحقات بھی واضح ہوتے ہیں ۔ مثلاً استنبولی ، کابلی ، روسی ،طوسی اور اسد آبادی۔ لقب کی طرح اس کا لباس و حلیہ بھی اپنے مقام کی نوعیت کے اعتبار سے بدلتا رہتا تھا‘‘۔

اسی طرح کے۔پال جانسن[125] نے اپنی کتاب [126]میں میڈم ہیلینا پیٹرونا[127] کے گریٹ وایٹ لاج[128] سےجمال الدین افغانی کے انسلاک و تعلق پر روشنی ڈالی ہے۔[129]

**تحریک پاکستان کے رہنماوں اور مطالعہ پاکستان کے ایک ناقد رشید یوسفزئی مکالمہ ڈاٹ کام کے لئے ایک تحریر میں انکا خاکہ کچھ یوں کھینچتے دکھتے ہیں:**

’’مطالعہ پاکستان کا ایک لازمی کردار جمال الدین افغانی ہے، جس کو متعلقہ تمام کتب نصاب پاکستان اسلام ازم، نظریہ پاکستان، احیائے مسلمان ہند کے تصور کا خالق اور پیشرؤ بیان کرتے ہیں جن سے متاثر ہو کر اقبال نے آزاد مسلم ریاست کا تصور پیش کیا تھا. جمال الدین افغانی کو ہندوستانی مسلمانوں کے حقوق کا چیمپئن کہا جاتا ہے اور عالمی استعماری قوتوں کا بالعموم جبکہ برطانوی استعمار کا بالخصوص دشمن اعظم سمجھا جاتا ہے. اس مقدس لبادے میں اپنے آپ کو لپیٹنے کا ڈرامہ خود جمال الدین افغانی نے ایک مرض[130] جس میں ایک شخص کئی روپ اختیار کرتا ہے۔

کی صورت میں رچایا ہے،یہ نفسیائی مرض یعنی ملٹی پل پرسنیلیٹی ڈس آرڈر کہنے کو ان میں موجود نہیں تھا،مگر ان کا کردار سازشی تناظر میں جان بوجھ کر مذکورہ بالا بیماری کے برخلاف اپنا رد عمل ظاہر کرتا دکھتا ہے،جس میں اس کی رضا و عقل ساتھ ساتھ کام کرہی تھیں،چناچہ اس مرض میں مختلیف روپ کا اظہار کرنا مریض کی فطرت بن جاتی ہے . ہالی ووڈ سے وابستہ سکرپٹ رائٹر سڈنی شیلڈن نے اس پر ایک جاذب نظر ناول لکھا تھا جس کا نام اس وقت بھول گیا ہوں. افغانی کی شخصیت کے دقیق مطالعے سے لگتا ہے کہ افغانی بھی اس مرض میں مبتلا تھے یا پھر اس کی متنوعیت سے کچھ کام لینے میں مشغول تھے. جدید تحقیق نے جمال الدین افغانی کے عظمت کے لبادے کے بخیےادھیڑ دئیے ہیں. کاش مطالعہ پاکستان والے اور پاکستانی ٹیکسٹ بک بورڈز افسانوں کی بجائے حقیقت لکھنے کی جرات رکھتے ہیں۔

معروف قول کی رو سےخود کو افغانی سنی کہنے والے سید محمد بن صفدر المعروف بہ جمال الدین افغانی ایران کے مشہور علاقے ہمدان کے اسد آباد کے شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے تھے،شیعہ ہونا کوئی عیب نہیں. جناح بھی کسی دور میں اسماعیلی شیعہ ہوا کرتے تھے ، ۱۹۰۶ وہ کے اردگرد اثنا عشری شیعہ بن گئے . ۱۹۳۴میں دوبارہ اسماعیلی آغا خانی بن گئے[131] . تاہم خود جمال الدین نے اپنے آپ کو

---

[125] K.Paul Johnson-

[126] The masters revealed: Madam Blavatsky and the myth of theGreat White Lodge-

[127] Madam Helena Petrovna Blavatsky-

[128] Great White Lodge-

[129] https://alwaqiamagzine.wordpress.com/2014/02/16/sayyid-jamal-ad-din-al-afghani-the-another-face/

[130] multiple personality disorder-

[131] یہ بیان سخت تحقیق کا محتاج ہے کیونکہ ان کی گفت و شنید،مذہبی حوالے،ملنا ملانا سنیوں سے بہت تھا، بلکہ ان کی نماز جنازہ بھی ایک سنی عالم شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی تھی، چناچہ وہ اسمعیلی تو کسی صورت میں نہین تھے زیادہ سے زیادہ اثنا عشری ممکن تھے۔معج

افغانی حنفی سنی پیش کیا اور اب مطالعہ پاکستان کے ماہرین کا ایمان ہے کہ ان کو سنی افغانی ہی مانا جائے. عقیدہ ہل سکتا ہے تاہم جغرافیائی حقیقتیں پاکستانی ٹیکسٹ بورڈز کی تابع نہیں اور اسدآباد کبھی افغانستان منتقل نہیں ہوسکتا ہے۔[132]

جمال الدین افغانی ۱۸۵۴-۵۷، پھر، ۱۸٦۹ اور اس کے بعد ۱۸۸۰۔۸۱میں انڈیا میں موجود تھا. اسی دوران میں انھونے حیدرآباد اور کلکتہ میں کئی لیکچرز دئیے تھے جن میں کچھ "مقالات جمالیہ" کے نام سے ۱۸۸۴ میں کلکتہ سے شائع ہوئے تھے. انڈیا کے حوالے سے اس کے خیالات کا درست ریکارڈ صرف یہ مقالات ہیں جن میں پاکستان اسلام ازم، اسلامی یگانگت اور مسلم اتحاد کا نام و شان تک نہیں ملتا ہے بلکہ اسلام کا دفاع بھی صرف سرسید کو غلیظ گالیوں کی شکل میں دینے کی صورت میں پایا جاتا ہے . ان مقالات کے تین موضوعات ہیں: اول علاقائی یا لسانی نوعیت پر مبنی قومیت کی دفاع۔ یعنی ہندو مسلم اتحاد(ان کے مطابق دونوں ایک زبان بولتے ہیں)، دوم فلسفہ اور جدید سائنسی علوم کا حصول تاکید، اور سوم سرسید احمدخان کو گالیاں افغانی کے خیالات میں زبان کی اہمیت مذہب کے مقابلے میں زیادہ ہے . انہی مقالات میں لکھتے ہیں کہ :

**''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لسانی وحدت، مذہبی وحدت سے زیادہ دیرپا ہوتی ہے. کیونکہ مذہب قلیل مدت میں تبدیلی کا شکار ہوتا ہے جبکہ زبان کوئی اثر قبول کئے بغیر قائم رہ سکتی ہے.''**

مسلمانوں سے متعلق قومیت کے امور پر افغانی نے کچھ بھی نہیں کہا بلکہ وہ تو انڈیا میں ہندو مسلم تفریق سے قاصر معلوم پڑتے ہیں .

**۸ اکتوبر ۱۸۸۲کو کلکتہ میں ایک لیکچر میں وہ کہتا ہے:**

" ہندوستان کے موجودہ جوان میرے لئے خوشی کا باعث ہیں کیونکہ یہ اسی نسل کے سپوت ہیں جس نے دنیامیں انسانی تہذیب کی پرورش کی. ہندو تہذیب نے دنیا کو قوانین و ضوابط کا مجموعہ دیا ہے۔ یہ رومن لاء جو تمام مغربی قوانین کی ماں یہاں کے چہار ویدوں اور شاستروں سے لی گئی ہے -

**عروۃ الوثقی میں ایک جگہ لکھتا ہےکہ:**

" مذہبی رشتہ دوسرے مذاہب سے قومی یگانگت کی راہ میں حائل نہیں ہیں۔ انڈیا اور مصر میں مسلمانوں کو چاہیے کہ غیر مسلم ہم وطنوں سے کوئی عدم مشابہت نا رکھیں۔''

انڈیا میں اسکی تبلیغ، اسکے نظریات کے عین مطابق تھی. زبان کی اتحادی قوت پر اسکا ایمان تھا اور لسانی قومیت سازی کو وہ مذہبی قومیت سازی پر ترجیح دیتا تھا۔[133]
ان کی تحریر **الرد نیچریہ**،سرسید کے مخالفت میں حیدر آباد دکن کے رسالے **" معلم الشفیق"** میں اکتوبر ۱۸۸۱ میں دو اقساط میں شائع ہوئی تھی . اس میں افغانی نے سرسید احمدخان کے خیالات اور شخصیت

---

[132] محولہ بالا:Nikki R. Keddi

[133] محمد مخزومی خاطرات جمال الدین الافغانی۔ طبع بیروت -

پر انتہائی گھٹیا اور رکیک حملے کئے گئے ہیں. مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ افغانی سرسید کے تعلیمی، مذہبی اور سماجی آراء پر ان کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ ان کے برٹش سرکار سے وابستگی پر ان کا دشمن ہے.(سرسید کے سیاسی نظریات سے اختلاف اپنی جگہ، اسکا عملی قدکاٹھ ، بصیرت اور خدمات سے انکار ممکن نہیں. برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی تاریخ میں سرسید کی ٹکر کا آدمی نہ پیدا کیا نہ پیدا کرسکتا ہے.

عربی شاعر متنبی کا شعر ہے کہ :

مضت الدھور و ما اتین بمثلہ
ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

زمانے گزر گئے اور اسکا ثانی نہیں آیا.

اور جب وہ آیا تو زمانے کی ماں اسکی مثال لانے سے عاجز آ گئی

جمال الدین افغانی اسد آبادی ''رد نیچریہ'' میں ایک جگہ سرسید کو ''سگ: کتا'لکھتا ہے تو ایک اور جگہ ان کو ''ناستودہ مرگ'' یعنی جن کو نفرت سے موت نے بھی مسترد کیا ہو کے لقب سے نوازتا ہے. استعماریت پر افغانی کے خیالات تضادات سے بھرے ہیں. اس نے ۱۸۷۸ میں سکندری کے رسالے، ''المصر'' میں استعماریت پر ہمہ جہت تنقید کی تھی. جبکہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق اسی سال وہ سکاٹ لینڈ کے فری میسن کا ممبر بھی بناتھا، ۱۸۸۵ میں فرانسیسی رسالہ[134] میں اس نے برطانوی حکومت کو غدار اور ظالم اور انسانیت دشمن کہا تھا.جبکہ دوسری طرف اسی سال انھونے برطانیہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا رانڈولف چرچل (سر ونسٹن چرچل کے والد) کو برطانیہ، افغانستان، ایران اور ترکی کے درمیان الائنس کی تجویز بھی پیش کی تھی. دس سال بعد قسطنطنیہ سے برطانوی حکومت کو برطانیہ میں پناہ کی درخواست بھی دی تھی . (بلنٹ سے ملاقات کے دوران تو برطانوی شہریت کے حصول کے کیلئے سرگرداں تھا).[135]

یہ متنوع البیان تحریریں اور جدید تحقیقات افغانی صاحب کی شخصیت و خدمات کو بیچ چوراہے پر کھڑا کرکے ہمارے نصاب تحریر کرنے والے افراد کی قابلیت و تحقیق پر سوال کھڑے کردیتی ہیں. لہذا ان تحریروں کے روشنی میں یا پھر سلطان عبدالحمید کی شہادت کی روشنی میں افغانی کی اصل حقیقیت نکھر کر ہمارے سامنے آجاتی ہے.

کل اسلامی تاریخ کی کئی شخصیات ایسی دیکھی گئی ہیں جنھونے عصری تقاضوں سے دین کی عدم ہم آہنگی کو مسلمانوں کی پستی و گمراہی کا سبب تصور کیا ہے ،کسی کو ایسا محسوس ہوا کہ نظام تعلیم کی تبدیلی و اصلاح سے ترقی کا دروازہ کھل سکتا ہے،چناچہ انھونے لباس چال ڈھال میں تبدیلی کے

[134] La Correspandance Parisienne-
[135] رشید یوسفزئی: جمال الدین افغانی: ایک تاریخی مسخرہ
https://www.mukaalma.com/45521/-

راستہ ترقی کی کنجی بنانے کی کوشش شروع کی ،جیسے افغانستان کا امان اللہ ،ایرانی رضاپہلوی،اور اتاترک ،اسی راہ پر پاکستان میں ایوب خان اور مشرف نے قوم کو چلانا چاہا مگر نتایج نے سب کی ہی ان کاوشوں کے منزل سے دوری بنائے رکھی۔

# حصہ دویم

از

ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی

تہذیب،مقدمہ و مترجمہ

ڈاکٹر محمد علی جنید

# سلطان عبدالحمید :شخصیت و کردار

1293ھ تا1326ھ : 1876ء تا1909ء

## تعارف

سلطان عبدالحمید دولت عثمانیہ کے سلاطین میں چونتیسواں سلطان تھا۔ چونتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ کیونکہ اس کا سن پیدائش16 شعبان1258ھ بمطابق1842ء ہے۔

دس سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کی سوتیلی ماں نے ان کی دیکھ بھال کی۔ ان کی یہ سوتیلی ماں بانجھ تھیں۔ سوانہوں نے ان کی بہترین طرز پر ترتیب کی اور سگی ماں کی طرح ان کی پرورش کرنے کی کوشش کی۔ سلطان عبدالحمید سے اسے بڑی محبت تھی حتیٰ کہ جب یہ فوت ہوئیں۔ تو اپنی ساری جائیداد اپنے اس بیٹے کے نام وصیت کر گئیں۔ سلطان عبد الحمید ان کی تربیت سے بہت متاثر تھے۔ ان کے وقار، دین داری اور ان کی پرسکون مدہم آواز کو بہت پسند کرتے تھے۔ ساری عمر اس خاتون کی شخصیت کا عکس سلطان عبدالحمید کی شخصیت پر نمایاں رہا۔

سلطان عبدالحمید نے قصر سلطان میں اپنے دور کے اخلاق اور علم میں مایہ ناز اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے عربی اور فارسی زبانوں کی تحصیل کی۔ تاریخ کا مطالعہ کیا علم وادب میں دسترس حاصل کی۔ تصوف کے رموز و معارف سے آگاہی حاصل کی اور ترکی عثمانی زبان میں اشعار بھی کہے۔ اور ان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔(1)

اسلحہ کے استعمال کا تجربہ حاصل کیا۔ وہ تلوار زنی اور تیر اندازی میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ بدنی مشق ہمیشہ کرتے تھے۔ عالمی سیاست پر گہری نظر تھی اور اپنے ملک کے طول وعرض کے حالات وواقعات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔

### اپنے چچا سلطان عبدالعزیز کے ساتھ یورپ کا دورہ

سلطان عبدالعزیز نے یورپ کا دورہ کیا۔ ایک اعلیٰ سطح کا وفد بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اس عثمانی وفد میں ایک شخص امیر عبد الحمید بھی تھا جو یورپیوں کے سامنے اپنے سادہ لباس اور پاکیزہ قابل تعریف سیرت کے ساتھ ظاہر ہوا۔(2)

امیر عبدالحمید نے اس دورے کی خصوصی تیاری کی اور اس کیلئے خصوصی معلومات حاصل کیں۔ انہوں نے مغرب میں جو کچھ دیکھا اس کے بارے اپنے گہرے مشاہدے اور صحیح موقف کا اظہار کیا۔ اس عثمانی وفد نے اس دور کی اہم یورپی سیاسی شخصیات سے ملاقات کی۔ جیسے فرانس کے نپولین ثالث، انگلینڈ کی ملکہ وکٹوریا، بلجیم کے لیوبلٹ ثانی، جرمنی کے گلیوم اول اور آسٹریا کے فرنسوا جوزف وغیرہ(3)۔ اس سے پہلے یہ وفد سلطان عبدالعزیز کی معیت میں مصر کا دورہ بھی کر چکا تھا۔ اور مصر میں انہوں نے یورپی چکا چوند جھوٹی روشنی کا بنظر غائر مطالعہ کر لیا تھا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ کس طرح مصریوں نے یورپی

1۔السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص31 2۔ایضاً ص33 3۔ایضاً

تعلقات کو اپنایا ہے۔ جس کی بدولت ان کو بیرونی قرضوں کی ضرورت پیش آئی ہے اور وہ قرضوں میں بری طرح جکڑ دیے گئے ہیں۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ مصر کی یہ حالت والی مصر اسماعیل پاشا کے اسراف اور فضول خرچی اور مصر کو یورپ کے رنگ میں رنگنے کا نتیجہ ہے۔ اب مصر کے بعد یہ وفد یورپ کا دورہ کر رہا تھا۔ یہ دورہ 21 جون سے شروع ہوا اور 7 اگست 1867ء تک جاری رہا۔ اس دوران عثمانی وفد نے فرانس انگلستان، بلجیم اور ہنگری کی دولت آسٹریا کو بہت نزدیک سے دیکھا۔

اس یورپی سیاحت کے دوران عبدالحمید نے کئی تجربات حاصل کیے اور بعد میں اپنے دور حکومت میں ان سے پوری طرح استفادہ کرنیکی کوشش کی۔

ان میں سے درج ذیل امور خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

1. یورپی زندگی، اس کے تمام لوازمات جیسے حیرت افزاء اقتصادی طریقے، مختلف اخلاقیات اور ثقافتی رجحانات
2. صنعتی اور عسکری ترقی، بالخصوص فرانس اور جرمنی کی بری اور برطانیہ کی بحری فوج
3. عالمی سیاسی کھیل
4. دولت عثمانیہ کی سیاست پر یورپی طاقتوں کا اثر انداز ہونا۔ بالخصوص نپولین ثالث کا اثر عبدالحمید کے چچا سلطان عبدالعزیز پر اور نپولین کا ان پر دباؤ تاکہ وہ وزیر علی پاشا کی مدد کریں۔ حالانکہ سلطان عبدالعزیز محسوس نہیں کرتے تھے کہ وہ کسی غیر ملکی قوت کے زیر اثر ہیں۔(1)

امیر عبدالحمید کو اپنے اس دورہ کے دوران اس بات کا یقین ہو گیا کہ فرانس لہو ولعب کا ملک ہے۔ انگلستان ثروت، زراعت اور صنعت وحرفت کا جبکہ جرمنی تنظیم، عسکریت اور نظم وضبط کا ملک ہے۔ امیر عبدالحمید سب سے زیادہ جرمنی سے متاثر ہوئے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے دل میں اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ جب وہ زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لیں گے تو عثمانی لشکر کو ٹریننگ کے لئے جرمنی روانہ کریں گے۔ امیر عبدالحمید اس دورہ کے دوران مغرب سے بہت متاثر ہوئے اور اسی چیز نے انہیں اس بات پر ابھارا کہ وہ اپنے ملک کے اندر مختلف شعبوں تعلیم، صنعت، نقل وحمل اور فوج میں نئی ایجادات کو متعارف کرائیں۔ انہوں نے آبدوز جہازوں کی خریداری کی۔ ان جہازوں کو جدید اسلحہ سے لیس کیا۔ اپنے ذاتی خرچ پر ملک کے طول وعرض میں ٹیلیگراف کا اہتمام کیا۔ جدید سکولوں کی بنیاد رکھی۔ ان میں عصری علوم کی تدریس کو لازم کیا۔ انہی کی کوششوں سے پہلی بار دولت عثمانیہ میں پہلی بس سروس شروع ہوئی اور سائیکل متعارف ہوا۔ انہوں نے ناپ تول کے لئے نئے پیمانے میٹر کا اجراء کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ کوشش کی کہ کسی طرح مغربی فکر ملک میں رائج نہ ہونے پائے۔(2)

یورپ کے اس دورے نے عبدالحمید کو متاثر کیا اور انہوں نے یورپ کے بارے آزادانہ اور خودمختارانہ پالیسی اختیار کی لیکن وہ کسی یورپی شخصیت سے قطعاً متاثر نہ ہوئے۔ خواہ اس کی صداقت جس درجہ کی تھی اور دولت عثمانیہ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ تھا۔

---

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص 56    2۔ ایضاً ص 57

## فواد پاشا اور یورپیوں کے مابین بحث کا ماجرہ:

اس دورے کے دوران عبدالحمید کی توجہ اس ڈیبیٹ (Debate) نے خاص طور پر اپنی طرف مبذول کی جو عثمانی صدر اعظم فواد پاشا اور بعض یورپی حکام کے درمیان ہوا۔ فواد پاشا سے اس دورہ کے دوران سوال کیا گیا کہ تم جزیرہ کریٹ کتنے میں بیچو گے؟

فواد پاشا نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: جس قیمت سے ہم نے یہ جزیرہ خریدا ہے اسی قیمت پر بیچیں گے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ عثمانیوں نے جزیرہ کریٹ کی حفاظت کے لئے 27 سال تک جنگ کی ہے۔ لہٰذا اسے حاصل کرنے کے لیے اتنی ہی مدت جنگ کرنا ہوگی۔

فواد پاشا سے یہ سوال بھی ہوا۔ دنیا میں آج سب سے طاقتور ملک کون سا ہے؟

فواد پاشا نے جواب دیا: آج دنیا میں سب سے طاقتور ملک دولت عثمانیہ ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ تم اسے باہر سے نیست ونابود کرنے کی کوشش کر رہے ہو اور ہم اسے اندر سے منہدم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ لیکن ہم دونوں کی کوششیں ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔(1)

اس گفتگو سے سلطان عبدالحمید۔نے یہ سبق حاصل کیا کہ جو طاقتیں دولت عثمانیہ کو نیست ونابود کرنے کے لئے کوشاں ہیں انہیں خاموش کرانے کی ان میں سکت ہے۔ انہوں نے اس سفر کے دوران سیاسی گفتگو کا تجربہ حاصل کیا اور بعد میں اس میں پوری مہارت حاصل کی۔ اس دورہ کے دوران عبدالحمید کی عمر پچیس سال تھی۔(2)

## ان کے ہاتھ پر بیعت اور دستور کا اعلان

اپنے بھائی مراد کے بعد جمعرات کے روز 11 شعبان 1293ء بمطابق 13 اگست 1876ء کو ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چونتیس سال تھی۔ بیعت کے لئے وزراء اعیان دولت اور بڑے بڑے سول اور فوجی افسر سرائے طوبقبو میں حاضر ہوئے۔ اسی طرح مختلف جماعتوں کے نمائندوں نے انہیں خلافت کی مبارک باد دی۔ سلطنت کے طول و عرض میں توپوں کے گولے داغے گئے اور جشن کا اہتمام کیا گیا۔ تین دن تک استنبول میں خوب چہل پہل رہی اور صدر اعظم نے اطلاع کے لئے دنیا کے مختلف ملکوں کو تار بھیجے۔(3)

سلطان عبدالحمید نے مدحت پاشا کو صدر اعظم مقرر کیا پھر 23 دسمبر 1293ھ، 1876ء کو اس دستور کا اعلان کر دیا جس میں شہری آزادیوں کی ضمانت دی گئی تھی اور پارلیمانی حکومت کی طرز پر دستور مدون کیا۔

اس دستور کے مطابق پارلیمنٹ دو مجالس پر مشتمل تھی۔ ایک مجلس النواب (مجلس نمائندگان) یا مجلس المبعوثین اور دوسری مجلس الاعیان یا مجلس الشیوخ (ایوان بالا)(4)

سلطان عبدالحمید کو اپنے دور حکومت کے ابتدائی سالوں میں وزراء کی طرف سے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔" جدید

---

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص58 2۔ ایضا

3۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص183 4۔ ایضا: ص178

عثمانیوں کی جمعیت'' کی قیادت میں ان کی مغربی طرز کی پالیسیوں کی وجہ سے انہیں سخت پریشانی اٹھانا پڑی۔ یہ لوگ اگرچہ تعلیم یافتہ تھے لیکن مغرب سے بہت متاثر تھے۔ ماسونی طاقتوں نے ان کے اس رجحان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ وزراء کا حکومت پر دباؤ اس حد تک بڑھ گیا کہ مدحت پاشا جو جدید عثمانیوں کی جماعت کی نمائندگی کر رہے تھے نے سلطان عبدالحمید کو ابتدائی دور حکومت میں (1877ء) میں لکھا: ''دستور کے اعلان سے ہمارا مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ ظلم کا خاتمہ ہو۔ آں جناب کے حقوق اور فرائض کا تعین ہو۔ وزراء کے وظائف کا تعین ہو۔ تمام لوگوں کی آزادی اور حقوق کی ضمانت فراہم ہو تا کہ ہمارا ملک ترقی کرے۔ میں آپ کے احکام کی صرف اسی صورت میں بجا آوری کروں گا جب یہ احکام قوم کے مفادات کے منافی نہیں ہوں گے۔(1)

سلطان عبدالحمید اس سلسلہ میں کہتا ہے'' میں دیکھتا ہوں کہ مدحت پاشا اپنے آپ کو مجھ پر حاکم اور آمر خیال کرتا ہے اور اپنے معاملے میں جمہوریت سے بہت دور اور آمریت کے بہت قریب ہے۔''(2)

مدحت پاشا اور اس کے ساتھی شراب کے رسیہ تھے۔ سلطان عبدالحمید اپنی یاداشتوں میں لکھتا ہے'' یہ بات مشہور ہے کہ اس عہد کے آزاد منش شعراء اور ادباء مدحت پاشا کے گھر اس دن جمع ہوئے جس دن اساسی قانون کا مسودہ شائع کیا گیا۔ یہ لوگ اس لئے اکٹھے نہیں ہوئے تھے کہ امور سلطنت کے بارے بات چیت کریں۔ بلکہ اس لئے اکٹھے ہوئے تھے کہ شراب پئیں اور اودھم مچائیں۔ یہ لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں۔ مدحت پاشا جوانی سے شراب پیتا آرہا ہے اور اس سے سب لوگ واقف ہیں۔ شراب کا نشہ قانون اساسی کے اعلان کے نشے کے ساتھ مل گیا ہے۔ جب مدحت پاشا دسترخوان سے اٹھا تو اسے دو آدمی سہارا دے رہے تھے وہ اسے بازوؤں سے پکڑے ہوئے تھے تا کہ وہ زمین پر گر نہ پڑے۔ جب وہ ہاتھ دھونے لگا تو اپنی بہن کے خاوند طوسون پاشا سے کہا جبکہ نشہ کی وجہ سے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ اے پاشا! آج کون ہے جب کہ میں اس مقام پر فائز ہو چکا ہوں کہ مجھے میرے منصب سے جدا کرے؟ کون ہے؟ کہو میں کتنے سال صدارت عظمیٰ کے منصب پر فائز رہوں؟ اس کے جواب میں طوسون پاشا نے کہا:

اگر یہ حالت رہی تو صرف چند ہفتوں کی بات ہے۔(3)

مدحت پاشا شراب نوشی کی خصوصی محافل میں مملکت کے اہم ترین راز افشاء کر دیتا تھا۔ اور دوسرے دن یہ راز استنبول کے رہنے والوں کے درمیان پھیل جاتے تھے۔ ایک رات اس نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ بہت جلد دولت عثمانیہ میں جمہوریت کا اعلان کرنے والے ہیں۔ اور وہ خود جدید عثمانی جمہوریت کے صدر ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے فرانس میں نپولین ثالث کے ساتھ ہوا۔

مدحت پاشا پر سلطان عبدالعزیز کے قتل کا الزام بھی تھا۔ سلطان عبدالحمید نے ایک کمیٹی تشکیل دی تا کہ وہ اس بارے تحقیق کرے۔ پھر الزام لگانے والوں کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ مدحت پاشا پر جرم ثابت ہو گیا عدالت نے اسے موت کی سزا

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص59 2۔ ایضاً ص60 3۔ مذکرات السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص77

سنائی لیکن سلطان عبدالحمید کی مداخلت پر سزائے موت کو قید کی سزا سے تبدیل کر دیا گیا اور مدحت پاشا کو حجاز مقدس کی طرف جلا وطن کر دیا گیا جہاں فوجی قیدیوں کے لئے ایک قید خانہ موجود تھا۔

دستور میں بظاہر اختیارات کی تقسیم نظر آتی تھی لیکن حقیقت میں تمام اختیار پہلے کی طرح فرد واحد کے ہاتھ میں تھے۔ اسی طرح نظام حکومت میں جو تبدیلیاں لائی گئیں وہ بھی ترقی کی قبیل سے تھیں۔ کسی نے سلطان کی خود مختاری کے خلاف سوچا تک نہ تھا۔ بلکہ دستور میں یہ عبارت موجود تھی کہ سلطان کی ذات پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں لگائی جائے گی اور سلطان کسی شخص کے سامنے جواب دہ نہیں ہوگا۔ یوں یہ دستور ایک شخصی دستور تھا(1)۔ صرف ایک شخص کو حق حاصل تھا کہ وہ کسی کو وزیر مقرر کرے یا اسے وزارت سے برطرف کر دے۔ سلطان خود مختار تھا کہ جس ملک کے ساتھ چاہے معاہدہ صلح کرے اور جس ملک کے خلاف چاہے اعلان جنگ کر دے۔ سلطان ہی فوجوں کا سپہ سالار اعظم تھا۔ اور اسے یہ حق حاصل تھا کہ پارلیمنٹ کی طرف رجوع کیے بغیر خود ہی قانون وضع کرے اور اس کا اجراء کر دے۔

سلطان عبدالحمید اپنے اسلاف کی طرح 1293ھ تا 1327ھ بمطابق 1876ء تا 1909ء کلی اختیارات استعمال کرتا رہا اس کی خود مختاری کو سب سے پہلے مدحت پاشا نے چیلنج کیا اور وہ قربانی کا پہلا بکرا بن گیا۔ وہ وسیع اختیارات جو دستور میں سلطان کو حاصل تھے۔ وزیر اعظم کے اختیارات کو محدود کرنے کا سبب تھے۔ کیونکہ حکومتی امور میں اس کی رائے کو ثانوی حیثیت حاصل تھی اور اختیارات کا اصل منبع سلطان خود تھا۔(2)

دستور میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا تھا کہ پارلیمنٹ کے ممبران کو آزادی رائے اور اپنے خیالات کو بیان کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ ان کا محاسبہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ وہ مجلس کے اصولوں سے تجاوز کر جائیں۔ یہ دستور عثمانی ترکی زبان میں لکھا گیا تھا کیونکہ یہی ملک کی سرکاری زبان تھی۔ تمام اجتماعات میں اسی زبان میں گفتگو ہوتی تھی۔

دستور میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا تھا کہ پارلیمنٹ کے ممبران پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی رائے کا اظہار علی الاعلان یا مخفی طریقہ سے جس طرح حالات کا تقاضا ہوگا کریں گے۔ دستور کی رو سے پارلیمنٹ سلطان کی مداخلت کے بغیر بجٹ تیار کرے گی لیکن تمام قوانین میں سلطان آخری اتھارٹی ہوگا۔

عوام الناس کے حقوق کے بارے دستور نے اس بات کا اعلان کیا کہ ملک میں رہنے والے تمام افراد عثمانی قوم کے افراد شمار ہونگے اور ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں برتی جائے گی۔ تمام افراد خواہ ان کا تعلق کسی بھی دین سے ہو قانون کی نظر میں یکساں ہونگے تمام افراد پر ایک جیسے فرائض وواجبات عائد ہوں گے اور تمام کو یکساں حقوق حاصل ہونگے۔ دستور میں عدلیہ کی آزادی کو بھی بیان کیا گیا تھا۔ شرعی عدالتوں کو اس بات کا پابند کیا گیا تھا کہ غیر مسلم اپنے دینی معاملات میں اپنی دینی عدالتوں کی طرف رجوع کریں گے۔(3)

سلطان عبدالحمید نے حکم دیا کہ دستور کو نافذ کیا جائے اور عام انتخاب کرائے جائیں۔ تاریخ عثمانی میں اس طرح کا کام

---

1۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 234　2۔ ایضا　3۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 180

پہلی بار ہو رہا تھا۔ ان انتخابات کے نتیجہ میں 71 سیٹیں مسلمان نمائندوں کو، 44 سیٹیں نصرانیوں کو اور 4 سیٹیں یہودی نمائندوں کو حاصل ہوئیں۔ پہلی عثمانی پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس 29 مارچ 1877ء بمطابق 1294ھ کو ہوا۔ ایوان بالا 26 ممبران پر مشتمل تھا جس میں 21 مسلمان نمائندے اور باقی غیر مسلم تھے جبکہ مجلس نمائندگان (پارلیمنٹ) 120 ارکان پر مشتمل تھی۔ اجلاس میں جب مختلف موضوعات پر بات چیت ہوئی تو بعض عرب نمائندوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ لیکن مجلس نمائندگان کی عمر بہت کم ثابت ہوئی۔ اس سے پہلے کہ اس کا دوسرا سیشن مکمل ہوتا 13 فروری 1878ء بمطابق 1296ھ میں بعض نمائندگان نے تین وزراء کو مجلس کے سامنے جواب دہ ہونے کے لئے طلب کرلیا۔ کیونکہ ان پر کچھ الزامات تھے۔ سلطان کے پاس اب اس کے سواء کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ مجلس کو برطرف کر دے۔ اور نمائندگان کو اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جانے کا حکم دے۔ سو سلطان نے مجلس برخاست کر دی اور بہت سے ممبروں کو جلاوطن کر دیا۔(1)

اس طرح اس مجلس کی کل مدت صرف 10 ماہ اور 15 دن بنتی ہے۔ یہی اس کے پہلے اور دوسرے سیشن کی کل مدت ہے۔ تین سال تک دوبارہ اس کا اجلاس نہ ہوا۔ پارلیمنٹ ہاؤس بند پڑا رہا اور اسے ایک بار بھی دوبارہ نہ کھولا گیا۔(2)

سلطان عبدالحمید نے مجبوراً اس دستور کا اعلان کیا تھا کیونکہ اس پر ماسونیوں کا دباؤ تھا جن کی قیادت مدحت پاشا کر رہا تھا۔ لیکن جب اسے فرصت ملی تو اس نے مجلس معطل کر دی۔

عبدالحمید ثانی درحقیقت مغربی جمہوریت کا مخالف تھا۔ اور اس کے علاوہ دستوری طرز حکومت جسے عثمانی اصطلاح میں ''مشروطیت'' کا نام دیا جاتا تھا کے بھی خلاف تھا۔ دستوری حکومت حاکم کے اختیارات کی حد بندی کرتی تھی اور سلطان کا خیال تھا کہ یہ نظام حکومت چونکہ مغرب سے آیا ہے اس لئے دولت عثمانیہ میں اس کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے جو لوگ دستوری نظام حکومت یا جمہوریت کی بات کرتے تھے۔ سلطان ان کو پسند نہیں کرتا تھا اور مدحت پاشا کے نظریات کی مخالفت کرتا تھا۔ سلطان نے مدحت پاشا پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''اسے مغرب کے مشروطی نظام حکومت کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اس نے مشروطیت کے اسباب اور نتائج کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ قرض کی گولیاں ہر مرض کا علاج نہیں۔ دوسرے ملکوں سے قرض لیکر ہم ملکی عمارت کو نہیں اٹھا سکتے۔ میرا خیال ہے کہ مشروطیت ہر قوم کے لئے موزوں نہیں اور ہر قومی حالت کے لئے اس میں فوائد موجود نہیں۔ پہلے میرا خیال تھا کہ یہ مفید ہے۔ لیکن اب مجھے اس کے نقصان دہ ہونے کا یقین ہو گیا ہے۔(3)

مشروطیت (جمہوریت) کے نقصان دہ ہونے کے بارے سلطان کے پاس دلائل موجود تھے۔ ان میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ دستوری حکومت کی بات کرنے والے لوگوں کی جب سلطان نے درخواست منظور کی اور دستوری حکومت نافذ کرنے کا حکم جاری کیا تو ان لوگوں نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا۔ مثلاً

جب سلطان نے دستور کا اعلان کیا تو عین اس وقت حکومت نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ بعض قراردادوں پر دستخط

---

1۔ ' ولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 181   2۔ البلاد الغربیۃ والدولۃ العثمانیۃ: ساطع الحصری: ص 100,99

3۔ مذاکرات السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص 80

کرے جن کی رو سے ان صوبوں میں جن میں کثرت سے مسلمان بستے ہیں نصرانیوں کو حکومت دی جائے۔ اسی طرح ان سکولوں میں نصرانی طلبہ کو بھی داخلہ دیا جائے جن میں عثمانی فوجوں کو عسکری تربیت دی جاتی ہے۔ سلطان نے ان دونوں مسودات پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مدحت پاشا جو وزیر تھا نے یہاں تک کہہ دیا کہ اعلان دستور سے ہمارا مقصد محلات کے ظلم وستم کو ختم کرنا ہے۔ آں جناب پر لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔(1)

دوسرا سبب جس کی بناء پر سلطان عبدالحمید دستوری نقطہ نظر کی مخالفت کرتا تھا وہ یہ تھا جیسا کہ وہ کہتا ہے'' دولت عثمانیہ ایک ایسی سلطنت ہے جس میں مختلف اقوام کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اور اس طرح کے کسی ملک میں جمہوریت کا نفاذ اصلی عنصر کی موت ثابت ہو سکتا ہے۔ کیا انگلستان کی پارلیمنٹ میں ایک بھی ہندوستانی نمائندہ موجود ہے؟ کیا فرانس کی پارلیمنٹ میں ایک بھی ایسا نمائندہ موجود ہے جو الجزائر سے تعلق رکھتا ہو۔(2)

سلطان نے اپنی مملکت میں دستوری نظام حکومت کے نفاذ کے بارے اپنا نقطہ نظر تبدیل نہ کیا۔ حتیٰ کہ جب وہ حکومت سے الگ کر دیے گئے اور لوگوں نے دستوری نظام حکومت کو رائج کرنا شروع کیا تو وہ کہا کرتے تھے۔

'' مشروطیت کے اعلان سے کیا ہوا؟ کیا قرضے کم ہو گئے ہیں؟ کیا راستوں سکولوں اور بندرگاہوں کی کثرت ہو گئی ہے؟ کیا اب قوانین زیادہ منطقی اور قرین عقل و دانش ہیں؟ کیا امن و امان کی صورتحال بہتر ہو گئی ہے؟ کیا اب لوگ زیادہ خوشحال ہو گئے ہیں؟ کیا شرح اموات کم ہو گئی ہے؟ اور شرح ولادت میں اضافہ ہو گیا ہے؟ کیا عالمی رائے ہمارے لیے پہلے سے بہتر ہو گئی ہے؟ جب ایک نفع بخش دواء ناتجربہ کار طبیب کے ہاتھ میں آ جائے تو وہ سم قاتل بن سکتی ہے۔ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آ کر ایک بہترین دوا موت کا پیغام بن سکتی ہے جو اس کے بارے تجربہ نہیں رکھتا مجھے بے حد افسوس ہے۔ حالات میری گفتگو کی سچائی کو ثابت کر چکے ہیں۔''(3)

سلطان عبدالحمید بیان کرتا ہے کہ اس کا موقف دستوری طرز حکومت کے بارے ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ ان کا یہ نقطہ نظر ان حالات میں ہے جن حالات میں اس کو نافذ کیا گیا ہے۔ اگر حالات تبدیل ہو جائیں تو اس بارے ان کے نقطہ نظر میں تبدیلی آ سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں'' یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ میں ہمیشہ سے اس نظام حکومت کے خلاف ہوں جس کی بنیاد مشروطیت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔(4)

سلطان عبدالحمید کا دور حکومت داخلی اور خارجی فتنوں، سازشوں اور مشکلات کا دور تھا۔ دولت عثمانیہ اس دور میں گوناگوں عالمی سازشوں کا سامنا کر رہی تھی۔ انہوں نے امور مملکت میں یورپی عمل دخل کو روکنے کے لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق اصلاح احوال کی کوششیں شروع کیں۔ اور ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات کیے۔ نام نہاد رائٹرز اور مغرب زدہ صحافیوں کو ہمیشہ دارالحکومت سے دور رکھا۔ اسلامی تہذیب کے مخالف مغربی رجحانات کو ملک کے مختلف علاقوں میں پروان

---

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص95 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً ص96 4۔ ایضاً

بڑھنے سے روکا۔اندرونی دشمنوں کی سازشوں سے ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایسا طاقتور ادارہ قائم کیا جو خبر رسانی کا فریضہ سرانجام دیتا تھا اور ملک کے اندر رونما ہونے والے تمام حالات وواقعات کے بارے سلطان کو اطلاعات فراہم کرتا تھا۔
سلطان نے اسلامی اتحاد ویگانگت کے بارے بھی سوچ وبچار کی۔اس اتحاد نے عظیم نتائج دیے۔یورپی سلطان کی اس عمیق اور گہری سوچ سے تھرا اٹھے اور ان کی اس سوچ کو ختم کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔
سلطان نے اپنی خفیہ اطلاعاتی ایجنسی کے بارے بات کرتے ہوئے کہا" عثمانی رواج کے مطابق سلطان اگر ایک طرف حکومتی ادارے کے طریق کار کے بارے رعایا کی سوچ اور ان کی شکایات، اپنی حکومت اور عدلیہ کے بارے ان کے خیالات کے متعلق معلومات حاصل کرتا ہے تو دوسری طرف ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی خانقاہوں اور درویشوں کی درگاہوں کے بارے معلومات حاصل کرتا ہے۔اور ان آراء وافکار کو جمع کر کے ان سے امور مملکت کی سرانجام دہی میں رہنمائی حاصل کرتا ہے۔
میرے جد امجد سلطان محمود ثانی نے خبر رسانی کے دائرے کو بہت وسعت دی تھی۔اس ادارے میں کئی درویشوں کی خدمات حاصل کی تھیں جو ملک کے طول وعرض میں سفر کرتے رہتے تھے ۔جب میں سریر آرائے سلطنت ہوا تو یہی طریقہ رائج تھا اور اسی طریقہ کار پر میں کاربند چلا آ رہا ہوں۔
مجھے اپنے لندن میں سفیر موسوروس پاشا کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ سابق صدراعظم سر عسکر حسین عونی پاشا نے انگریزوں سے رقم وصول کی ہے۔جب صدراعظم جو بادشاہ کے نام سے ملک کا نظم ونسق چلاتا ہے ملک کے ساتھ اسطرح کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ خبر رسانی پر معمور لوگ قصر خلافت پہنچیں اور اس کی بددیانتی کو طشت ازبام کریں تاکہ ایک حکومتی نمائندہ اپنے منصب سے غلط فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے فرائض منصبی کو کما حقہ پورا کرے۔میں صدراعظم کے بارے یہ بات سن کر بہت پریشان ہوا اور اس واقعہ سے میں نے بڑا اثر قبول کیا۔انہی دنوں میرے پاس محمود پاشا آیا اور مجھے" ترکیا الفتاۃ" کے بارے بعض معلومات فراہم کیں یہ اطلاعات جو انہوں نے مجھ تک پہنچائیں بہت ضروری تھیں۔میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے یہ معلومات کیسے حاصل کی ہیں۔تو انہوں نے بتایا کہ ان کی ایک ذاتی خبر رساں ایجنسی ہے۔اس نے " ترکیا الفتاۃ" کے بعض اشخاص کو تحریص کے ذریعے حاصل کیا ہے یہ لوگ رقم کے لالچ میں آ کر اپنے ساتھیوں سے خبریں وصول کرتے ہیں اور پھر آ کر مجھے بتاتے ہیں۔
یہ بات صحیح ہے کہ وہ میرے بہنوئی ہیں لیکن یہ بات غلط ہے کہ ایک افسر (پاشا) کے پاس اپنی ذاتی خبر رساں ایجنسی ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ فوراً اپنی اس ایجنسی کو ختم کر دیں وہ یہ بات سن کر بہت پریشان ہوئے ہیں۔

## ترک خفیہ جاسوس ادارے کے قیام کا ارادہ:

ایسے میں کوئی مملکت بھی امن سے نہیں رہ سکتی جبکہ دوسرے ملک اپنے مفادات کے لئے صدر اعظم کی سطح کے آدمیوں کو استعمال کر رہے ہوں۔

ان حالات کے پیش نظر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ایسی خفیہ خبر رساں ایجنسی قائم کروں جو براہ راست میرے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔ یہی وہ ایجنسی ہے جسے میرے دشمن جورنالجیہ (خفیہ پولیس، انٹیلی جنس) کا نام دیتے ہیں۔

ضروری ہے کہ میں سچے اور جھوٹے مخبروں میں تمیز کروں اور ان کی معلومات کے بارے چھان بین کروں اور جب تک حقیقت حال واضح نہیں ہو جاتی ان کی اطلاعات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہ کروں۔

میرے جد امجد سلطان سلیم (سلیم ثالث) کہا کرتے تھے۔ ''غیر ملکی ہاتھ میرے جگر کے اوپر حملہ کرنے کے لئے بلند ہو چکے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم دوسرے ملکوں میں اپنے سفیر بھیجیں تا کہ وہ یورپ کی ترقی کے طریقوں کو یہاں متعارف کرائیں۔ ضروری ہے کہ ہم دوسرے ممالک میں اپنے نمائندے بھیجیں تا کہ ان کے تجربات سے جس قدر جلد ممکن ہو ہم استفادہ کر سکیں۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ میں ان غیر ملکی ہاتھوں میں ہوں۔ لیکن وہ میرے جگر کے اوپر گرفت نہیں رکھتے بلکہ وہ میرے دل میں پنجے گاڑھ چکے ہیں۔ لوگ میرے صدر اعظم اور وزراء کو خرید چکے ہیں اور ان کو میرے ملک کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ میں نے خزانہ دولت سے ان پر بڑی خطیر رقم خرچ کی ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں کیا ارادہ رکھتے ہیں اور کس چیز کی تیاری کر چکے ہیں؟ ہاں میں نے جورنالجیہ (انٹیلی جنس) کے ادارے کی بنیاد رکھی ہے اور میں خود اس ادارے کی نگرانی کر رہا ہوں۔ یہ سب کچھ کب واقعہ ہوا؟

اس کے بعد کہ میں نے دیکھا میرے صدر اعظم غیر ملکوں سے رشوت لیکر ملک کا سودا کر رہے ہیں اور میری حکمرانی کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں میں نے اس ادارے کی بنیاد رکھی ہے اس لئے نہیں کہ یہ اپنے ہم وطنوں کے خلاف آلہ کار بن جائیں بلکہ اس لئے کہ وہ ان لوگوں تک رسائی حاصل کریں اور ان کو بے نقاب کریں جو میرے ملک کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ قومی خزانہ سے بھاری تنخواہیں لیتے ہیں اور ملک ان کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔(1)

درحقیقت سلطان عبدالحمید کو جمعیت الاتحاد والترقی کی طرف سے سخت تنقید کا سامنا تھا۔ ان کا اعتراض تھا کہ سلطان نے ایک سراغرساں ایجنسی کیوں قائم کی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں یہی وہ ادارہ تھا جس نے دولت عثمانیہ کے لئے بہت اہم کام سرانجام دیے اور ملک کو آنے والے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے بہترین کردار ادا کیا'' باغی اور دہشت گرد ارمنوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف آمادۂ بغاوت کر رہے تھے تو یہی ادارہ تھا جس نے اس سازش کو بے نقاب کیا اور لشکر کشی کر کے فوراً باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔ یہ وہ ادارہ ہے جس نے تیس سال تک سلطان عبدالحمید کو ملک میں ہونے والی ہر تحریک کے

---

1۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص160

بارے باخبر رکھا اور اس کی بدولت سلطان نے ہر داخلی بغاوت کو بروقت کچل کر رکھ دیا۔(1)

## بلقانی علاقوں میں رونما شورشوں اور بغاوتوں کا معاملہ

جبل اسود اور سربیا کے لوگ ھرسک کے عیسائیوں کی شہ پر دولت عثمانیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بغاوت 1293ھ بمطابق 1876ء کو ہوئی۔ عثمانیوں نے اسے فرو کر دیا۔ اور سلطان عبد الحمید نے خواہش ظاہر کی کہ یورپیوں کو دولت عثمانیہ کے معاملات میں مداخلت سے روکا جائے۔ سوانہوں نے ایک فیصلے کا اعلان کیا جس کی رو سے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا گیا۔ قاضیوں کے تقرر میں انتخاب کا طریقہ اختیار کیا گیا اور ملک میں بسنے والے تمام لوگوں مسلمانوں اور عیسائیوں پر مساوی ٹیکسز لاگو کیے گئے۔ لیکن یہاں کے رہنے والے لوگ اس پر راضی نہ ہوئے۔ بغاوت دوبارہ ہوئی لیکن اس بار بھی اسے کچل دیا گیا۔ لیکن آسٹریا کا ملک جو اس بغاوت کی پشت پناہی کر رہا تھا اور بوسنیا اور ھرسک کو متحد کرنے کی خواہش رکھتا تھا، لوگوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف آمادہ بغاوت کرتا رہا۔ آسٹریا نے روس، جرمنی، فرانس اور انگلستان سے مل کر سلطان عبد الحمید سے مطالبہ کیا کہ وہ ملک میں اصلاحات کو نافذ کریں۔ سلطان نے اصلاحات کے نفاذ کی حامی بھر لی لیکن بوسنیا کے نصرانی راضی نہ ہوئے اور انہوں نے ان اصلاحات کو قبول نہ کیا۔ درحقیقت اصلاحات کا مطالبہ ایک ڈھونگ تھا۔ یورپی اس بہانے دولت عثمانیہ کے معاملات میں بالواسطہ اور بلاواسطہ مداخلت کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس مملکت کو کمزور کر سکیں اور اس کا تختہ الٹ سکیں۔(2)

عین اس وقت جب بوسنیا اور ھرسک کے نصرانیوں نے شورش کی، بلغاریہ میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی اس بغاوت کی پشت پناہی آسٹریا اور یورپی ملک بالخصوص روس کر رہا تھا۔ اسی دوران آرتھوڈکس نصرانیوں اور سسلی کے لوگوں کے درمیان روسی اثر ونفوذ کو بڑھانے کی خاطر بلغاریہ میں کچھ تنظیمیں معرض وجود میں آئیں۔ ان تنظیمات کی مدد روس کر رہا تھا اور انہیں وافر مقدار میں اسلحہ پہنچا رہا تھا۔ اور یہ تنظیمیں سربیا، بوسنیا اور ھرسک کے نصرانیوں کو شورش برپا کرنے میں پوری طرح کوشاں تھیں۔ جب دولت عثمانیہ نے بعض جرکس قیدیوں میں کمی کی تو بلغاریہ کے لوگوں نے اس پر احتجاج کیا اور بغاوت کر دی۔ روس اور آسٹریا نے اسلحہ اور دولت کی صورت میں ان کی مدد کی۔ لیکن دولت عثمانیہ نے باغیوں کا سر کچل کر ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ یورپی دولتوں نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عثمانی نصرانیوں کی نسل کشی کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا صرف باغیوں کی بیخ کنی کی گئی تھی۔ اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر یورپ کی رائے عامہ دولت عثمانیہ کے خلاف ہو گئی اور یورپی حکومتوں نے عثمانیوں کے خلاف سخت پابندیاں عائد کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ بلغاریہ کو خود مختاری دی جائے اور یہاں ایک ''نصرانی حاکم کا تقرر کیا جائے۔''(3)

روس، جرمنی اور آسٹریا نے سربیا اور جبل اسود کے لوگوں کو عثمانیوں کے خلاف جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ کیونکہ روس چاہتا تھا کہ بلغاریہ کی طرف اپنی حدود کو وسعت دے۔ آسٹریا، بوسنیا اور ھرسک کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی حدود کو وسیع کرنا چاہتا

---
1۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 189 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

تھا۔ ان ملکوں نے سربیا اور جبل اسود کے امیر سے وعدہ کیا کہ وہ اسے مدد فراہم کریں گے۔ روسی فوج نے اچانک خفیہ طریقہ سے سربیا اور جبل اسود کے علاقوں میں گھسنا شروع کر دیا۔ جنگ شروع ہو گئی لیکن دولت عثمانیہ نے سربیا اور اس کے حلیفوں پر فتح حاصل کر کے یورپیوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ ایسے میں یورپی ملکوں نے مداخلت کی اور جنگ بندی کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ اگر جنگ بند نہ ہوئی تو میدان جنگ وسیع ہو جائے گا۔(1)

یورپی ملکوں کے مندوبین استنبول میں جمع ہوئے اور دولت عثمانیہ کے سامنے چند تجاویز پیش کیں جن میں درج ذیل بہت اہم ہیں: بلغاریہ کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان صوبوں کے گورنر نصرانی ہوں۔ فیصلوں کے نفاذ کے لئے ایک ملکی کمیٹی تشکیل دی جائے۔ بوسینا اور ہرسک کو بھی یہ مراعات دی جائیں اور دولت عثمانیہ بعض علاقوں سے سربیا اور جبل اسود کے لوگوں کے حق میں دست بردار ہو جائے۔

لیکن دولت عثمانیہ نے ان قراردادوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور سربیا کے ساتھ الگ حیثیت سے صلح کا معاہدہ کر لیا۔ جس کے نتیجے میں دولت عثمانیہ نے اپنی آرمی کو سربیا سے واپس بلا لیا اور اس علاقہ پر عثمانی اور سربی جھنڈے لہرائے گئے جو اس بات کی دلیل تھے کہ یہاں سیادت عثمانیوں کی ہے۔

سلطان عبدالحمید کو یقین تھا کہ مغربی ملکوں کا اصل ٹارگٹ دولت عثمانیہ کو ختم کرنا ہے۔ وہ اس بات کا اظہار اپنی یادداشتوں میں یوں کرتے ہیں۔ ''استنبول میں بڑے بڑے ملکوں کی جو کانفرنس ہوئی اس میں میں نے دیکھا کہ یہ ملک کس چیز کا عزم رکھتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں جیسا کہ یہ کہتے ہیں کہ مسیحی رعایا کے حقوق کی ضمانت فراہم کی جائے بلکہ درحقیقت یہ اس رعایا کی ذاتی خودمختاری کی ضمانت چاہتے ہیں اور پھر ان کی مکمل خودمختاری کے سلسلے تک پہنچنا چاہتے ہیں اس طرح دولت عثمانیہ تقسیم ہو کر رہ جائے گی اور یہی ان کی خواہش ہے۔

وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر دو طرح کی کوششیں کر رہے ہیں:

1- مسیحی رعایا کو بغاوت پر آمادہ کر کے ملکی فضا کو مکدر کیا جائے اور پھر ان حالات سے فائدہ اٹھا کر مغربی ملک نصرانیوں کی حمایت کے لیے آواز بلند کریں۔(2)

2- ہماری صفوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لئے جمہوریت کی بات کرنا بدقسمتی سے ہمارے اندر سے انہیں کئی ایسے لوگ مل گئے ہیں جو ان مقاصد میں ان کے کام آ سکتے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دشمن نے روٹی پر کچھ گھی لگا دیا ہے۔ ہمارے بہت سے پڑھے لکھے نوجوان اس بات کو نہیں سمجھ رہے کہ دستوری نظام حکومت ایک ایسے ملک میں تو کامیاب ہو سکتا ہے جہاں قومی وحدت پائی جاتی ہو لیکن جہاں کئی اقوام رہتی ہوں وہاں یہ نظام حکومت قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نوجوان ان دونوں صورتوں میں دراصل تمیز کرنے سے قاصر ہیں اور دشمن کی چالوں میں آ کر اپنی ملکی سلامتی کے خلاف کوشاں ہیں''۔(3)

---

1۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص190 2۔ ایضاً 3۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص145

## زار کے روس اور سلطنت عثمانیہ کے مابین جنگ کا حال

روس دینی، اقتصادی اور جغرافیائی عوامل کے سبب گرم پانیوں تک رسائی حاصل کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ پطرس اکبر (1627ء تا1725ء) روس کو وصیت کرتے ہوئے (اپنی نصیحت کے نویں، گیارویں اور تیرھویں جملے میں) کہتا ہے کہ عثمانیوں کے خلاف تہذیبی کشمکش جاری رہنی چاہئے یہاں تک کہ اس کا دنیا سے وجود مٹ جائے''۔

پطرس اکبر اپنی وصیت کے نویں جملے میں کہتا ہے۔

''ہم قسطنطنیہ اور ہند کے بقدر امکان نزدیک پہنچ چکے ہیں جو ملک قسطنطنیہ کا مالک ہوگا وہی دنیا کا مالک ہوگا۔ اس بناء پر ہمیں عثمانیوں سے جنگ کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔''

گیارویں جملے میں کہتا ہے'' عثمانیوں کو یورپ سے نکالنے کے لئے ہم آسٹریا کا ساتھ دیں گے کیونکہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں''۔

بارھویں فقرے میں کہتا ہے'' عثمانی ملکوں پر قبضہ کرنے کے بعد ہم اپنی فوجوں کو جمع کرلیں گے اور ہمارے بحری بیڑے بحر بلطیق اور بحر اسود میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد ہم دنیا کو باہم تقسیم کرنے کے لئے فرانس اور آسٹریا کے ساتھ مذاکرات شروع کریں گے۔''(1)

روس نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں روس اور یورپی ملکوں کے ایماء پر بلقان، یونان، اور دوسرے عثمانی علاقوں میں کئی بغاوتیں ہوئیں۔ ان ملکوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کئی خود مختار نصرانی ملکوں کے قیام کے سلسلے میں کوششیں بھی کیں جیسے رومانیا، بلغاریا، سربیا اور یونان اور جب عثمانیوں کو بلقان میں شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں تو روس میدان جنگ میں اتر پڑا اور دولت عثمانیہ کے خلاف ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کا اعلان کردیا۔ رومانیا نے بھی روس کا ساتھ دیا۔ عثمانیوں نے روس کے ساتھ سخت ترین جنگ کی۔ روسی فوجوں نے دریائے دانوب کو پار کیا اور دولت عثمانیہ کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا جیسے'' تیرنوہ'' اور ''نیقولبلی بل'' جو آج کل بلغاریہ میں واقع ہیں۔ اسی طرح روس نے بعض دوسرے اہم مقامات اور بلقان کی طرف جانے والے راستوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ روسی حملوں کا جواب دینے کے لئے سلطان عبدالحمید نے عثمانی فوج کی قیادت میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کیں۔ روس نے بلفنہ کے شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ شہر موجودہ بلغاریہ میں واقع ہے۔ یہ بلقان کی طرف جانے کے لئے اہم بندرگاہ تھی لیکن عثمانی فوج کے بہادر سپہ سالار عثمان پاشا نے پوری بہادری سے اس کو للکارا اور روسی فوجوں کو شکست خوردہ واپس جانے پر مجبور کردیا۔ روس نے دوبارہ اپنی کثیر آرمی کے ساتھ حملہ کیا لیکن اس بار بھی اس مرد آہن نے روس کے چھکے چھڑا دیے۔ اسی بہادری کی وجہ سے سلطان عبدالحمید نے ایک خصوصی شاہی فرمان جاری کیا جس میں اس عظیم اور بے مثل قائد کی تعریف کی۔(2)

اس چٹان کے سامنے روسی جب بے بس ہو گئے تو انہوں نے شہر پر قبضہ کرنے کی اپنی پالیسی تبدیل کرلی۔ انہوں نے

---

1۔ التحفۃ الحلیمیۃ: ابراہیم حلمی بک: ص241 2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص418

چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر کے شہر کا دفاع کرنے والی فوج کی سپلائی مکمل طور پر بند کرنے کی پالیسی اختیار کی محاصرہ کے ساتھ ساتھ روسی فوج نے شہر پر ایک سخت حملہ کیا۔ اس حملے میں روسی قیصر نے خود حصہ لیا۔ رومانیا کے امیر نے بھی روس کا ساتھ دیا۔ اس کے ساتھ ایک لاکھ جنگجو تھے۔ اس جنگ مین روس کا پلڑا بھاری رہا۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ کر ڈیڑھ لاکھ ہو گئی۔ انہوں نے تین خطوط پر عثمانیوں کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود عثمان پاشا کی قیادت میں عثمانی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹے رہے۔ اگرچہ ان کی تعداد صرف 50 ہزار تھی لیکن انہوں نے کمال جرات کا مظاہرہ کیا انہوں نے نہ صرف دفاع کیا بلکہ محاصر فوجوں پر اقدام کر کے ان کے چھکے چھڑا دیے۔ عثمانیوں کے دل میں صرف ایک ہی سودا سمایا تھا کہ ہم فتح یاب ہوں گے اور محاصرہ توڑ دیں گے یا پھر سب شہادت سے ہمکنار ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہوں گے۔

عثمان پاشا کی قیادت میں عثمانی فوج دشمن پر بار بار حملہ کر رہی تھی۔ نعرہ تکبیر کی آواز سے آسمان کانپ رہا تھا۔ بہادر جان کی پرواہ کیے بغیر دشمن پر بڑھ کر حملہ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد روسی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے محاصرین کے پہلے خط کو توڑ ڈالنے میں کامیابی حاصل کی۔ دوسرا خط بھی ان کا راستہ نہ روک سکا۔ دشمن کی کئی توپوں پر عثمانیوں نے قبضہ کر لیا۔ جب تیسری لائن کو توڑنے کی کوشش ہو رہی تھی عین اس وقت اسلامی سپاہ کے عظیم قائد عثمان، پاشا کو کچھ زخم آئے۔ اپنے قائد کو زخمی دیکھ کر مسلمان سپاہ میں شوق شہادت انگڑائیاں لینے لگا۔ انہوں نے سر توڑ کوشش کی کہ کسی طرح شہر کے دفاع کا فریضہ پورا ہو۔ انہوں نے شہر میں واپس آنے کی کوشش کی لیکن روسی فوج شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ چاروں طرف سے دشمن ان پر آگ برسا رہا تھا۔ آخر عثمانی مجبور ہو گئے اور روسی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ واقعہ 1294ھ بمطابق 1877ء کا ہے۔ عثمانی قائد ''عثمان پاشا'' نے بھی گرفتاری دے دی۔ وہ زخموں سے چور تھے۔ لیکن روسی فوجیں اس عظیم قائد کی صورت دیکھنے کے لئے بے تاب تھیں جس نے اپنی شجاعت اور بہادری کی بدولت اپنے دشمن کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ روسی فوج اس عظیم قائد کی بہادری اور اقدامی جنگ پر بڑے حیران تھے(1)۔ حتیٰ کہ روسی فوج کے چیف نے شاندار دفاع پر عثمان پاشا کو مبارک باد دی اور اس کی جنگی طاقت اور ثابت قدمی کے احترام میں اس کی تلوار اس کو لوٹا دی۔ عثمان پاشا کو دسمبر 1877ء میں روس بھیج دیا گیا۔ قیصر روس نے اس کا شاندار استقبال کیا اور عثمان پاشا کے ساتھ قیدیوں والا سلوک نہ کیا۔

روس کی ان کامیابیوں نے بلقان میں سربیا کو حوصلہ دیا اور اس نے عثمانیوں کے خلاف جنگ آزما ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اس کی فوج نے عثمانی علاقوں پر ہلہ بول دیا اس حملے کی وجہ سے عثمانیوں کی توجہ روس کی طرف سے ہٹ گئی جو نئے علاقوں کو اپنے قبضے میں لینے کے لئے کوشاں تھا اور اس نے بالفعل صوفیا پر قبضہ بھی کر لیا (جو موجودہ رومانیا کا دارالحکومت ہے) روس نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کی فوجوں نے قدیم عثمانی دارالحکومت کا رخ کر لیا اور استنبول سے صرف پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر پہنچ گئیں۔ دولت عثمانیہ کے اندرونی حالات بھی حد سے زیادہ خراب ہو گئے۔

---

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 141

اسی عرصہ میں روس اور عثمانیوں کے درمیان ایشیاء کے علاقوں میں کئی معرکے ہوئے اور روس اناضول تک پہنچ گیا۔ لیکن اس کے باوجود عثمانی انہیں شکست دینے اور روسی علاقوں کے اندر دھکیل لے جانے میں کامیاب رہے۔ عثمانیوں نے احمد مختار پاشا کی قیادت میں چھ سے زیادہ معرکوں میں روس کو شکست دی جس کی وجہ سے سلطان عبدالحمید نے شاہی فرمان جاری کیا اور احمد مختار کی خوب تعریف کی۔ روس نے ان علاقوں پر دوبارہ حملہ کر دیا اور 1295ھ میں عثمانیوں کو شکست دینے اور اناضول کے بعض علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ (1)

یورپ اور ایشیاء میں عثمانیوں کی ان ناکامیوں کی وجہ سے دولت عثمانیہ نے روس کے ساتھ مذاکرات صلح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ 1878ء میں طرفین کے مابین ایک معاہدہ ہوا جسے "سان سٹفنو" کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔

اس معاہدہ پر 3 مارچ 1878ء کو دستخط ہوئے۔ دولت عثمانیہ کی طرف سے جب صفوت پاشا اس معاہدہ پر دستخط کر رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ظاہر ہے اس معاہدہ میں ایسی شرائط پائی جاتی تھیں جو دولت عثمانیہ کے لئے ہلاکت کا باعث تھیں۔ (2)

## سان سٹفنو کا معاہدہ 15 فروری 1878ء : 1295ھ

روسی مندوب پہلے سے طے شدہ شروط لے کر آیا اور ان پر براہ راست دستخط کرنے کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ اگر اس پر دستخط نہ ہوئے تو روسی فوجیں پیش قدمی کرتی ہوئی استنبول پر قبضہ کر لیں گی۔ عثمانیوں کے لئے اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اس رسوائے قوم معاہدہ پر دستخط کر دیں۔ اس معاہدہ میں درج ذیل باتیں تحریر کی گئی تھیں۔

1. جبل اسود کی حدود کا تعین تاکہ جنگ کا خاتمہ ہو اور اس صوبے کی خود مختاری کا اعلان۔
2. سربیا کی خود مختاری اور کئی دوسرے علاقوں سے اس کے حق میں دستبرداری۔
3. بلغاریا کی انتظامی خود مختاری، اس کے بدلے میں بلغاریا دولت عثمانیہ کو ایک مقررہ رقم ادا کرے گا۔ اس علاقہ میں فوج اور سول ملازمین تمام کے تمام نصرانی ہونگے۔ بلغاریا کی حدود کا تعین روس اور دولت عثمانیہ کے مشورے سے ہوگا۔ امیر کا تقرر یہاں بسنے والے لوگوں کے انتخاب سے ہوگا۔ اور عثمانی اپنی فوج کو بلغاریا سے نکال لے جائیں گے۔
4. دولت رومانیا کی مکمل خود مختاری۔
5. دولت عثمانیہ ارمن، نصرانی کرد اور سرکس اقوام کی حفاظت کا عہد کرے گی۔
6. دولت عثمانیہ جزیرہ کریٹ کے نصرانیوں کے حالات کی بہتری کے لئے عملی اقدامات کرے گی۔
7. دولت عثمانیہ جنگی تاوان ادا کرے گی جس کی مالیت 250 ملین سونے کے لیرہ ہوگی اگر روس چاہے گا تو اس رقم کے بدلے بعض علاقوں کو اپنے ملکی حدود میں شامل کرے گا۔
8. باسفورس اور دردنیل کی تنگنائیں امن و جنگ دونوں صورتوں میں روسی فوجوں کے لئے کھلی رہیں گی۔

---

1۔ الفتح الاسلامیہ عبر العصور: ص 418    2۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 144

● بلغاریا کے مسلمان دولت عثمانیہ کے جس علاقہ کی طرف چاہیں گے ہجرت کرسکیں گے۔(1)

اس طرح دولت عثمانیہ کے یورپی علاقے ایک ایک کر کے اس سے الگ ہوگئے۔ اگرچہ بلغاریا کی اس انفرادیت نے بلقان کی دوسری مملکتوں کو ناراض کردیا جیسے آسٹریا یونان اور سربیا اور برطانیہ نے بلقان میں روس کے بڑھتے ہوئے نفوذ کو خطرہ محسوس کیا اور اس نے روس کے ساتھ دوبارہ جنگ چھیڑ دی۔

برطانیہ نے جون 1878ء میں دولت عثمانیہ سے قبرص پر قبضہ کرنے کا حق حاصل کرلیا۔ اس شرط پر کہ جزیرہ دولت عثمانیہ کے ماتحت رہے گا۔ لیکن اس کا نظام وانصرام برطانیہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کے مقابلے میں برطانیہ دولت عثمانیہ کے ایشیائی علاقوں کا دفاع کرے گا تاکہ روس مزید آگے نہ بڑھ سکے۔ سلطان برطانیہ کے مشورہ سے اپنے ایشیائی علاقوں میں ضروری اصلاحات کرے گا۔ برطانیہ نے یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر روس سلطنت عثمانیہ کے ایشیائی علاقوں سے دستبردار ہوجائے تو برطانیہ بھی قبرص عثمانیوں کے حوالے کردے گا۔(2)

سلطان عبدالحمید دراصل اس جنگ میں شرکت پر راضی نہیں تھا۔ اس لئے اس نے اس معاہدہ کی تصدیق نہ کی اور سیاسی اور اعلیٰ سطح کی ڈپلومیسی کوششیں کر کے برطانیہ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگیا۔ اسی لئے ایک اور کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہوا جس کا نام برلن کانفرنس ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف معاہدہ سان سٹفنو کے اثرات کم ہوں تو دوسری طرف روس کو برطانیہ کے مقابلے میں آنے سے ڈرایا جائے تاکہ روس جنگ سے باز رہے۔ اس کانفرنس سے دولت عثمانیہ کو کچھ فوائد حاصل ہوئے اور پہلے معاہدہ کے نقصانات کچھ کم ہوگئے۔

ان دونوں معاہدوں کے حالات وواقعات سے سلطان عبدالحمید کی سیاسی عبقریت سامنے آجاتی ہے۔ جنہوں نے روس اور جرمنی کے درمیان بھی نفرت کی دیوار کھڑی کردی۔(3)

جرمنی کا فرمانروا ''گلیوم ثانی'' اپنی یاداشتوں میں لکھتا ہے :

''میں نے روس کے قیصر سکندر ثانی کے عہد حکومت میں قیصری دربار سے تعلق رکھنے والے ایک بہت بڑے افسر سے مذاکرات کیے۔ یہ مذاکرات روسی اور جرمنی، حکومتوں دونوں ملکوں کی فوج اور ان کے باہمی تعلقات سے متعلق تھے۔ میں نے روسی سپہ سالار سے کہا کہ میں ان علاقوں میں ایک بہت بڑی تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا'' یہ برلن کانفرنس کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے جس کا ارتکاب بسمارک نے کیا ہے۔ اس نے ہمارے درمیان دوستی کے قدیم تعلق کو ختم کردیا ہے۔ روسی دربار شاہی اور روسی حکومت کا اب جرمنی سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ آرمی نے بھی اب یہ سوچنا شروع کردیا ہے کہ ایک خون ریز لڑائی کے بعد جس کی ہولناکیوں میں یہ فوج 1877ء میں گھسی تھی ان پر بہت بڑا ظلم کیا گیا ہے۔(4)

---

1۔الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص193,192 2۔ایضاً ص193
3۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص145 4۔مذاکرات غلیوم الثانی ص19,18

## برلن کانفرنس 1305ھ، 1887ء

اس کانفرنس میں بڑی بڑی سلطنتیں شریک ہوئیں جیسے انگلستان، فرانس، جرمنی اور آسٹریا اور دولت عثمانیہ اور روس کے درمیان طے پانے والے معاہدہ سان سٹفنو میں ترمیم کے بارے گفتگو ہوئی۔ کیونکہ مذکورہ بالا یہ ملک اس معاہدہ کے حق میں نہیں تھے۔ وجہ یہ تھی کہ یہ معاہدہ ان کے ملکی مفادات کے موافق نہیں تھا۔ کانفرنس کے شرکاء نے معاہدہ سان سٹفنو میں ترمیم سے اتفاق کیا اور برلن معاہدہ طے پایا جس کی اہم دفعات درج ذیل ہیں۔

❶ بلغاریا کی خودمختاری اور اس کی حدود میں تبدیلی۔ اس معاہدہ کے تحت بلقان کے جنوب میں مشرقی روملی کے نام سے ایک نئی ولایت تشکیل پذیر ہوئی جو سیاسی اور عسکری لحاظ سے دولت عثمانیہ کے ماتحت تھی لیکن اس پر حکمران ایک نصرانی تھا جس کا تعین پانچ سال کے لئے ان مذکورہ بالا ملکوں کے اتفاق سے قرار پایا۔ معاہدہ میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا کہ روسی فوجیں جن کی تعداد صرف پچاس ہزار سپاہی ہوں گے وہ بھی بلغاریہ میں رہیں گی۔

❷ یونان کی حدود تھوڑی سی شمال کی طرف بڑھ گئیں حالانکہ اس بات سے سب واقف تھے کہ یونان کا اس جنگ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور سان سٹفنو کا معاہدہ اس کے کسی علاقے سے متعلق ہے ہی نہیں۔

❸ بوسنیا اور ھرسک کو آسٹریا میں ضم کر دیا گیا۔

❹ بسارابیا کو رومانیا سے الگ کر کے روس کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور دوبرجیہ کے علاقوں اور بعض جزیروں کو رومانیا کے حوالے کر کے ان کو مکمل خودمختاری دے دی گئی۔

❺ سربیا اور جبل اسود کی خودمختاری

❻ قارص، ردھان اور باطوم کا روس سے الحاق۔

❼ کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ وہ جنگی تاوان جو معاہدہ سان سٹفنو میں دولت عثمانیہ پر عائد کیا گیا تھا اور جسکی مالیت 250 ملین سونے کے لیرے تھے باقی رہے گا۔

❽ دولت عثمانیہ پر یہ پابندی بھی عائد کر دی گئی کہ وہ عدالتوں میں تمام لوگوں کی گواہی کو قبول کرنا یقینی بنائے گی قطع نظر مذہب وملت کے۔

❾ جزیرہ کریٹ میں نصرانیوں کی فلاح وبہبود پر اتفاق رائے (1)

جرمن ایڈوائزر بسارک نے اس کانفرنس کے انعقاد کی دعوت دی تھی اس خوف سے کہ کہیں روس اور برطانیہ کی یہ جنگ پورے یورپ کی جنگ کا روپ اختیار نہ کر لے اور جرمن اتحاد پارہ پارہ نہ ہو جائے جس کے لئے بہت زیادہ کوششیں کی گئیں تھیں۔ اس نے بڑے بڑے ملکوں کو برلن میں کانفرنس بلانے کی دعوت دی تاکہ سان سٹفنو کے معاہدہ کا جائزہ لیں اور روس اور ترکی کے درمیان جنگ کے نتائج کے بارے فیصلہ کریں۔ (2)

---

1۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص195  2۔ ایضاً

بعض مورخین نے ذکر کیا ہے (1) کہ برلن کانفرنس میں بسمارک نے جو تجاویز پیش کیں ان کا مقصد عثمانی شہنشاہیت کو یورپی امن کے مذبح پر قربان کرنا تھا۔ مصر برطانیہ کو ٹیونس اور شام فرانس کو، بوسنیا اور ھرسک آسٹریا کو، اور باسفورس اور دردنیل روس کو پیش کرنے کی تجویز تھی۔ لیکن اس چیز کو کانفرنس کی قراردادوں میں درج نہیں کیا گیا۔ (2)

اس طرح برلن کانفرنس عثمانی شہنشاہیت کے زوال کے لئے واضح علامات کی طرف اشارہ تھا۔ عثمانی سلطنت اپنے بہت سے علاقوں سے دست برداری پر مجبور ہو چکی تھی۔ اور برطانیہ اور فرانس کو دولت عثمانیہ میں شامل علاقوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ چکی تھی۔ لیکن برطانیہ اور فرانس نے بہت جلد اپنے استعماری ارادوں کو ظاہر کر دیا۔

1299ھ، 1881ء میں فرانس نے ٹیونس پر قبضہ کر لیا اور اسی دوران یعنی 1300ھ، 1882ء میں برطانیہ نے علی الاعلان قبرص پر قبضہ کر لیا اور اس بات کا اظہار بھی کر دیا کہ اب اس پر قبضہ کرنے کا وقت آ چکا تھا۔ (3)

نتیجۃً دولت عثمانیہ اور روس کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ ان دگرگوں حالات کا سامنا کرنے کے لئے سلطان نے ضروری خیال کیا کہ خلافت کا لقب اختیار کیا جائے تاکہ جدید چیلنجوں سے نمٹا جاسکے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اسلامی اتحاد کے قیام کو بھی عملی جامہ پہنایا تاکہ اندرونی اور بیرونی سطح پر تمام مسلمانوں کو متحد کیا جاسکے۔

اسلامی اتحاد کی تحریک نے بلاشبہ عالم اسلام کو متحد کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ دنیا کے تمام مسلمانوں نے سلطان کی اس کوشش کو بڑا سراہا اور استحسان کی نظر سے دیکھا۔ کیونکہ مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ دولت عثمانیہ کی کمزوری کا اصل سبب دینی شعور سے محرومی ہے۔ اور یہی وہ چیز تھی جو اسلام دشمن طاقتوں نے مسلم معاشروں میں عام کرنے کی کوشش کی اور یکے بعد دیگرے اسلامی ممالک کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا۔ (4)

## اسلامی اتحاد

دولت عثمانیہ کے سیاسی پلیٹ فارم پر اسلامی اتحاد کی سوچ پہلی بار سلطان عبدالحمید کے دور حکومت میں سامنے آئی۔ اور 1876ء میں دولت عثمانیہ کے تخت نشین ہونے کے بعد اس نے باضابطہ طور پر ایک تحریک کی صورت اختیار کی۔ سلطان عبدالحمید کو جب سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا اور مغرب زدہ ذہنیتوں سے اسے خلاصی ملی اور اس نے حکومت کی باگ ڈور پوری طرح اپنے ہاتھ میں لے لی تو اسلامی اتحاد کی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ سلطان عبدالحمید سمجھتے تھے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ انہیں ذہنی اور فکری لحاظ سے ہم آہنگ کیا جائے۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں میں اخوت اسلامی کے رشتوں کو مضبوط کرنے اور چین، ہندوستان، افریقہ وغیرہ علاقوں

---

1۔ ڈاکٹر اسماعیل یاغی: اور احمد مصطفی عبدالرحیم 2۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 195
3۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 195 4۔ ایضاً

کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے اسلامی اتحاد کے قیام کی اہمیت پر بڑا زور دیا۔ سلطان عبدالحمید تو ایران سے بھی خیر سگالی کے تعلقات چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ یہ کہتے ہیں۔ ''ایران کے ساتھ خیر سگالی کے تعلقات کا نہ ہونا ایک افسوسناک امر ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ انگریزوں اور روسیوں کے اسلامی علاقوں کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک جائیں تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے قریب آ جائیں۔(1)

سلطان عبدالحمید نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا کہ دولت عثمانیہ کے ساتھ انگلستان کے تعلقات عثمانیہ وحدت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ عبدالحمید ثانی لکھتے ہیں۔ ''اسلام اور مسیحیت دو الگ الگ نظریے ہیں۔ ان دونوں کو ایک تہذیب میں جمع کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔'' اسی لئے ان کا خیال ہے کہ ''انگریزوں نے مصریوں کے ذہنوں کو خراب کر دیا ہے کیونکہ بعض مصری باشندے قومیت کو دین پر فوقیت دے رہے ہیں اور یہ نظریہ پیش کر رہے ہیں کہ مصری تہذیب کے ساتھ یورپی تہذیب کا امتزاج ممکن ہے۔ انگریز چاہتا ہے کہ اسلامی علاقوں میں قومیت پر مبنی نظریات قبولیت اختیار کریں تاکہ میری حکومت کو نقصان پہنچے۔ نیشنلزم کی سوچ مصر میں بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ مصر کے ماڈرن لوگ دراصل انگریزوں کے ہاتھ میں کھلونا بن چکے ہیں وہ اسلامی سلطنت کو ڈانواڈول دیکھنا چاہتے ہیں وہ خلافت پر سے لوگوں کے اعتماد کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔(2)

سلطان خلافت کے بارے انگریزی سوچ کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''انگریزی مجلہ سٹینڈرڈ نے کہا ہے ہے۔ ''ضروری ہے کہ جزیرہ عرب انگریزوں کی حمایت میں آ جائے اور ضروری ہے کہ مسلمانوں کے مقدس مقامات پر انگریز قابض ہو جائیں۔'' انگریز کے سامنے دو چیزیں تھیں۔ ایک اسلام کے اثرات کو کم کرنا اور دوسرا یورپی تہذیب کو اسلامی معاشروں میں ترویج دینا۔ اس لئے انگریزوں نے کوشش کی کہ مصر کے خدیوی کو مسلمانوں کا خلیفہ بنائیں لیکن کوئی سچا مسلمان اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ خدیوی مسلمانوں کا خلیفہ بنے کیونکہ اس نے جنیوا سے تعلیم کی ابتداء کی ہے اور فینا میں اس کو مکمل کیا اس کی شخصیت میں کافروں کا رنگ جھلکتا ہے''(3)

جب انگریزوں نے یہ تجویز پیش کی کہ شریف مکہ حسین وخلیفہ المسلمین ہونا چاہئے(4)۔ تو سلطان عبدالحمید ثانی نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ان میں یورپی ملکوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہیں۔ ''لیکن یہ بڑی طاقتیں خلافت کے اسلحہ سے لرزہ براندام ضرور ہیں۔ اور انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں مسلمان خلافت کے جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہو جائیں اسی لئے وہ دولت عثمانیہ کو ختم کرنے پر اتفاق کر چکے ہیں۔(5)

''دولت عثمانیہ میں مختلف نسلوں کے لوگ بستے ہیں ترک، عرب، البان، بلغار، یونانی، زنگی، اور کئی دوسری نسلوں کے لوگ لیکن مختلف رنگ ونسل کے باوجود وحدت اسلامی نے انہیں ایک خاندان کی حیثیت سے اسلامی جھنڈے کے نیچے متحد کر دیا ہے۔(6)

---

1۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص23 2۔ ایضاً 3۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص24
4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

سلطان عبدالحمید کو یقین تھا کہ اسلامی دنیا کی وحدت کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے بلکہ انہیں مسلمانوں کے اتحاد پر مکمل یقین تھا وہ کہتے تھے'' دنیا کے تمام علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی اور ربط وضبط بہت ضروری ہے۔ ضروری ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ مستقبل میں اپنی بقا کی اگر ہمیں کوئی صورت نظر آتی ہے تو وہ ہے کہ ہم سب یکجان ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ اب وقت ہے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے ہو جائیں۔ صرف اسی صورت میں ہم کفار کی گردن دبوچ سکتے ہیں۔(1)

اسلامی اتحاد کی سوچ کے ذریعے سلطان عبدالحمید کے بقول ہم درج ذیل اہداف پورے کر سکتے تھے۔

1. مغربی ثقافت وتہذیب پر فریفتہ لوگوں کا راستہ روکنا جو اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں جنہوں نے انتظامی اور حساس سیاسی کلیدی اسامیوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ لوگ تمام اسلامی علاقوں میں بالعموم اور دولت عثمانیہ میں بالخصوص موجود ہیں اسلامی اتحاد کے قیام کے ذریعے ہم ان لوگوں کا راستہ روک سکتے ہیں۔ اور اس اسلامی اتحاد میں شامل مسلمان ان کی جگہ لے کر اسلامی علاقوں سے انہیں دور کر سکتے ہیں۔

2. یورپ کے استعماری ملکوں اور روس کا راستہ روکنا جو اس کوشش میں ہیں کہ مسلمان کبھی بھی اکٹھے نہ ہوں تا کہ ان کی توسیع پسندانہ سوچ کی تکمیل ہو سکے۔ اسلامی اتحاد ان لوگوں کا راستہ روکنے کا واحد موثر ذریعہ بن سکتا ہے۔

3. جدید اسلامی اتحاد عالمی سیاست پر اپنے اثرات مرتب کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

4. اس بات کو یقینی بنایا جا سکتا ہے کہ مسلمان ایک ایسی سیاسی اور عسکری قوت ہیں جو روس اور یورپ کی تہذیبی فکری اور سیاسی یلغار کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

5. دولت عثمانیہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرسکتی ہے اور بحیثیت خلافت اسلامیہ کے اپنا کردار ادا کرنے کی اہلیت حاصل کر سکتی ہے۔ اسلامی اتحاد کے ذریعے یہ ہر میدان میں جدید علمی اداروں کے قیام اور ان کو موثر بنانے میں کامیابی حاصل کرسکتی ہے۔ اس سے اس کا رعب ودبدبہ دوبارہ اسے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور یہ دوسرے اسلامی علاقوں کے لئے ایک تاریخی سبق بن سکتی ہے۔ عبدالحمید فرماتے ہیں سیاسی ڈھانچہ کو مضبوط کرنا اور اسلامی معاشروں کو فکری لحاظ سے طاقتور بنانا کسی علاقے کو مورد الزام ٹھہرانے اور اس زمین پر فکری اور معاشرتی حوالے سے ایک ان جانے ڈھانچے کو تشکیل دینے سے بہتر ہے۔(2)

6. منصب خلافت کا احیاء تا کہ یہ ایک طاقتور ادارہ کی حیثیت حاصل کر جائے۔ محض نام کی خلافت جیسا کہ گزشتہ کچھ عرصہ سے چلا آ رہا ہے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس لئے صرف سلطان ہی اکیلا مغربی توسیع پسندی اور استعماریت کا مقابلہ کرنے کا ذمہ دار نہیں بلکہ یہ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ مسلمانوں کو خارجی اور داخلی ہر دو دشمنوں سے چوکنا ہونا ہے اور اپنے اندر فکری وحدت پیدا کرنے کی کوشش کرنی ہے۔

برطانوی مورخ'' آرنلڈ ٹوئینبی'' اپنی گفتگو میں اس بات کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے'' سلطان عبدالحمید کی کوشش تھی کہ

---

1۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص 24 2۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 168

دنیا کے تمام مسلمان ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ان کی سیاسی پالیسی کا اہم ترین ہدف ملت اسلامیہ کو متحد کرنا تھا۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ تمام مسلمان مل کر مغربی دنیا کے خلاف جنگ آزما ہوں وہ مغربی دنیا جن کا ہدف عالم اسلام ہے"۔(1)

سلطان عبدالحمید نے اس دور میں جتنے وسائل تھے تمام کو بروئے کار لاتے ہوئے عالم اسلام کی مختلف نسلوں سے ایسے مبلغ اور داعی تیار کیے،جنہوں نے عالم اسلام کے کونے کونے میں جا کر اتحاد بین المسلمین کے لئے کوششیں کیں۔علماء، سیاسی میدان کی نمایاں شخصیات اور مبلغین نے دنیا کے مختلف اسلامی ملکوں کے مسلمان معاشروں سے ربط ضبط پیدا کیا ان کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی، انہیں خلیفۃ المسلمین کے نظریات سے باخبر کیا کہ وہ کس طرح علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔کس طرح انہوں نے ملک کے اندر اور باہر اسلامی تعلیمات کے لئے مراکز قائم کرنے کی سبیل کی ہے۔ اسلام کی بنیادی کتب کی طباعت کی گئی ہے۔اور دولت عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عربی زبان کو ملک کی سرکاری زبان کا درجہ دینے کی کوشش کی گئی۔یا دوسرے لفظوں میں دولت عثمانیہ کو عربی سلطنت بنانے کی کوشش کی۔مساجد کی خوب دیکھ بھال کی گئی۔مدارس قائم کیے گئے۔ان میں ضروری ترامیم کی گئیں۔یا انہیں نئے سرے سے بنایا گیا۔عالم اسلام میں مساجد کے احیاء کے لئے کوششیں کی گئیں۔دولت عثمانیہ کے مختلف علاقوں کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے لئے خصوصی اہتمام کیا گیا۔عرب قبائل کے سرداروں کو دولت عثمانیہ کی وفاداری کی طرف لایا گیا۔دارالخلافہ میں قبائلی سرداروں کے بچوں کے لئے مدرسہ تعمیر کیا گیا۔انہیں تنظیمی امور کی تعلیم دی گئی۔صوفی طرق کے شیوخ کی ہمدردیاں حاصل کی گئیں۔اسلامی اتحاد کے لئے اسلامی صحافت سے استفادہ کیا گیا۔بعض کتابیں بھی شائع ہوئیں تا کہ اس اتحاد کی دعوت کا وسیلہ بنیں۔دولت عثمانیہ میں تکنیکی اور علمی ترقی کو آگے بڑھانے کے لئے خصوصی خطوط پر کام ہوا۔اور جس قدر ضروری تھا بعض نئی چیزوں کو متعارف کرایا گیا۔(2)

ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے علماء اور مبلغین کی ایک جماعت نے اسلامی اتحاد کی دعوت پر لبیک کہا جیسے جمال الدین افغانی،مصر سے مصطفیٰ کامل،شام سے ابوالھدیٰ ھسیادی،سیریا سے عبدالرشید ابراہیم،اور لیبیا سے سنوسی تحریک وغیرہا۔

## جمال الدین افغانی اور سلطان عبدالحمید

جمال الدین افغانی نے سلطان عبدالحمید کی اسلامی اتحاد کی دعوت کی پوری تائید کی اور سلطان کی توقع سے کہیں زیادہ تجاویز پیش کیں۔سلطان عبدالحمید کے پیش نظر صرف اتنی بات تھی کہ اس طرح اسلامی معاشروں کے درمیان مرکزیت پیدا ہو جائے گی اور وہ مل کر کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔یہ وحدت بیک وقت فکری اور عملی ہو گی جس کی وجہ سے خلافت کو پھر سے رعب وجلال اور قوت حاصل ہو جائے گی لیکن افغانی نے یہ سکیم پیش کی کہ صرف اہل السنّت کا اتحاد کافی نہیں۔بلکہ اہل السنّت اور اہل التشیع کا باہمی اتحاد بھی ضروری ہے۔سلطان عبدالحمید کے پیش نظر صرف اتنی بات تھی کہ یہ دونوں دھڑے عالمی استعماریت کا سامنا کرنے کے لئے سیاسی اعتبار سے ایک ہو جائیں۔(3)

سلطان عبدالحمید نے افغانی سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔اور اسلامی اتحاد کے قیام کی راہ میں ان کی تجاویز کو بڑی اہمیت

---

1۔السلطان عبدالحمید الثانی:ص169 2۔ایضاً،ص172 3۔ایضاً

دی۔ ہاں سلطان اور افغانی کی سوچ میں کچھ اختلاف تھا جس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

① افغانی مسلمانوں کی وحدت کے مسئلے پر یقین رکھتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ سلطان عبد الحمید کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کی بھی تائید کرتا تھا جس میں بہت سے ترک قومیت کے حامل افراد اور عثمانی موجود تھے۔

② افغانی ایک طرف اگر اسلامی معاشروں کی وحدت کی دعوت دیتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمانوں کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک ہو کر یورپ کے ان ملکوں کا مقابلہ کرنا چاہئے جو دولت عثمانیہ کو تقسیم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ تو دوسری طرف اس نے فرانسیسی استعمار پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہ کی اور اس کے خلاف اپنے منہ پر ایک لفظ بھی نہ لایا۔ حالانکہ سلطان عبد الحمید شمالی افریقہ میں فرانسیسیوں کے خلاف برسر پیکار تھا اور اسے ضرورت تھی کہ اس کی اخلاقی مدد کی جائے۔ (1)

③ جمال الدین افغانی نے انگریزی استعماریت پر سخت نکتہ چینی کی جبکہ سلطان عبد الحمید نے ذکر کیا کہ عثمانی خبر رساں ایجنسی نے اس منصوبہ کو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے جسے انگریزی وزارت خارجہ نے تیار کیا ہے اور جمال الدین افغانی اس سکیم کو تیار کرنے میں بلنت نامی انگریز کے شریک کار ہیں۔ اس منصوبے کا مقصد سلطان عبد الحمید کو حکومت سے برطرف کرنا اور عثمانیوں کو بالعموم سیاست کے میدان سے الگ کرنا تھا۔ بلنت نامی یہ انگریز، انگریزی وزارت خارجہ میں کام کرتا تھا۔ اس نے ''مستقبل الاسلام'' کے نام سے ایک کتاب کی تالیف کی جس میں لوگوں کو علی الاعلان عثمانیوں سے خلافت چھین لینے اور عربوں کی تقلید کی ترغیب دی۔ مصر میں ملی تحریک کے قائد مصطفیٰ کامل پاشا نے اپنی مشہور کتاب ''المسألۃ الشرقیۃ'' میں بلنت کی تردید کی اور کہا'' دوسری باتوں کے علاوہ مستقبل الاسلام نامی کتاب کے مولف محترم کا خیال ہے اور وہ اپنی قوم کی امیدوں کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں کہ اسلام کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی مملکت انگریزوں کے حوالے کر دیں بلکہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ انگریز بن جائیں۔ (2)

④ باوجود اس کے کہ روسی اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دولت عثمانیہ کے خلاف روس نے کئی جنگیں کی تھیں اور بہت سارے عثمانی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ سید جمال الدین افغانی کا موقف روس کی توسیع پسندی کے بارے بڑا عجیب تھا۔ اور یہ موقف اسلامی اتحاد کے مقاصد سے متصادم تھا۔ افغانی ہندوستان میں روس کے فعال کردار اور اہم مقاصد کی حمایت کرتا تھا اور اسے ترغیب دیتا تھا کہ وہ ہندوستان پر قبضہ کر لے۔ افغانی کو ہندوستان پر روس کے قابض ہو جانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ وہ روس کو نصیحت کرتا تھا کہ اس کے لئے وہ محفوظ ترین راستوں پر چلے اور اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آسان ترین طریقہ استعمال کرے۔ اور وہ محفوظ راستہ اور آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ روس فارسیوں سے مدد حاصل کرے اور افغانیوں کو کام میں لائے تاکہ ہندوستان کے علاقے اس کے ہاتھ پر فتح ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اسے صرف اتنا کرنا پڑے گا کہ ان دونوں علاقوں کے رہنے والوں کو مال غنیمت میں حصہ دینا ہوگا اور انہیں منفعت میں شریک کرنا ہوگا۔ (3)

---

1۔ السلطان عبد الحمید الثانی: ص 182   2۔ ایضاً ص 183

3. دبستانِ جامعہ کراچی کے محققین کی رو سے افغانی مسلم دنیا میں جدیدیت اور مغربیت پھیلانے کی تحریک کے عالمی آلہ کار تھے، اور اکثر مغربی حکومتوں کی انہیں اشیرواد حاصل تھی۔معج(واللہ علم)

## جمال الدین افغانی کا محاکمہ و رد :

ﮦ علمائے استنبول اور جمال الدین کے درمیان عقیدہ کا بھی اختلاف تھا۔ الشیخ خلیل فوزی فیلیباوی کی کتاب ''السیوف القواطع'' اسی دوران سامنے آئی جس میں افغانی کے عقائد پر اعتراض کیا گیا تھا اور افغانی نے س کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی جسے مصر میں ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا تھا۔

سلطان عبدالحمید تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کی طرف راغب تھا کیونکہ وہ اپنے وزیروں، فوجی افسروں اور صدر اعظم کی کرسی پر براجمان لوگوں کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھا چکا تھا۔ یہ لوگ جو مغربی افکار و نظریات سے متاثر تھے ملک میں یورپی جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے جو ایک منتخب اسمبلی رکھتی ہو جس میں دولت عثمانیہ میں رہنے والی تمام قوموں کے منتخب نمائندے موجود ہوں۔ یہ لوگ سلطان عبدالحمید کی مخالفت میں یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ مسلمان نمائندگان کی تعداد پارلیمنٹ کے جملہ ارکان کا نصف ہے۔ جبکہ جمال الدین افغانی جمہوریت کی طرف مائل تھے اور ایک خاص شخص کے ہاتھ میں تمام اختیارات کے ارتکاز کے حق میں نہیں تھے۔ اس کے علاوہ افغانی آزادی رائے کے حق میں تھے۔(1)

سلطان عبدالحمید نے اپنی یادداشتوں میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ افغانی ہلڑ باز تھا اور اس کا انگریز انٹیلی جنس کے ساتھ تعلق تھا۔ ''میرے ہاتھ میں ایک پروگرام لگا ہے جسے انگریزی وزارت خارجہ میں موجود ایک ہلڑ باز نے تیار کیا ہے جس کا نام جمال الدین افغانی ہے اور اس کا شریک کار ایک انگریز ہے جس کا نام بلنت ہے۔ اس سکیم میں ان دونوں نے ترکوں کی خلافت کے خاتمے کی تجویز پیش کی ہے اور انگریز کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ امیر مکہ شریف حسین کی خلافت کا اعلان کردیں۔''(2)

میں جمال الدین افغانی کو قریب سے جانتا ہوں۔ وہ مصر میں تھا۔ نہایت ہی خطرناک انسان تھا۔ ایک بار اس نے مجھے یہ تجویز دی کہ میں مہدی موعود ہونے کا اعلان کردوں تاکہ وسطی ایشیا کے تمام مسلمان میرے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں لیکن میں جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہ انگریز کا آدمی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انگریز ہی نے اس شخص کو میرے امتحان کے لئے تیار کیا ہو۔ اس لئے میں نے فوراً اس کی تجویز کو رد کردیا اور اس نے بلنت کے ساتھ اتحاد قائم کرلیا۔

میں نے اسے ابوالہدی صیادی حلبی کی وساطت سے جسے تمام عرب علاقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا استنبول بلایا۔ منیف پاشا جو قدیم افغان کا حامی ہے اور معروف شاعر اور ادیب عبدالحق حامد وغیرہ نے اس بارے ثالثی کی۔ جمال الدین استنبول آیا اور اس کے بعد میں نے اسے یہاں سے باہر جانے کی اجازت نہ دی......(3)

رہی یہ بات کہ جمال الدین افغانی کی رائے سلطان عبدالحمید کے بارے کیا تھی تو وہ کہتے ہیں ''سلطان عبدالحمید کی شخصیت کا اگر ان کی ہم عصر چار نابغہ روزگار شخصیتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو بھی ان کا پلڑا بھاری رہے گا۔ سلطان فہم و فراست، معاملہ فہمی، سیاسی سوجھ بوجھ اور اپنے ہم جلیسوں کو قائل کرنے میں بہت آگے ہیں بلاشبہ جب وہ مغربی ملکوں کی طرف سے پیش آمدہ مشکلات کے بارے بات کرتے ہیں تو ان کی گفتگو سننے والے تمام لوگ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ

---

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 184 2۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص 148

3۔ جمال الدین الافغانی المصلح المفتری علیہ: ڈاکٹر محسن عبدالحمید: ص 137

سکتے۔اور وہ تمام لوگ جو ان کی مجلس سے اٹھ کر باہر آتے ہیں ان کی شخصیت اور سیرت و کردار سے متاثر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور ان کے دلائل سے ان کی تسلی ہو چکی ہوتی ہے۔خواہ وہ بادشاہ ہوں، امیر ہوں وزیر ہوں یا سفیر''

کہتے ہیں:'' میں نے دیکھا کہ وہ سیاسی امور کی باریکیوں سے واقف ہیں۔مغربی ممالک کے اہداف کو بخوبی جانتے ہیں۔ملک کو بیرونی خطرات سے بچانے اور مشکلات سے نجات دلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے حیران کیا ہے وہ ان کے تیار کردہ خفیہ ذرائع اور تیز ترین اسباب وعوامل ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ یورپ عثمانی علاقوں پر کوئی متفقہ کارروائی نہ کر سکے۔انہوں نے مغرب پر اس حقیقت کو عیاں کر دیا ہے کہ دولت عثمانیہ کے حصے بخرے ہونگے تو تمام مغربی ملکوں پر ہمہ گیر بربادی آجائے گی۔(1)

جمال الدین افغانی کہتا ہے۔'' جب میں نے سلطان کی بیدار مغزی، صالح سوچ، یورپی مکر و فریب کے ابطال کے لئے ان کی ضروری تیاری، پختہ عزائم اور اس ملک کو ترقی دینے کی تیاری دیکھی جس کی ترقی عام مسلمانوں کی ترقی کے مترادف ہے تو میں نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کی بیعت کر لی۔میں بخوبی جانتا ہوں کہ مشرق کے اسلامی ممالک یورپ کی بندر بانٹ سے نہیں بچ سکتے۔یورپی ان ملکوں کو کمزور کرنے اور ان کو بانٹنے کی ضرور کوشش کریں گے۔اور بالآخر یکے بعد دیگرے ان کو ذلیل کریں گے۔اس سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ مسلمان بیدار ہو جائیں۔ان میں ہمہ گیر اتحاد آجائے اور وہ خلیفہ اعظم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں......''(2)

جمال الدین افغانی کا معاملہ بڑا حیران کن ہے۔بعض لوگ اس کا دفاع کرتے ہیں۔اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ان پر ایجنٹ ہونے اور ماسونی مجالس کے ساتھ تعلق رکھنے کا الزام لگاتے ہیں۔مثلاً مصطفیٰ فوزی عبد اللطیف غزال کی کتاب ''دعوۃ جمال الدین الافغانی فی میزان الاسلام'' کے مطابق افغانی امت مسلمہ کی تاریخ جدید میں اس امت کو منہدم کرنے والی شخصیتوں میں سے ایک ہے۔جبکہ ڈاکٹر محسن عبد الحمید اپنی کتاب'' جمال الدین الافغانی المصلح المفتری علیہ'' میں انہیں ایک مصلح کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔

## اہل تصوف سے مدد و حمایت کی درخواست:

سلطان عبد الحمید نے صوفی سلاسل سے درخواست کی کہ وہ دولت عثمانیہ کی سرپرستی کریں اور اسلامی اتحاد کی سوچ کی ترویج کے لئے اپنی خدمات پیش کریں۔سلطان نے استنبول جو مرکز خلافت تھا کے درمیان اور صوفی خانقاہوں کے درمیان رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔آپ نے تحریک تصوف کو عالم اسلامی میں ایک ذریعہ بنایا تاکہ ان لوگوں کی وساطت سے اسلامی اتحاد کی آواز پوری دنیا میں پھیل جائے۔ان کے علاوہ غیر صوفی زاہدین کی بھی امداد حاصل کی اور ان کے ذریعے اسلامی اتحاد کی فکر کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔انہوں نے دار الخلافہ میں ایک مرکزی کمیٹی قائم کی جس میں علماء و مشائخ شامل تھے۔یہ لوگ اسلامی اتحاد کے سلسلے میں سلطان کے مشیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔شیخ'' احمد اسعد'' جو حجاز مقدس

---

1۔جمال الدین الافغانی المصلح المفتری علیہ: ڈاکٹر محسن عبد الحمید: ص 137 2- ایضاً

میں ایک بہت بڑی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ شیخ "ابوالہدی الصیادی" جوسلسلہ رفائی کے بزرگ تھے۔ شیخ "محمد ظافر طرابلسی" جوسلسلہ مدنیہ سے تعلق رکھتے تھے اور حرم کعبہ کے مشہور علماء میں سے تھے یہ تمام مشائخ اسلامی اتحاد کی مرکزی کمیٹی کے ممبر تھے اوران کے علاوہ کئی دوسرے علماء مشائخ بھی تھے جوان کے شریک کار تھے۔

اس کمیٹی کی ذیلی شاخیں پورے عالم اسلام میں تھیں جومرکزی کمیٹی کے تحت کام کرتی تھیں۔ ان میں سے اہم ترین شاخ مکہ مکرمہ میں تھی جوشریف مکہ کے زیرنگرانی کام کرتی تھی۔ اس کمیٹی کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ حج کے دنوں میں حاجیوں کے اندر اسلامی اتحاد کی سوچ کوعام کرے۔ دوسری اہم شاخ بغداد میں تھی۔ جوسلسلہ قادریہ کے مریدوں کے درمیان اسلامی اتحاد کی فکر کی ترویج کے لئے کام کرتی تھی۔ یہ لوگ بڑی تعداد میں شمالی افریقہ سے ہرسال شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ یہ ذیلی کمیٹی ان لوگوں کواسلامی اتحاد کے اہداف سے آگاہ کرتی تھی۔ اس کمیٹی نے صرف ایک سال کے عرصہ میں تقریباً دولاکھ پچاس ہزار افراد تیار کیے جوسلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کمیٹی کی یہ کوشش ہوتی تھی۔ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر حاضر ہونے والے تمام لوگ اسلامی اتحاد کی سوچ کواپنے ساتھ لے جائیں اوراپنے علاقے میں اس سوچ کی ترویج کا باعث ہوں۔ فرانسیسی انٹیلی جنس شمالی افریقہ کے ان زائرین کی سرگرمیوں کے بارے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہتی ہے۔ "یہ لوگ فرانس کے خلاف جنگی کارروائیوں میں شرکت کرتے ہیں اور فرانسیسی استعمار کے خلاف کام کرتے ہیں۔ رپورٹ میں درج ہے" شمالی افریقہ میں فرانسیسی استعمار کے خلاف جارحیت کا مظاہرہ کرنے والے لوگوں کا تعلق سلسلہ قادریہ سے ہے۔"(1)

اسلامی اتحاد کی مرکزی کمیٹی کی ایک شاخ افریقہ میں بھی کام کررہی تھی۔ یہ کمیٹی مکمل خفیہ طریقے سے عمل پیرا تھی۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ یہاں پرموجود دینی جماعتوں کے درمیان رابطہ قائم کیا جائے۔ اورمل کرفرانسیسی قبضے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان جماعتوں میں سلسلہ شاذلیہ، سلسلہ قادریہ اورسلسلہ مدنیہ خاص طور پرقابل ذکر ہیں۔(2)

صوفی بزرگوں کی برپا اس تحریک کا اثر ونفوذ اوران کی ہیبت اس حدتک پہنچ گئی کہ فرانسیسی انٹیلی جنس نے شمالی افریقہ کے بارے اپنی رپورٹ میں اس بات کا برملا اظہار کیا کہ" اسلامی اتحاد کی بدولت سلطان عبدالحمید کے لئے ممکن ہے کہ وہ شمالی افریقہ میں دینی جماعتوں کے ساتھ اپنے مضبوط تعلقات کی وجہ سے کوئی ایسا مقامی منظم لشکر جمع کرلے جوضرورت پڑنے پرکسی بیرونی طاقت کی راہ روک دے"۔(3)

فرانسیسی انٹیلی جنس شمالی افریقہ کے صوفی سلسلوں کی تنظیم کے وسائل کا پتہ نہ لگاسکی جواسلامی خلافت کے تابع تھے۔ فرانسیسی اتنا کرسکے کہ انہوں نے شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے دلوں میں سلطان عبدالحمید کی ہیبت کوکمزور کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اسلامی اتحاد کی پالیسی کوناکام بنانے کے لئے اقدامات کیے۔ اس سلسلہ میں فرانسیسی پالیسی نے جن خطوط پرکام کیا وہ درج ذیل ہیں۔

---

1۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص196 2۔ایضاً ص197 3۔ایضاً

● بعض صوفی سلسلوں کے مشائخ کو مال و دولت کا لالچ دیکر فرانس اور شمالی افریقہ میں ان کی پالیسی کا ساتھ دینے کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی۔

● مسلمانوں کو سفر حج سے روکنے کے لئے کئی افواہیں عام کیں اگر چہ علی الاعلان لوگوں کو حج سے نہیں روکا گیا بلکہ مختلف ذرائع سے کوششیں کی گئی کہ لوگ سفر حج ملتوی کر دیں۔ اس کا مقصد دراصل مسلمانوں کی اجتماعیت کی راہ روکنا تھا۔ کیونکہ حج کے اجتماع سے مسلمانوں کے باہم مل کر اسلامی اتحاد کے قیام کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے امکانات پیدا ہونے کے اثرات تھے اور فرانسیسی حکومت نہیں چاہتی تھی کہ مسلمان کسی بھی طریقے سے باہم متحد ہوں۔ لہٰذا اس سلسلے میں مختلف افواہیں پھیلائی گئیں مثلاً یہ خبر مشہور کر دی گئی کہ اسلامی ممالک میں ہیضہ کی وباء پھیلی ہوئی ہے(1)۔ سلطان عبدالحمید نے زاہدوں اور صوفیوں کی ایک جماعت کو ہندوستان بھیجا تا کہ وہ عثمانیوں سے خلافت چھین کر عربوں کو دینے کی کوششوں کو روک دینے کے لئے عملی اقدامات کریں۔ ان صوفیوں نے عرب اور بالخصوص حجاز مقدس کے بعض حکام سے بھی رابطہ کیا تا کہ اس سازش کی راہ روکی جائے اور اسلامی ملکوں کی بندر بانٹ سے بچا جائے۔(2)

اسلامی اتحاد کے داعی خلیفہ المسلمین اور دولت عثمانیہ کے فرمانروا ہونے کی حیثیت سے سلطان عبدالحمید اور ترکستان، جنوبی افریقہ اور چین کے مشائخ اور مختلف صوفی سلسلوں کے درمیان گہرے روابط تھے۔ ان میں سے بعض صوفیاء کے ساتھ تعلقات تو سامنے آ گئے لیکن اکثر کے متعلق دستاویزات کچھ زیادہ انکشاف نہیں کرتیں۔(3)

سلطان عبدالحمید صوفی سلسلوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے ان کے خلاف قرآن وسنت بہت سارے عقائد و نظریات کے بارے سکوت اختیار کرنے کو ترجیح دی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور میں تصوف اسلامی میں بہت ساری بدعات نفوذ کر چکی تھیں اور قرآن وسنت کا رنگ جو تصوف کی روح ہے ماند پڑ چکا تھا۔ ہاں کئی ایسے لوگ بھی تھے جو ان خرافات و بدعات سے دور حقیقی صوفی تھے۔ انشاء اللہ آنے والے صفحات میں اس بات کا تذکرہ ہو گا کہ کس طرح جعلی صوفیاء عثمانی، سنی اسلامی خلافت کے سقوط کا سبب بنے۔

## دولت عثمانیہ کو عربی رنگ میں رنگنے کی کوشش

تخت نشین ہوتے ہی سلطان عبدالحمید نے اس بات کی ضرورت کو محسوس کیا کہ عربی کو دولت عثمانیہ کی سرکاری زبان بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں۔

---

1۔السلطان عبدالحمید الثانی:ص198　2۔ایضاً　3۔ایضاً

''عربی زبان ایک خوبصورت زبان ہے۔ کاش! ہم نے اسے اپنی سلطنت کی سرکاری زبان بنایا ہوتا' میں نے خیرالدین پاشا ٹیونسی کو جب وہ صدر اعظم تھے یہ تجویز دی تھی کہ عربی کو ملک کی سرکاری زبان بنایا جائے لیکن سعید پاشا جو محل کے امینوں میں سے تھے نے میری اس تجویز پر اعتراض کیا تھا اور کہا'' جب ہم ملک کو عربی بنا دیں گے تو اس کے بعد ترک کی عنصر کے لیے کچھ باقی نہیں بچے گا۔''

سعید پاشا ایک بے کار آدمی تھا اور اس کی یہ بات بھی فضول تھی' اس مسئلے کا ترکی عنصر سے کیا تعلق؟ یہ بالکل ایک الگ نوعیت کا مسئلہ تھا' اس سے یقیناً ہمیں یہ فائدہ ہوتا کہ عربوں کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت مضبوط ہو جاتے اور کوئی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکتا۔(1)

سلطان عبدالحمید اپنی حکومت کے ابتدائی ایام میں اس بات سے ڈرتا تھا کہیں وزراء اور قصر سلطان کے امین اس سے نظریاتی اختلاف نہ کرنے لگیں کیونکہ یہ لوگ مغرب سے متاثر ہو چکے تھے اور قومی اور مغربی افکار کے گرویدہ ہو چکے تھے' وہ ہمیشہ قصر سلطان پر دباؤ ڈالتے رہتے تھے' خواہ ان کے والد سلطان عبدالحمید کا دور ہو یا ان کے چچا سلطان عبدالعزیز کا دور یا پھر ان کا اپنا دور' یہ لوگ انہیں اپنی طاقت کا احساس دلاتے رہے۔ ان لوگوں نے نہ صرف سلطان عبدالحمید کے ملک کو عربی بنانے کی تجویز کی مخالفت کی بلکہ اس سے بھی بہت آگے بڑھ گئے اور بعض علماء دین کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔(2)

دولت عثمانیہ سے جو مختلف غلطیاں ہوئیں' ان میں سے ایک غلطی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم میں عربی زبان کو فروغ دینے کی کوشش نہیں کی اور قرآن وحدیث کے ذریعے ملک کو اسلام کی طرف لانے میں کوتاہی کی۔

پروفیسر محمد قطب لکھتے ہیں: ''اگر ہم تصور کریں کہ دولت خلافت عربی رنگ اختیار کر لیتی اور عربی زبان بولنے لگتی جس میں یہ دین حنیف نازل ہوا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کے اندر وحدت و یکجہتی کے عوامل زیادہ طاقتور ہو جاتے اور ملکی مفادات سے کھیلنے والے لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی اس میں اہلیت پیدا ہو جاتی۔ اس کے علاوہ مسلمان قرآن وسنت سے براہ راست استفادہ کر کے دین کے بارے صحیح معلومات حاصل کرنے کے قابل بن جاتے اور اس چیز کی حکام اور عوام الناس دونوں کو ضرورت بھی تھی لیکن اس ضرورت کے باوجود ایسا نہ کیا گیا بلکہ اس کے لیے ترکی زبان میں تراجم بھی نہ ہوئے اور اس دین کے بارے ترکی زبان میں تالیف وتصنیف کا کوئی گراں قدر کام بھی نہ ہوا۔(3)''

## تعلیمی اداروں' عورت اور عورت کی بے پردگی پر سلطان کی گرفت

سلطان عبدالحمید جب تخت نشین ہوا تو اس نے دیکھا کہ تعلیمی ادارے اور ان کا نظام تعلیم مغربی فکر سے کافی حد تک متاثر ہو چکا ہے اور قومیت پرستی کا رجحان ان مدارس پر چھایا ہوا ہے تو انہوں نے ان تعلیمی اداروں کے معاملات میں دخل دیا اور انہیں اپنی پالیسی میں اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ سلطان نے ان تعلیمی اداروں کے بارے جو پالیسی مرتب کی' اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

---

1۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص 199 2۔ایضاً ص 200 3۔ایضاً

1. جنرل ادب اور جنرل تاریخ کے مضامین کو نصاب تعلیم سے خارج کرنا کیونکہ یہ دونوں مضامین مغربی ادب۔ اور دوسری قوموں کی تاریخ کے وسائل کا ایک ذریعہ بن رہے ہیں اور ان سے مسلمان طلبہ منفی اثر قبول کر رہے ہیں۔
2. نصاب میں فقہ، تفسیر اور اخلاقیات کی تعلیم کو شامل کرنا۔
3. صرف اسلامی تاریخ کی تدریس پر اکتفا جس میں عثمانیوں کی تاریخ بھی شامل ہے۔

سلطان عبدالحمید نے بعض ایسے مدارس قائم کیے جن کی نگرانی وہ خود کرتے تھے اور ان مدارس کو انہوں نے اسلامی اتحاد تک پہنچنے کا ایک اہم ذریعہ خیال کیا۔(1)

سلطان نے خواتین کی تعلیم کی طرف بھی خصوصی توجہ دی، لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے الگ ادارے قائم کیے جہاں ان کو تدریس کی ٹریننگ دی جاتی تھی، سلطان نے عورتوں کے ساتھ مردوں کے اختلاط پر پابندی عائد کر دی، اس پر جمعیت الاتحاد والترقی نے سلطان پر یہ الزام لگایا کہ وہ عقل اور علم کے دشمن ہیں۔ سلطان نے ان الزمات کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''اگر میں علم و عقل کا دشمن ہوتا تو تعلیمی ادارے کھولتا؟ اگر میں علم کا دشمن ہوتا تو بچیوں کے لیے ٹریننگ سنٹر کھولتا جن میں انہیں مردوں سے الگ تعلیم دی جاتی؟(2)''

سلطان عبدالحمید دولت عثمانیہ میں عورت کی بے پردگی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور عثمانی خواتین میں مغربی قدروں کو پھلنے پھولنے سے روکنے کے لیے اس پر کاری ضرب لگائی۔ استنبول کے اخبارات میں 3 اکتوبر 1883ء کو ایک حکومتی بیان کا اعلان کیا گیا جس سے عورت کے بارے سلطان کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا ہے۔ اس بیان میں کہا گیا: ''بعض عثمانی خواتین جو رات کے وقت سڑکوں پر نکلتی ہیں، خلاف شرع لباس پہنے ہوتی ہیں۔ سلطان نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ اس بے پردگی کو روکنے کے لیے ضروری اقدامات کرے۔ سلطان نے اس بات کا بھی حکومت کو حکم دیا ہے کہ وہ عورتوں کو مکمل شرعی نقاب پہننے کا پابند کریں اور جب وہ سڑکوں پر آئیں تو مکمل اسلامی نقاب اوڑھ کر آئیں۔'' اس دوران مجلس الوزراء کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں درج ذیل فیصلے صادر کیے گئے۔

1. صرف ایک مہینے کی مہلت دی جائے اگر اس کے بعد بھی یہ بے پردگی باقی رہے تو عورتوں پر باہر نکلنے کی پابندی عائد کر دی جائے اور صرف ان عورتوں کو نکلنے کی اجازت ہو جو باپردہ ہوں اور ضروری ہے کہ یہ نقاب ہر طرح کی زینت اور بیل بوٹوں سے خالی ہوں۔
2. باریک ریشمی نقابوں پر پابندی عائد کر دی جائے اور ایسے نقاب اوڑھنے کا عورتوں کو دوبارہ پابند کیا جائے جن سے چہرے کے خدوخال نظر نہ آئیں۔
3. اس بیان کی تشہیر کے ایک ماہ بعد پولیس بزور ان فیصلوں پر عمل کرائے اور انتظامی فورس ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کی پابند ہوں۔

---

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 201 2۔ ایضاً ص 99

- حکومتی فیصلوں کے ذریعے سلطان کے اس بیان کی تصدیق کی جائے۔
- یہ بیان اخباروں میں شائع کیا جائے اور سڑکوں پر آویزاں کیا جائے۔(1)

اس بیان کے نشر ہونے کے دوسرے دن یعنی 14 اکتوبر کو استنبول سے نکلنے والے ایک اخبار ''وقت'' نے اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا: ''عثمانی معاشرے نے بالعموم اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے اور اسے ملک وقوم کے لیے بے حد مفید قرار دیا ہے۔''(2)

سلطان عبدالحمید کی نظر میں ''عورت اپنی بناوٹ کے لحاظ سے مرد کے برابر نہیں ہو سکتی'' وہ کہتے تھے ''جب تک قرآن کریم یہ بات کہتا رہے گا' جدیدیت کا دعویٰ کرنے والا کوئی شخص عورت کو مرد کے برابر قرار نہیں دے سکتا' یہ مسئلہ بالکل واضح ہے' اس پر دو آراء نہیں ہو سکتیں۔''

ان کا نقطہ نظر تھا'' مساوات کا یہ نظریہ مغرب سے آیا ہے''۔(3)

عثمانی میڈیا پر تعداد ازدواج کے مسئلے پر بڑی زور وشور سے بحث جاری تھی' انہوں نے اس نظریہ کا دفاع کیا اور اس بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''یہ لوگ صرف دولت عثمانیہ کے اندر اس چیز کو برا خیال کیوں کرتے ہیں' امریکہ اور دوسرے یورپی ملکوں میں تعدد ازدواج کے رجحان پر یہ ماڈرن لوگ اعتراض کیوں نہیں کرتے؟ سلطان اس بات پر زور دیتا تھا کہ اسلام میں ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح مباح ہے' اس پر اعتراض کیسے ہو سکتا ہے؟''(4)

سلطان عبدالحمید خواتین کی تعلیم کے حق میں تھا' اسی لیے انہوں نے ان کی تعلیم وتربیت کے لیے خواتین ٹریننگ سنٹر قائم کیے تاکہ یہاں سے فارغ ہونے والی طالبات تعلیم کے سلسلہ کو آگے بڑھا سکیں۔ سلطان عبدالحمید اختلاط مرد وزن اور عورت کی بے پردگی کے خلاف تھا اور ان کے عہد حکومت میں مملکت کے امور میں عورت کا کسی قسم کا کوئی عمل دخل نہیں رہا تھا' ان کے خیال میں عورت گھر میں اور نسل نو کی تعلیم وتربیت میں فعال کردار ادا کرنے کی ذمہ دار تھی۔ سلطان عورت کے ساتھ نہایت ہی مہربانی کے سلوک کے حق میں تھا' ان کی سوتیلی ماں جنہوں نے سلطان کو اپنی گود میں لے کر پروان چڑھایا اور ان کی تعلیم و تربیت کی' سلطان جب تخت نشین ہوئے تو ان کے ساتھ کمال لطف ومہربانی اور عزت وتکریم سے پیش آئے' انہیں مملکت کی ملکہ کی حیثیت دی جیسا کہ جدید دور میں رواج ہے۔

قصر سلطان میں ملکہ ان کی والدہ تھیں' ان کی زوجہ نہیں تھیں جیسا کہ دوسری مملکتوں میں اکثر بادشاہ کی گھر والی ملکہ کے درجہ پر فائز ہوتی ہے۔(5)

اپنی تخت نشینی کے دوسرے دن سلطان اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں پیش ہوئے جو سلطان سے بے حد محبت کرتی تھیں' ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور عرض کیا:

''آپ کی شفقت اور محبت کی بدولت میں نے ماں کی کمی محسوس نہیں کی' آپ میری نظر میں میری سگی ماں ہیں' میں دونوں

---

1۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص100 2۔موسوعہ اتاترک (60.59/1) 3۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص100
4۔ایضاً ص101 5۔پاکستان میں بھی خاتون اول صدر کی بیوی ہوتی ہے ماں نہیں (مترجم)

میں کوئی تفریق نہیں کرتا' میں نے آپ کو اس مملکت کی ملکہ بنایا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس محل میں جو چاہیں حکم دیں' آپ کے حکم سے سرتابی نہیں ہوگی لیکن میں امید کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میری بات کو کسی صورت نہیں ٹالیں گی کہ آپ مملکت کے کسی چھوٹے یا بڑے کام میں کسی طرح کی مداخلت نہیں فرمائیں گی''۔(1)

## مدرسۃ العشائر کا قیام

سلطان عبدالحمید نے استنبول میں مقر خلافت و مرکز سلطنت ہونے کی بناء پر مدرسۃ العشائر العربیہ (عربی خاندان کا سکول) قائم کیا تا کہ یہاں حلب' شام' بغداد' بصرہ' موصل' دیار بکر' مغربی طرابلس' یمن' حجازہ' بنغازی' القدس اور دیرالزور کے صوبوں کے عربی خاندان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی جا سکے۔

اس سکول میں مدت تعلیم پانچ سال رکھی گئی' یہ داخلی سکول تھے جن میں طلبہ کے جملہ اخراجات دولت عثمانیہ پورے کرتی تھی' ہر طالب علم کو وظیفہ بھی دیا جاتا تھا' یہ وظیفہ ہر دو سال بعد ملتا تھا' اس کے علاوہ طلبہ کا سفری خرچ بھی حکومت کے ذمہ تھا۔

## استنبول کے مدرسۃ العشائر کا نصاب

اس سکول کا نصاب کچھ اس طرح مقرر کیا گیا۔

① پہلا سال:۔ قرآن کریم' حروف ابجد کی لکھائی' دینی علوم' ترکی زبان پڑھنے کی تعلیم' ترکی زبان لکھنے کی مشق' عسکری ٹریننگ

② دوسرا سال:۔ قرآن کریم' تجوید' دینی علوم' املاء' ریاضی' ترکی کی قرأت' خوش نویسی' عسکری ٹریننگ

③ تیسرا سال:۔ قرآن کریم' تجوید' علوم دینیہ' املاء' خوش نویسی' ریاضی' جغرافیہ' فرانسیسی زبان' ٹریننگ

④ چوتھا سال:۔ قرآن کریم' تجوید' دینی علوم' عربی صرف' فارسی زبان' کتابت' ترکی گرائمر' جغرافیہ' ریاضی' خوش نویسی' فرانسیسی زبان' ٹریننگ

⑤ پانچواں سال:۔ قرآن کریم' تجوید' علوم دینی' عربی نحو' فارسی زبان' عثمانی تاریخ' عثمانی قواعد' ترکی زبان کی قرأت اور کتابت' ترکی میں گفتگو' جغرافیا' ریاضی' انجینئرنگ' خوش نویسی' جنرل نالج' حفظان صحت کے اصولوں کی تعلیم' دفتری امور کی انجام دہی کی ٹریننگ' فارسی زبان' فرانسیسی خوش نویسی' عسکری ٹریننگ۔(2)

اس سکول سے تعلیم حاصل کر کے فارغ ہونے والے طلبہ بڑے فوجی ٹریننگ سکولوں میں داخل ہوتے تھے اور پھر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے تھے' یہاں سے فارغ ہونے والے لوگ شاہی سکول میں بھی داخل ہو سکتے تھے جہاں ایک سال پڑھنے کے بعد وہ بہت بڑی ڈگری حاصل کرتے اور اس کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں واپس ہو جاتے تھے۔(3)

---

1۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص98    2۔تاریخ التربیت الترکیۃ: عثمان ارکین: ص614-615-84-1180-1182

3۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص202

اس کے علاوہ سلطان عبدالحمید نے واعظین اور مقررین کے لیے ایک ٹریننگ ادارہ قائم کیا جس میں ایسے افراد تیار کیے جاتے تھے جو اسلامی دعوت کا پرچار کرتے تھے' اسلامی اتحاد کا پیغام دنیا میں پھیلاتے اور رائے عامہ کو خلافت اور اسلامی اتحاد کے حق میں ہموار کرتے تھے۔(1)

سلطان عبدالحمید بڑا بیدار مغز اور قابل فرمانروا تھا' اسی لیے انہوں نے چین کے مسلمانوں کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ استنبول سے نکلنے والے ایک اخبار نے یہ خبر شائع کی کہ چین کے متعدد مسلمان بڑے جذباتی ہیں' علم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں' اسلامی تعلیمات سے استفادہ میں خصوصی رغبت رکھتے ہیں' ان کے ہاں تعلیمی ادارے اور مدارس ہیں' صرف بکین میں ان کی اڑتیس مسجدیں اور جامعات ہیں جن میں مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اور ان میں خلیفہ عبدالحمید الثانی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ بکین کی ان مسجدوں میں جمعہ کا خطبہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے پھر اسے چینی زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ سلطان عبدالحمید کے نام کا خطبہ صرف بکین میں ہی نہیں پڑھا جاتا بلکہ چین کی تمام مسجدوں اور جامعات میں پڑھا جاتا ہے اور ان کے لیے بحثیت خلیفۃ المومنین دعا کی جاتی ہے۔(2)

چین کے دارالحکومت بکین میں ایک جامعہ ہے جسے چینی مسلمان "دارالعلوم الحمیدیہ" کے نام سے موسم کرتے ہیں۔ یہ نام سلطان عبدالحمید الثانی کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ استنبول میں فرانسیسی سفیر نے اس جامعہ کو "الجامعۃ الحمیدیہ" کا نام دیا ہے اور یہ بات پیرس میں وزارت خارجہ کو بھیجی جانے والی ایک رپورٹ میں بھی درج ہے۔

اس جامعہ کے افتتاح کے موقع پر ہزاروں چینی مسلمان وہاں حاضر ہوئے' ان کے علاوہ بکین کے مفتی اور کئی دوسرے علماء نے بھی شرکت کی۔

اس افتتاحی تقریب میں جو تقریر ہوئی وہ عربی میں تھی جس میں سلطان عبدالحمید کے لیے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے دعا کی گئی۔ مفتی اعظم بکین نے اس عربی خطبہ کا چینی زبان میں ترجمہ کیا اور چینی زبان میں دعا مانگی وہاں پر موجود تمام مسلمانوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ چین کے مسلمانوں کا اپنے دین سے بہت گہرا ربط ہے' وہ بڑے جذباتی حد تک دین سے وابستہ ہیں' عربی زبان میں تقریر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ عالم اسلام کو ایک دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنے دینی بھائیوں کی زبان عربی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ الغرض اس تقریب کے بعد جامعہ کے صدر دروازہ پر دولت عثمانیہ کا علم بلند کر دیا گیا جس سے یہاں کے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور خوشی کے آنسو ان کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔(3)

## حجاز ریلوے لائن کا منصوبہ

سلطان عبدالحمید نے مسلمان معاشروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے بہت سے کام کیے۔ دینی اور علمی ادارے قائم کیے' ان اداروں پر خطیر رقم خرچ کی' ان کے لیے عطیات کا اہتمام کیا۔ حرمین شریفین کی اصلاح وتعمیر پر بہت زیادہ رقم خرچ کی۔

1۔ الانقلاب العثمانی: مصطفیٰ طوران: ص 37 2۔ جریدہ ترجمان حقیقت: رسالہ مزالصین 1325/12/26 ہجری
3۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 205

مساجد میں ترمیم کی' ان کی آرائش کا اہتمام کیا۔ عرب مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے آپ نے خصوصی اقدامات کیے۔ عرب علاقوں سے اپنے لیے خصوصی نمائندے منتخب کیے' ان میں سے بعض لوگوں کو بڑے بڑے وظائف دیکر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جیسے اہل شام سے عزت پاشا العابد جس نے سلطان کے ہاں کافی مقبولیت حاصل کی اور عرب علاقوں سے متعلق معاملات میں سلطان کا خصوصی مشیر ٹھہرا۔ عزت پاشا نے دمشق سے مدینہ منورہ تک بچھائی گئی ریلوے لائن کی سکیم میں اہم کردار ادا کیا۔ سلطان عبدالحمید نے اس سکیم کو خلافت کی شان و شوکت کی بلندی اور اسلامی اتحاد کی سوچ کی اشاعت کا ایک بہترین ذریعہ خیال کیا۔

سلطان عبدالحمید نے اپنے ملک کے طول و عرض میں ریلوے لائن بچھانے کا خصوصی اہتمام کیا' اس میں ان کے پیش نظر درج ذیل مقاصد تھے۔

● مملکت کے دور دراز علاقوں کے درمیان رابطہ قائم کر کے عثمانی وحدت کی سوچ کو کامیاب بنانا' اسلامی اتحاد کے قیام کے لیے راہ ہموار کرنا اور تمام صوبوں پر اپنے کنٹرول کو مضبوط کرنا۔

● ان صوبوں کو سلطنت میں ضم ہونے اور عسکری قوانین کے سامنے گردن جھکا دینے پر مجبور کرنا اور ان پر اس بات کو لازم کرنا کہ وہ خلافت کے دفاع میں اپنی شرکت کے لیے مال پیش کریں اور افرادی قوت باہم پہنچائیں۔

● ملکی دفاع کو ہر طرف سے مضبوط بنانا اور دشمن کی راہ روکنے کے لیے فوجوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کو آسان بنانا' ریلوے لائن سے یقیناً ملک کے مختلف علاقوں میں جاری جنگوں میں کافی مدد مل سکتی تھی اور سرحدوں پر فوج کی تقسیم اور منتقلی میں آسانی ہو سکتی تھی۔ (1)

حجاز ریلوے لائن سلطان عبدالحمید کے عہد خلافت میں بچھائی جانے والی ریلوے لائنوں میں اہم ترین لائن تھی۔ دمشق سے مدینہ منورہ تک اس لائن کو بچھانے کا کام 1900ء میں شروع ہوا۔ اس ریلوے لائن کے ذریعے سفر سمٹ گیا اور جو سفر قافلے چالیس روز میں اور بحری راستوں میں کشتیوں کے ذریعے شام کے ساحل سے لے کر حجاز مقدس تک بیس روز میں طے کرتے تھے' اب صرف پانچ چھ دنوں میں ہونے لگا۔ اس ریلوے لائن کو بچھانے کی غرض و غایت صرف حاجیوں کی خدمت نہیں تھی کہ وہ اس سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک پہنچ جائیں بلکہ سلطان عبدالحمید کے سامنے کئی دوسرے سیاسی اور عسکری اہداف بھی تھے۔ سیاسی نقطہ نظر سے تو یہ ریلوے لائن دنیا کے کونے کونے تک اسلامی دینی جذبہ کے فروغ کے لیے ایک بہترین ذریعہ تھی۔ سلطان عبدالحمید نے زمین کے مختلف اطراف میں رہنے والے مسلمانوں میں ایک بیان نشر کیا جس کے ذریعے انہیں اس ریلوے لائن کی تعمیر کے لیے عطیات میں حصہ ڈالنے کے لیے آمادہ کیا۔ (2)

سلطان عبدالحمید نے چندے کی ایک لسٹ تیار کی جس میں انہوں نے اپنی جیب سے پچاس ہزار سونے کے عثمانی سکے دیئے اور ایک لاکھ سونے کے عثمانی سکے منافع کے صندوق سے دینے کا فیصلہ کیا۔ سلطان نے فلاحی کمیٹیاں بنائیں جن میں مسلمانوں

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ڈاکٹر موفق بنی المرجہ: ص 113  2۔ ایضاً

نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان اداروں کی تعمیر و اصلاح کے لیے جان و مال کے ذریعے سلطان کی اعانت کا اعلان کیا۔(1)

اس سکیم کے لیے مملکت کی اہم شخصیات نے چندہ دیا' مثلاً صدر اعظم اور وزیر دفاع حسین پاشا' وزیر تجارت اور حرف و صنعت ذہنی پاشا' سکیم کمیٹی کے سربراہ عزت پاشا۔

مختلف کمپنیوں کے ملازمین نے چندہ دینے میں بڑی سرگرمی کا ثبوت دیا' ان لوگوں نے اس کار خیر میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' ان کے علاوہ عثمانی بحریہ کمپنی کے ملازمین ملک اور اس کے مختلف صوبوں مثلاً بیروت' دمشق' حلب' بورصہ وغیرہ صوبوں کے عام ملازمین نے بھی دل کھول کر چندہ دیا۔

مصر کا شاہی محل بھی چندہ مہم میں شریک ہوا' مصر میں سکیم کے لیے چندہ جمع کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے احمد پاشا المنشاوی کی سربراہی میں چندہ جمع کیا۔ مصر کے صحافیوں نے بھی حجاز ریلوے لائن کی اس مہم میں بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور اس کی مثال جریدۃ المؤید ہے۔ ''اللواء المصریہ'' نامی اخبار نے جو چندہ جمع کیا' اس کی مالیت 1904ء میں تین ہزار عثمانی لیرہ تک پہنچ گئی' اس اخبار کے چیف ایڈیٹر مصطفیٰ کامل پاشا تھے' اسی طرح علی کامل نے 1901ء تک 2000 عثمانی لیرہ کی رقم جمع کی۔

اس مہم میں المنار اور الرائد المصری نامی جرائد نے بھی خوب حصہ لیا۔ قاہرہ' اسکندریہ اور مصر کے کئی دوسرے شہروں میں اس سکیم کے لیے چندہ جمع کرنے کے لیے کئی کمیٹیاں بنائی گئیں۔

ہندوستان کے مسلمان پوری دنیا کے مسلمانوں سے آگے تھے' ان کا جوش و خروش اور چندہ مہم کے سلسلہ میں گرم جوشی دیدنی تھی۔ نواب حیدر آباد نے مدینہ منورہ ریلوے لائن کے لیے بہت بڑی رقم چندہ کے طور پر دی' اس طرح ایران کے بادشاہ نے 50000 عثمانی لیرہ کی رقم پیش کی۔

اگرچہ اس سکیم کو غیر ملکی فنی ماہرین کی ضرورت تھی کیونکہ پلوں اور سرنگوں کے کام میں ماہرین کی اشد ضرورت تھی لیکن غیر ملکی لوگوں سے مدد نہ لی گئی' ہاں جب ان کے بغیر کام ناممکن نظر آیا تو ان کی محدود حد تک مدد لی گئی کیونکہ غیر ملکی فنی ماہرین آزادانہ طور پر اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور سلطان اب غیر ملکیوں پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے' اس مقصد کے لیے انہوں نے مصر کے ماہرین کی خدمات پر اکتفاء کیا اور دمشق کے جنوب میں 760 کلومیٹر کی مسافت پر واقع الاخضر نامی ریلوے لائن سے لے کر سکیم کے ختم ہونے تک کسی غیر ملکی ماہر فن کی خدمات نہیں لی گئیں کیونکہ سکیم کمیٹی ان سے بے نیاز ہو چکی تھی اور مصر کے فنی ماہرین ان کی جگہ لے چکے تھے۔ 1907ء میں ماہرین کو چھوڑ کر صرف مزدوروں کی تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچی اور اس سکیم کی تکمیل پر تقریباً 4283000 عثمانی لیرہ کی رقم خرچ ہوئی اگر اس سکیم میں غیر ملکی کمپنیوں کی خدمات حاصل کی جاتیں تو اخراجات بھی بڑھ جاتے اور مدت بھی زیادہ درکار ہوتی۔ مصری فنی ماہرین اور اپنے ملک کے مزدوروں کے جوش و جذبہ اور خدمت وطن کے جذبہ کے باعث بہت تھوڑے وقت اور عرصہ میں یہ سکیم مکمل ہو گئی۔ اگست 1908ء کو یہ

---

1۔ السلطان عبد الحمید الثانی: ص 222

ریلوے لائن مدینہ منورہ تک پہنچ گئی۔ پروگرام کے مطابق اس ریلوے لائن نے مدینہ طیبہ کے بعد مکہ مکرمہ تک جانا تھا لیکن اس پر کام روک دیا گیا اور یہ لائن مکہ مکرمہ تک نہ جا سکی۔ وجہ یہ تھی کہ شریف مکہ حسین بن علی کو اندیشہ تھا کہ دولت عثمانیہ کی گرفت حجاز مقدس پر سخت ہو جائے گی اور ممکن ہے اس طرح اس کی امارت کو خطرہ لاحق ہو جائے' چنانچہ اس نے مکہ تک ریلوے لائن بچھانے کے کام میں رخنہ اندازی شروع کر دی اور یوں یہ ریلوے لائن مدینہ منورہ تک پہنچ کر رک گئی' اسی دوران پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی' انگریزوں نے عربی فوجوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور یہ فوجیں فیصل بن حسین بن علی کی قیادت میں انگریزی فوج کے ساتھ مل گئیں اور حجاز ریلوے لائن کو نقصان پہنچایا' آج تک یہ ریلوے لائن بند ہے لیکن امید ہے کہ اس کی اصلاح کی طرف توجہ دی جائے گی اور بیت اللہ شریف کی طرف سفر کرنے والوں کو آسانی باہم پہنچانے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں گے۔

1907ء میں برطانوی سفیر نے اپنی سالانہ رپورٹ میں قسطنطنیہ میں حجاز ریلوے لائن کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا:
''آخری دس سالوں کے سیاسی واقعات کے حوالے سے کچھ واقعات بہت نمایاں ہو کر سامنے آئے' ان واقعات میں سے اہم واقعہ سلطان کا یہ ماہرانہ پروگرام ہے' جس کے ذریعے وہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے سامنے آئے اور تین سو ملین مسلمانوں کے روحانی قائد کی حیثیت سے لباس خلافت میں ظاہر ہوئے۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے روحانی پیشوا ہیں' انہوں نے اپنے اس عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ دینی شعور اور غیرت رکھتے ہیں' انہوں نے حجاز مقدس میں ریلوے لائن بچھا کر مسلمانوں کے لیے دور دراز راستوں کو سمیٹ دیا اور اب وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مقامات مقدسہ کی زیارت اور فریضہ حج ادا کرنے کی غرض سے بڑی آسانی سے پہنچنے لگے اور اس بارے ہمارے ذہن سے اسی وقت تمام شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس سکیم پر انگریزوں نے بڑی خفگی کا اظہار کیا' انہوں نے اس سکیم کو ناکام بنانے کے لیے بہت سازشیں کیں اور بالآخر موقع ملنے پر اسے بارود سے اڑا کر ناقابل استعمال بنا دیا تاکہ عثمانی آرمی کا راستہ کاٹا جا سکے۔''(1)

اس ریلوے لائن کے ذریعے پہلی ٹرین شام کے شہر دمشق سے مدینہ منورہ 22 اگست 1908ء کو پہنچی۔ یہ دن پوری دنیا کے لاکھوں مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن تھا کیونکہ اس دن ان کے ایک بہت بڑے خواب کی تعبیر سامنے آ گئی تھی۔ دمشق سے مدینہ منورہ تک پہنچنے میں اس ٹرین کو صرف تین دن کا عرصہ لگا اور اس عرصہ میں اس نے 814 میل کا نہایت کٹھن اور مشکل راستہ طے کیا جو پہلے پانچ ہفتوں سے بھی زیادہ عرصہ میں طے ہوتا تھا۔ اس تاریخی روز کو ان لوگوں کی دل کی دھڑکن تیز ہو گئی جو فریضہ حج ادا کرنے کے مشتاق تھے۔(2)

عبدالحمید کی اسلامی پالیسی بہت مضبوط تھی' وہ چاہتے تھے کہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین تمام مسلمانوں کے دل اس کے گرویدہ ہوں اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے شام سے حجاز مقدس تک کی یہ ریلوے لائن ایک اہم ذریعہ تھا۔(3)

مصر میں برطانوی نمائندہ (1301ھ، 1325ھ بمطابق 1883ء، 1907ء) کرومر وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلامی اتحاد کے خلاف یورپ کو اکسایا اور اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ سالانہ رپورٹوں میں اسلامی اتحاد کیخلاف شدید بغض کا

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص114 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

اظہار کیا جائے' اسی دوران مصر کے رسالے الاہرام۔ نے فرانسیسی وزیر ہانوٹو کے کچھ بیانات شائع کیے جن میں وزیر موصوف نے اسلامی اتحاد پر سخت تنقید کی تھی۔ اسلامی اتحاد کی مخالفت دراصل دولت عثمانیہ کی مخالفت کا نتیجہ تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ مسلمان ملکوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جائے اور اتحاد کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہنے دیا جائے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ دعوت اتحاد بین المسلمین کا سبب بن سکتی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو تقسیم کر کے استعماری نفوذ کے سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے چونکہ مسلمانوں کا تفرقہ ہی اس استعماریت کی اساس تھا' اس لیے یورپ چاہتا تھا کہ اس اساس کو برقرار رکھا جائے اور مسلمانوں کی صفوں کے درمیان کسی قسم کی وحدت پیدا نہ ہونے دی جائے (1)۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کئی بنیادی اقدامات کیے۔

1. صوبائیت' وطنیت' علاقائیت' گروہی اور نسلی اختلافات کو فروغ دینا۔
2. اسلامی اتحاد کے خلاف جنگ کے لیے فکری اور نظریاتی فضا قائم کرنا۔

یہ سب کوششیں درحقیقت خلافت عثمانیہ کو بالآخر ختم کرنے کی تمہید تھیں اور بین الاقوامی صہیونیت (2) ڈونمک تحریک کے یہودیوں اور ان کی پیروی کرنے والی جمعیتوں جیسے انجمن نوجوانان ترکی' انجمن اتحاد وترقی وغیرہ کے ساتھ تعاون کرنے کی ایک سبیل تھی۔

## لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی پالیسی

سلطان عبدالحمید نے مختلف علاقوں کے ذی اثر شخصیات کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی پالیسی اپنائی۔ سلطان اہل علم کی بڑی عزت کرتا تھا اور ان کی عزت افزائی میں کوئی بخل نہیں کرتا تھا' اس لیے اس نے مجلس مشائخ قائم کی اور اس کے ممبران کے لیے بڑے بڑے وظائف مقرر کیے۔ سلطان اپنے رہنماؤں کے ساتھ بہت احترام سے پیش آتا تھا اور ان کے بارے بہت اچھا گمان رکھتا تھا۔ سلطان کے ہاں اہل علم کا بڑا درجہ تھا۔ وہ اہم شخصیات کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ لوگ اس کی پشت پناہی کریں اور اسلامی اتحاد کی سوچ میں اس کا ساتھ دیں۔ ان اہم شخصیات میں مصطفیٰ کامل پاشا کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جن کا تعلق مصر سے تھا۔ سلطان ان نمایاں شخصیات کی خطاؤں سے درگزر کرتے تھے جب انہیں یقین ہو جاتا تھا کہ وہ سلطان سے مخلص ہیں اور اسلامی اتحاد کی سوچ میں اس کی معاونت کر سکتے ہیں اور اس کے خیالات سے اتفاق رکھتے ہیں' ایسے لوگوں میں نامق کمال کا نام بہت مشہور ہے۔

سلطان عبدالحمید ان سکولوں کے بعض طلبہ کا بھی انتخاب کرتا تھا جو عرب خاندانوں کے بچوں کے لیے قائم کیے گئے تھے' ان سکولوں میں پڑھنے والے اکثر طلبہ کا تعلق بڑے بڑے خاندانوں سے ہوتا تھا جن کو اسلامی معاشروں میں بڑی عزت کی نگاہ

---

1۔ حاضر العالم الاسلامی' ڈاکٹر جمیل مصری (101/1) 2۔ ایضاً

سے دیکھا جاتا تھا' ان کا اثر ورسوخ' اسلامی معاشروں پر ان کی گرفت اور ان کی شہرت بہت اچھی ہوتی' ان طلبہ کے ذریعے سلطان اتحاد بین المسلمین کے خواب کی تعبیر چاہتا تھا' آپ نے اس سلسلے کو بڑی وسعت دی' بعد میں اسی طرح کے کئی اور سکول قائم کیے اور ان سکولوں میں پڑھنے والے طلبہ جن کا تعلق عرب خاندانوں کے علاوہ کرد اور البان خاندانوں سے تھا کا انتخاب کیا اور ان کے ذریعے مختلف عرب قبائل کے امراء اور شیوخ سے رابطے کیے' بعض لوگوں کو خطوط لکھے اور بعض کی طرف وفود بھیج کر انہیں اپنے ساتھ ملانے' اسلامی بھائی چارہ کو فروغ دینے اور ان لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی پوری کوشش کی۔ سلطان جانتا تھا کہ انگریز مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں ہے۔ وہ جانتا تھا کہ انگریز کا عرب شیوخ کے ساتھ گہرا رابطہ ہے جیسے شریف مکہ اور یمن کا شیخ حمید الدین اور شیخ عیسیٰ۔ انگریز کی کوشش تھی کہ ان شیوخ کو دولت عثمانیہ کے خلاف بھڑکایا جائے اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ خلیفہ کی اطاعت سے نکلنے کا اعلان کر دیں اور دولت عثمانیہ سے الگ ہو جائیں۔

سلطان عبدالحمید نے انگریز کے منصوبوں اور اس کی خبیث سازشوں کو خاک میں ملانے کے لیے عملی اقدامات کیے۔ انہوں نے ایسے لوگوں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جن کے بارے انہیں شک تھا کہ وہ دولت عثمانیہ کے ساتھ محبت کے جذبات نہیں رکھتے اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے انہیں استنبول میں اپنے پاس روکے رکھا۔ آپ نے ایسے لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر کے اور بڑے بڑے مناصب دے کر ایک طرح سے انہیں اپنی نگرانی میں مقید کر دیا تاکہ ملک ان کی سازشوں سے محفوظ رہے۔ مثلاً شریف مکہ کو استنبول میں مجلس مشاورت کا ممبر بنا دیا تاکہ وہ واپس مکہ مکرمہ نہ جاسکے۔ شریف حسین کے بارے سلطان نے صدر اعظم فرید پاشا سے بات چیت کے دوران اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''شریف حسین ہمیں نہیں چاہتا لیکن اب وہ پرسکون اور خاموش ہے لیکن اللہ وحدہ لاشریک بہتر جانتا ہے کہ شریف حسین کل کو کیا کر سکتا ہے؟'' اسی وجہ سے شریف حسین کی قیادت میں برپا ہونے والی عربی بغاوت اس وقت تک موخر رہی جب تک کہ اتحادیوں نے سلطان عبدالحمید کو حکومت سے برطرف نہیں کر دیا۔

جب ماسونی پارٹی الاتحاد والترقی کی حکومت قائم ہوئی تو شریف حسین مکہ واپس اور اس کے بعد انگریزوں کے ساتھ معاہدہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور یوں عرب کے مسلمانوں اور ترکوں کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج پیدا کر دی۔ (1)

## سلطان عبدالحمید کا دشمنوں کے منصوبوں کو ناکام بنانا

انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول سے برطانیہ نے کردوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر رکھا تھا تاکہ ایک طرف عثمانیوں اور کردوں کے درمیان دشمنی پیدا کی جائے اور دوسری طرف کردوں کو ایک مملکت کے ذریعے جدا کیا جاسکے جو دولت عثمانیہ سے الگ ہو۔

جب ہندوستان میں برطانوی کمپنی قائم ہوئی تو انگریزوں کی سرگرمیاں عراق میں پہلے سے زیادہ ہو گئیں۔ انہوں نے امراء کے درمیان ایک قومی تحریک شروع کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے۔ برطانوی مندوبین عراق میں بسنے والے کرد

---

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 227

خاندانوں کے پاس آنے جانے لگے اور کرد خاندانوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف متحد کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ عثمانی انٹیلی جنس بڑی عمیق نظروں سے ان امور کا پیچھا کر رہی تھی چنانچہ سلطان عبدالحمید نے انگریز کے اس تباہ کن اقدام کے خلاف ایک منصوبہ تیار کیا جس کی اہم باتیں درج ذیل ہیں۔

❶ خلافت عثمانیہ کرد شہریوں کو ارمنوں کے خونریز حملوں سے بچانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور ارمنوں کے خلاف کردوں کا ساتھ دیا۔

❷ سلطان نے مسلمان علماء پر مشتمل کئی وفود کرد خاندانوں کے پاس روانہ کیے تا کہ وہ انہیں سمجھائیں' ان کی رہنمائی کریں اور انہیں اسلامی اتحاد کی دعوت دیں چنانچہ ان وفود نے مغربی مقاصد کے بارے کردوں کو بیدار کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

❸ سلطان عبدالحمید نے مختلف اقدامات کر کے کرد امراء کو اپنے اور دولت عثمانیہ کے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔

❹ مشرقی اناصنول میں کردوں پر مشتمل فوجی یونٹوں کی بنیاد رکھی گئی تا کہ ارمنی جارحیت کا راستہ روکا جا سکے۔

❺ علیحدگی پسند ارمنوں کے مقاصد کے خلاف دولت عثمانیہ کا موقف بڑا مضبوط تھا' اسی لیے اس علاقہ میں رہنے والے کردوں نے امن وامان کی کیفیت کو محسوس کیا۔(1)

❻ دولت عثمانیہ نے انگریز منصوبوں کو طشت از بام کرنے کے لیے بھی عملی اقدامات کیے جن کا مقصد دولت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آزاد قومیت کے نام سے جاری تحریکوں کے ہاتھوں خود مختار علاقائی حکومتوں کا قیام تھا۔

سلطان عبدالحمید یمن میں برطانوی اثر ونفوذ کا دائرہ تنگ کر دینے میں کامیاب رہے اور اس علاقے میں انگریزوں کے خلاف جنگ میں واضح کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے یمن میں آٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک عسکری یونٹ بنائی تا کہ یمن کو دوبارہ دولت عثمانیہ کی طرف لوٹایا جائے۔ انہوں نے اس پوسٹ کی قیادت کے لیے نہایت ہی ماہر فوجی افسر یمن روانہ کیے جیسے احمد مختار پاشا' احمد خوزی پاشا' حسین حلمی پاشا' توفیق پاشا' مشیر عثمان پاشا اور اسماعیل حقی پاشا۔ انگریزوں نے یمن میں دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی لیکن سلطان عبدالحمید کی حکیمانہ پالیسی کی بدولت ان کی ایک نہ چلی اور سلطان حمید پوری طرح کامیاب رہے۔(2)

## لیبیا میں اٹلی کے مقاصد

اٹلی شمالی افریقہ کو اپنے ساتھ ملانے کے خواب دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ اس علاقے کو اٹلی کی میراث خیال کرتا تھا۔ اٹلی کے وزیر اعظم ماتزینی نے اس بات کا برملا اظہار بھی کیا لیکن فرانس نے ٹیونس پر اور انگریزوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور اٹلی کے پاس لیبیا کے علاوہ کچھ نہ بچا۔

## اٹلی کی لیبیا میں پالیسی

اٹلی نے لیبیا میں اپنی پالیسی کو تین مراحل پر مرتب کیا۔

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 131، 132) 2۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 224

1. سکولوں' بینکوں اور دوسرے رفاہی اداروں کے ذریعے پرامن طریقے سے لیبیا کے اندر اثر ونفوذ پیدا کرنا۔
2. ڈپلومیسی کے ذریعے لیبیا پر اپنے قبضہ کے جواز کے لیے دوسرے ملکوں کو اپنے ساتھ ملانا تاکہ وہ اس قبضہ کو تسلیم کریں۔
3. دولت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ اور لیبیا پر قبضہ۔

اس دور میں برطانیہ اور فرانس کے برعکس اٹلی کی یہ پالیسی تھی کہ وہ اپنی جدوجہد کی طرف کسی کی توجہ مبذول نہیں ہونے دے۔ وہ بڑی حکمت اور سکون کے ساتھ عثمانیوں کے جذبات کو بھڑکائے بغیر لیبیا کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔

سلطان عبدالحمید اٹلی کے ان مقاصد سے پوری طرح آگاہ تھا' انہوں نے مختلف ذرائع سے لیبیا میں اٹلی والوں کی سرگرمیوں اور ان کے اہداف کے بارے معلومات حاصل کیں۔ انہیں معلوم ہوا کہ ''اٹلی والے سکولوں' بینکوں اور دوسرے فلاحی اداروں کی وساطت سے عثمانی صوبوں لیبیا اور البانیا میں اپنا اثر ورسوخ بڑھا رہے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ بالآخر دولت عثمانیہ کے ان علاقوں پر قبضہ کریں۔''

1. مغربی طرابلس
2. البانیا
3. بحرابیض متوسط کے ساحل پر واقع اناصنول کے علاقے ازمیر' اسکندرون اور انطاکیہ۔

سلطان عبدالحمید الثانی نے اٹلی کے مذموم مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ضروری تدابیر کیں جب انہیں معلوم ہوا کہ اٹلی لیبیا پر مسلح حملہ کرنے والا ہے تو انہوں نے لیبیا میں 15000 سپاہیوں پر مشتمل اپنی فوجی امداد بھیجی تاکہ لیبیا کا دفاع کیا جاسکے۔ سلطان اٹلی کی جدوجہد کے بارے پوری طرح چوکنا رہا اور وہ ذاتی طور پر اس کی سرگرمیوں کا بنظر غائر جائزہ لیتا رہا اور روم کے سفیر اور والی طرابلس کے ذریعے لیبیا کے بارے مختلف امور کا بذات خود مطالعہ کرتا رہا جس کی وجہ سے اٹلی والوں کو مجبوراً لیبیا پر قبضہ کرنے میں تاخیر کرنا پڑی اور ان کا یہ خواب اس وقت پورا ہوا جب کہ سلطان عبدالحمید کی برطرفی کے بعد جمعیت الاتحاد والترقی کی حکومت آئی (1)۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل ہم اس سلسلہ کی ساتویں کتاب میں بیان کریں گے جو سنوسی تحریک، دعوت وتبلیغ میں اس کے اثرات اور افریقہ میں اس کی جہادی سرگرمیوں کے بارے ہے۔

اسلامی اتحاد کا پورے عالم اسلام میں بڑا شہرہ تھا جس کی مختلف وجوہات ہیں جس میں چند درج ذیل ہیں۔

1. انیسویں صدی کے نصف ثانی میں یورپی ممالک مشرق میں واقع مختلف اسلامی ملکوں پر قبضہ کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کررہے تھے۔ 1881ء میں فرانس نے ٹیونس پر قبضہ کرلیا' 1882ء میں انگریزوں نے مصر پر قبضہ کرلیا اور فرانس نے مراکش کے معاملات میں مداخلت شروع کردی حتیٰ کہ 1912ء میں فرانس اس بات کا اعلان کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ ان علاقوں پر اس کا بھی حق ہے لہٰذا ان علاقوں کو ہسپانیہ اور فرانس کے درمیان تقسیم ہونا چاہیے' اس طرح یورپی استعمار نے افریقہ کے اسلامی ملکوں پر یورش شروع کردی جیسے سوڈان' نائیجیریا' زنجبار وغیرہ

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص139

❷ عالم اسلام کے درمیان رابطے اور وسائل نقل وحمل ترقی کر چکے تھے اور مصر، ترکی، الجزائر، ہندوستان، ایران، وسط ایشیا اور جاوہ (انڈونیشیا) میں صحافتی تحریک پھیل چکی تھی۔ اخبارات استعماریت اور عالم اسلام میں یورپی ملکوں کی دلچسپی کے موضوع پر گرما گرم بحث کررہے تھے۔ اسلامی علاقوں پر یورپیوں کے بار بار حملوں کی خبریں شائع ہورہی تھیں جن کی وجہ سے لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہورہے تھے۔ ایک اضطراب کی کیفیت طاری تھی اور مسلمان اپنے مظلوم بھائیوں کے حق میں اپنے جذبات اور اپنے جوش وخروش کا خوب مظاہرہ کررہے تھے۔

❸ علماء اسلام کی کوششیں اور اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کیلئے ان کی دعوت وتبلیغ پورے عالم اسلام میں پھیل چکی تھی۔ مسلمان محسوس کررہے تھے کہ ان حالات میں مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہیے اور انہیں یہ بھی محسوس ہورہا تھا کہ جوں جوں مغربی مظالم کا سلسلہ بڑھ رہا ہے، مسلمان ایک دوسرے کے قریب آرہے ہیں اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا ہورہا ہے، انہیں محسوس ہورہا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تمام اسلامی معاشرے یکجان ہوجائیں اور خلافت عثمانی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوجائیں۔(1)

سلطان عبدالحمید الثانی مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کرنے میں کامیاب ہوچکے تھے کہ مسلمانوں کی یکجہتی بہت اہم ہے اور پوری امت کو خلافت عثمانیہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر اپنی صفوں میں اتحاد کی کوشش کرنا چاہیے، اس سے دو مقاصد پورے ہوسکتے ہیں۔

❶ دولت عثمانیہ اندرونی خلفشار سے بچ سکتی ہے اور مغربی، ماسونی، یہودی، استعماری اور نصرانی نیشنلزم کے حملوں کے مقابلے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرسکتی ہے۔

❷ اور بیرونی سطح پر ان تمام مسلمانوں کو خلافت کے جھنڈے کے نیچے لاسکتی ہے جو روس، برطانیہ اور فرانس جیسے یورپی ملکوں کے سامنے سر جھکا چکے ہیں اور اس طرح ان تمام ممالک کو ان کی کارستانیوں کا جواب دیا جاسکتا ہے اور پورے عالم اسلام میں اعلان جہاد کرکے ان ملکوں کو مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔(2)

## سلطان عبدالحمید اور یہودی

سلطان عبدالحمید ثانی اور یہودیوں کے درمیان چپقلش اس غیور مسلمان سلطان کی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ہے۔ یہودیوں کی اسلام دشمنی اور اہل اسلام کے خلاف ان کی سازشوں کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ظہور اسلام سے جب کہ اسلام کو جزیرہ عرب میں کامیابی ہوئی، ان کی بار بار کی خیانت اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی دائمی عداوت کی وجہ سے رسول ﷺ نے ان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا، اس دن سے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ہر موقع پر ڈسنے اور

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص112    2۔ ایضاً ص113

نقصان پہنچانے کی کوشش کی اوران کی بدعہدی اور مکروفریب کی وجہ سے خلیفہ راشد حضرت عمرابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہیں پورے جزیرہ عرب سے نکال باہر کردیا گیا کیونکہ وہ آپ کے ساتھ دھوکہ کرتے تھے' ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام قبول کیا اور اسلام کی طویل ترین تاریخ میں امت مسلمہ کے جسم میں زہر اتارنے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن سبا' قرامطہ' حشاشین' رائیونڈیے(1) اور کئی دوسری تخریب کار تحریکیں یہودیوں سے کچھ زیادہ دور نہیں ہیں۔

بلاد قرم کے تاریوں نے سلطان سلیمان قانونی کو پندرھویں صدی میلادی میں ایک روسی یہودی دوشیزہ بطور تحفہ دی۔ یہ لوگ اسے ایک جنگ میں قید کر لائے تھے' سلطان سلیمان قانونی نے اس دوشیزہ سے شادی رچالی جس سے اس کی ایک بیٹی ہوئی جب یہ بچی بڑی ہوئی تو اس کی یہودن ماں نے کوشش کی کہ اس کی شادی رستم پاشا سے ہوجائے جو ایک غیر معروف النسب شخص تھا' اس عورت نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دھوکہ سے اس وقت کے صدر اعظم ابراہیم پاشا کو قتل کرا کر اپنے داماد اس غیر معروف النسب شخص کو صدر اعظم کے عہدہ پر فائز کرادیا' پھر اس نے ایک اور سازش کی اور ولی عہد مصطفیٰ بن سلطان سلیمان جوان کی پہلی بیوی سے تھے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کی اور اس کی جگہ اپنے بیٹے سلیمان ثانی کو ولی عہد مقرر کروادیا۔

یہودی اس زمانے میں کسمپرسی کا شکار تھے' اندلس اور روس میں انہیں مشق ستم بنایا جارہا تھا' ان میں سے بہت سے لوگ عیسائی تفتیشی عدالتوں سے بھاگ کر دنیا کے کونے کونے میں بکھر گئے تھے' اس یہودی عورت نے سلطان سے اسلامی ممالک میں یہودیوں کو پناہ دینے کا پروانہ حاصل کرلیا اور پوری دنیا سے جوق در جوق یہودی اسلامی علاقوں کا رخ کرنے لگے۔ ازمیر' ایڈریانوپل' بورحہ اور شمالی علاقوں میں کئی یہودی آ کر بس گئے۔ دولت عثمانیہ میں ان کے قیام کے بعد ان پر اسلامی (2) احکام لاگو ہوئے اور یوں اسلامی قلم رو میں انہیں شخصی آزادی کی نعمت میسر آ گئی۔ ہسپانیہ کے یہودیوں کو دولت عثمانیہ میں صرف پناہ ہی نہ ملی بلکہ انہیں مکمل آزادی اور رفاہیت بھی نصیب ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ اپنا اثر ورسوخ بڑھاتے گئے اور ملک کے اہم شہروں میں بستے چلے گئے جیسے ڈون جوزف باسی وغیرہ۔ ہسپانیہ کے یہودیوں کو بہت زیادہ خودمختاری حاصل ہوگئی تھی' حتیٰ کہ حاخامین نامی گروہ کے پیشوا کو دینی اور شہری معاملات میں مکمل اختیار حاصل ہوگیا اور اس کا اقتدار اور اختیار اس حد تک بڑھ گیا کہ اس گروہ کے دینی مراسم اور فیصلوں کی حکومت کی طرف سے تصدیق ہونے لگی اور انہیں یہودیوں کے خصوصی قوانین کا درجہ دیدیا گیا۔(3)

---

1۔ مصنف نے ''الراوندیہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد تبلیغی جماعت نہیں جس کا سالانہ اجلاس رائیونڈ (لاہور) میں ہوتا ہے۔ بلکہ راوندیہ ایران کے شہر راوند جو اصفہان کے نزدیک واقع ہے سے اٹھنے والا ایک فرقہ ہے جو بادشاہوں کی تقدیس کے قائل تھے۔ اس فرقہ کے عقائد ونظریات کے لیے دیکھیے تاریخ الاسلام از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، مطبع دار الجیل بیروت جزو ثانی ص 88 (مترجم)

2۔ ان احکامات کا تعلق معاشرتی اور مدنی قوانین سے تھا نہ کہ ان کی نوعیت مذہبی تھی کیونکہ غیر مسلم مذہبی قوانین کے مکلف نہیں ہوتے۔ اسلامی قلم رو میں مذہبی معاملات میں ذمی آزاد ہوتے تھے اور ان کے مذہبی تنازعات کا فیصلہ ان کے مذہبی رہنما کرتے تھے۔ (مترجم)

3۔ الیہود والدولہ العثمانیہ ڈاکٹر احمد نعیمی: ص 37

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کردینا بھی مناسب ہوگا کہ علی پاشا جو اس دور میں وزارت خارجہ کے عہدے پر فائز تھے اور جو بعد میں صدر اعظم بنے' انہوں نے 1865ء میں یورپ کے مسیحی ملکوں کی طرف بھیجے جانے والے سفارتی وفود میں بہت سے یہودیوں کو بھی شامل کیا۔(1)

یہودیوں کو وہ تمام اختیارات اور حقوق حاصل تھے جو قانونی طور پر مملکت عثمانیہ کی رعایا کو حاصل تھے(2)۔انہیں یہاں امن و آشتی کی نعمت میسر تھی اور وہ ملک میں مکمل طور پر آزاد تھے۔(3)

## ڈونمہ کے یہودی

لفظ ڈونمہ کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں کیونکہ یہ لفظ لغوی پہلو سے ترکی لفظ "ڈونمک" سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے مرتد یا تذبذب کا شکار' لیکن دینی نقطہ نظر سے اس لفظ کا ایک خاص مفہوم ہے' ایک نیا دینی گروہ جس کی طرف حاخام شبتائی نے لوگوں کو دعوت دی جو پرلے درجے کا مکار اور جھوٹا تھا۔ رہا اس لفظ کا سیاسی مفہوم تو اس سے مراد یہودیوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو حکومت کی پوری فرمانبرداری کرتا تھا(4)۔اکیسویں صدی سے ڈونمہ کے لفظ کا ایک خاص معنی میں ان یہودیوں پر اطلاق ہونے لگا جو اسلامی ملکوں میں رہائش پذیر تھے' بالخصوص صوبہ سلانیک میں عثمانیوں نے ڈونمہ کے نام کا اطلاق یہودیوں پر اس بات کی وضاحت اور بیان کے لیے کیا کہ جو لوگ یہودیت سے اسلام کی طرف پلٹ آئے ہوں لیکن بعد میں یہ اندلس کے ان یہودیوں کا علم بن گیا جنہوں نے دولت عثمانیہ میں پناہ لی اور بظاہر اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے کا اعلان کیا۔(5)

فرقہ ڈونمہ کا بانی شبتائی کذاب ہے' جس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ انیسویں صدی کا مسیح منتظر ہے کیونکہ اس دور میں یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ مسیح 1648ء میں ظہور فرمائیں گے' وہ یہودیوں کی میں قیادت کریں گے اور پوری دنیا پر ان کی حکومت ہوگی جس کا دار الحکومت فلسطین ہوگا۔(6)

مسیح منتظر کا نظریہ یہودی معاشرے میں ان دنوں پوری طرح چھایا تھا اور قدیم یہودی حلقے مسیح کے عنقریب ظہور پر ایمان رکھتے تھے' اسی وجہ سے شبتائی کی دعوت کو فلسطین' مصر' مشرقی یورپ کے یہودیوں کی طرف سے بہت تائید حاصل ہوئی بلکہ بہت سارے یہودیوں نے اور مال دار لوگوں نے محض سیاسی اور مالی اغراض کے لیے اس دعوت کی تائید کی۔(7)

شبتائی کی آواز یورپ' پولینڈ' جرمنی' ہالینڈ' انگلستان' اٹلی اور شمالی افریقہ کے علاقوں تک پھیل گئی۔

ازمیر میں یہودی وفد کے ساتھ شبتائی کی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایڈریا' نوپل صوفیا' یونان اور جرمنی کے یہودی جوق در جوق اپنے مسیح منتظر کی زیارت کے لیے آنے لگے' ان وفود نے اسے جو ہار پہنائے' ان پر لکھا ہوا تھا "تاج ملک الملوک"' یعنی بادشاہوں کے بادشاہ کا تاج' پھر شبتائی نے پوری دنیا کو 88 حصوں میں تقسیم کیا اور ان میں سے ہر حصے کے

---

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ' ڈاکٹر احمد نعیمی: ص 37   2۔ ایضاً ص 38   3۔ ایضاً ص 39

4۔ یہود والدونمہ: ڈاکٹر احمد نعیمی: ص 8   5۔ صحوۃ الرجل المریض: ص 242

6۔ یہود الدونمہ' ڈاکٹر احمد نعیمی ص: 16   7۔ یہود الدونمہ: ص 21

لیے ایک بادشاہ مقرر کردیا کیونکہ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ فلسطین میں بیٹھ کر پوری دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ اس سلسلے میں اس کا کہنا تھا ''میں بشریت کے حاکم سلیمان بن داؤد کی نسل سے ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ القدس میرا قصر شاہی ٹھہرے گا''۔(1)

شبتائی نے اپنے اس خطبہ سے سلطان محمد رابع کے نام کو نکال دیا جو خطبہ وہ یہودیوں کے کنیسا میں دیا کرتا تھا' سلطان کے نام کی جگہ اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا اور اپنے آپ کو سلطان السلاطین اور سلیمان بن داؤد کے نام سے موسوم کرنے لگا جس کی وجہ سے عثمانی حکومت کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔(2)

شبتائی یہودیوں کے حاخامی فرقہ کے بہت سارے لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا۔ انہوں نے اس کے خلاف سلطان سے شکایت کی' انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ شبتائی فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کے لیے بغاوتی تحریک کے قیام کی نیت رکھتا ہے۔(3)

شبتائی فتنہ کی شدت کے نتیجے میں وزیر احمد کو برولو جو ایک طاقتور انسان تھے نے اس کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے اور اسے قید کر دیا گیا' دو ماہ تک وہ جیل میں رہا' پھر اسے جزیرہ غالیبولی کے قلعہ دردنیال میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کی بیوی اور اس کے کاتب خاص کو اجازت دے دی گئی کہ وہ بھی اس کے ساتھ سکونت اختیار کر لیں' اسے اس قلعہ میں امیروں جیسی مجلس میسر آئی' اس کی ملاقات کے لیے پہلے سے اجازت لینا لازم تھی' اس لیے زیارت کو آنے والے کئی کئی دنوں تک انتظار میں بیٹھے رہتے۔ اس کی بیوی زائرین مرد و خواتین کے ساتھ بڑی نخوت و غرور سے ملکہ کی طرح سلوک کرتی تھی اور اس کی زیارت کے لیے پوری دنیا سے یہودی جوق در جوق آتے تھے۔(4)

شبتائی پر ایڈریانوپلی کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا' اس طرح کہ سلطان نے نائب صدر اعظم کی سربراہی میں ایک علمی اور انتظامی ادارہ تشکیل دیا جس کی دو شخصیات ممبر تھیں۔ ایک شیخ الاسلام یحیٰ آفندی منقری زادہ اور دوسرا بڑے علماء میں سے ایک جلیل القدر عالم، شاہی محفل کے امام محمد آفندی وانلی جبکہ مترجم کا کردار ترکی طبیب مصطفیٰ حیاتی نے ادا کیا جو ہسپانوی زبان کو اچھی طرح جانتے تھے۔(5)

سلطان نے قاضی کو یہ حکم دیا کہ اس مسئلہ کو دولت عثمانیہ کے حوالے سے لیا جائے گا اور اسے میرے گوش گزار کیا جائے گا۔ الغرض بادشاہ قریب کے کمرہ میں بیٹھ گیا جہاں وہ ترجمان کی آواز کو با آسانی سن سکتا تھا۔ '' ترجمان کی وساطت سے شبتائی سے کہا گیا: تیرا دعویٰ ہے کہ تو مسیح منتظر ہے اگر یہ سچ ہے تو ہمیں اپنا معجزہ دکھا' ہم تیرے کپڑے اتار کر تجھے ننگا کرتے ہیں' پھر ہمارے ماہر تیر انداز تجھ پر تیر اندازی کرتے ہیں اگر تجھے تیر نہ لگے تو سلطان تیرے دعویٰ کو قبول کرلے گا' شبتائی سمجھ گیا کہ کیا کہا گیا ہے' اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے' اس نے کہا لوگوں نے مجھ پر بہتان لگایا ہے(6) اس پر اسلام پیش کیا چنانچہ وہ محمد عزیز آفندی کے نام سے اسلام میں داخل ہوا اور عثمانی حکام سے مطالبہ کیا کہ اسے اجازت دی جائے کہ وہ یہودیوں کو اسلام کی دعوت دے چنانچہ اسے اجازت دے دی گئی اور اس نے فرصت پا کر یہودیوں کو

1۔ یہود الدونمہ: ص 27   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً ص 34   4۔ ایضاً ص 36   5۔ ایضاً ص 36   6۔ ایضاً ص 245

پھر سے اپنی طرف بلانا شروع کر دیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اتحاد قائم کریں' بظاہر اسلام قبول کریں اور بباطن اپنے عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے یہودی مملکت کے قیام کے لیے کوشاں رہیں"۔(1)

شبتائی اور اس کے ساتھی خفیہ طریقے سے اپنے دین موسوی کی اتباع کرتے رہے اور صہیونیت کے لیے بڑی رازداری سے کوشاں رہے لیکن بظاہر وہ اسلام کے ساتھ وابستہ رہے اور ترکوں کے سامنے صلاح وتقویٰ کی ایکٹنگ کرتے رہے۔ شبتائی اپنے پیروں کو کہا کرتا تھا: "اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہیں مجبوراً ایک عرصہ تک فرعون کے محلات میں رہنا پڑا تھا(2)۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا لیکن بالآخر" قودی چشمہ" نامی ایک کنیسا کے اندر سے اسے اس حال میں گرفتار کیا گیا' وہ عورتوں کے جھرمٹ میں شراب نوشی کر رہا تھا اور یہودی نغمے گائے جا رہے تھے' اس کے ساتھ کئی اور یہودی بھی تھے' اس کے علاوہ اس پر یہ الزام بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کو مذہب بیزاری کی دعوت دیتا ہے اور انہیں ایمان ویقین کی راہ ترک کرنے پر اکساتا ہے۔ الغرض شبتائی اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے سزا دینے کا ارادہ کیا گیا' اگر شیخ الاسلام مداخلت نہ کرتے تو اس کا سر قلم کر دیا جاتا لیکن شیخ الاسلام نے اس کے قتل پر یہ اعتراض کیا کہ اگر اس حیلہ ساز کو قتل کر دیا گیا تو یہ انسانیت میں ایک جھوٹ کا سبب بن جائے گا اور اس کے مرید دعویٰ کرنے لگیں گے کہ اسے آسمان پر اٹھالیا گیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ انہیں صلیب دیکر قتل کر دیا گیا(3)۔ چنانچہ اسے البانیا کے شہر دوبجنو کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ یہ واقعہ 1673ء کے موسم گرما کا ہے۔ جلاوطنی کے پانچ سال بعد وہ بدعقیدہ مکار یہودی اپنی طبعی موت مر گیا لیکن شبتائی کا عقیدہ سالونیک فرقوں میں بدستور موجود رہا اور اس کے پیروں نے طرح طرح کے مکروفریب کر کے نئے نئے عقائد اور نئی نئی رسوم گھڑ لیں اور اس مکار کی فکر نے ایک الگ مکتب فکر کو جنم دیا"۔(4)

شبتائی مکار نے ڈونمہ عقیدہ کو اٹھارہ دفعات میں ترتیب دیا۔ ان میں سے سولہویں اور سترھویں دفعات ڈونمہ عقیدہ کی اہم ترین دفعات شمار ہوتی ہیں۔ دفعہ نمبر 16 اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ" ضروری ہے کہ ترکوں کے طور طریقے اور عادات کو اچھی طرح اپنایا جائے تاکہ ان کی نظروں سے بچا جاسکے۔ ضروری ہے کہ میرے ماننے والوں میں سے کوئی شخص رمضان کے روزوں اور قربانی سے کسی تنگی کا اظہار نہ کرے' لوگوں کے سامنے ان تمام امور کا بجالانا ضروری ہے جس کا بجالانا واجب ہے۔" سترھویں دفعہ میں یہ بات مذکورہ ہے کہ" مسلمانوں کے ساتھ نکاح کرنا قطعی ناجائز ہے"۔(5)

شبتائی وہ پہلا یہودی شمار ہوتا ہے جس نے بنی اسرائیل کی فلسطین واپسی کی بشارت دی حالانکہ امر واقعی یہ ہے کہ اس کی یہ جھوٹی تحریک دینی تحریک سے کہیں زیادہ دولت عثمانیہ کے اقتدار کے خلاف سیاسی تحریک شمار ہوتی ہے۔(6)

اس گروہ نے عثمانی معاشرہ میں اسلامی قدروں کو پامال کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور الحاد' مغربی افکار ونظریات کو پھیلانے اور ماسونی خیالات کی اشاعت کے لیے عملی اقدامات کیے۔ اس گروہ نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ مسلمان عورتوں کو حجاب ترک کرنے پر آمادہ کریں تاکہ وہ مردوں کے ساتھ آزادانہ میل ملاپ رکھیں' بالخصوص سکولوں میں۔ جمعیت اتحاد وترقی

---

1۔ یہود الدونمہ: ص36 2۔ ایضاً ص41 3۔ ایضاً ص42 4۔ ایضاً ص43 5۔ ایضاً ص45 6۔ ایضاً ص46

کے کئی ارکان نے اس گروہ کی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ دیا اور ان کے مختلف تہواروں میں شریک ہوئے۔

ڈونمہ فرقہ کے یہودیوں نے سلطان عبدالحمید مخالف قوتوں کی خوب مدد کی اور وہ تحریک جو سالونیک میں سلطان کی برطرفی کے لیے شروع ہوئی اور جس کے شرکاء کو جوان افسروں کے افکار کا نام دیا گیا' یہودیوں نے ان کی پوری مدد کی اور یہ لوگ ایسی تحریکوں کی ہمیشہ مدد کرتے رہے حتیٰ کہ آج بھی وہ ایسے لوگوں کی پشت پناہی میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کے اپنے اخبار ہیں اور نشر و اشاعت میں ان کا بڑا اہم کردار ہے' انہوں نے دولت عثمانیہ کی معاشی حالت کو بد سے بدتر بنانے کی پوری سعی کی اور زندگی کے تمام پہلوؤں کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ (1)

یہ لوگ جمعیۃ الاتحاد والترقی کو اپنے کنٹرول میں لینے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان عبدالحمید ڈونمہ فرقہ کی حقیقت سے واقف تھے' اس حقیقت کو جنرل جواد رفعت اتلخان یوں بیان کرتے ہیں: ''پوری ترک تاریخ میں وہ واحد شخص جو صہیونیت اور شبتائیت کی حقیقت' ترکوں اور اسلام کے لیے ان کے نقصانات اور ان کے خطرات سے پوری طرح واقف تھا اور جس نے ایک طویل عرصہ تک ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کی سرتوڑ کوشش کی وہ ہے ترکی کا عظیم سلطان (یعنی سلطان عبدالحمید الثانی)۔ انہوں نے ان خطرناک تنظیموں کا تینتیس سال تک بڑی عقلمندی' عزم اور عبقریت اور حیرت افزاء حوصلے کے ساتھ مقابلہ کیا''۔ (2)

حقیقت یہ ہے کہ عبدالحمید نے ڈونمہ تحریک کو ولایت سالونیک تک محدود کرنے اور اسے آستانہ تک پہنچنے سے روکنے کے لیے ضروری اقدامات کیے تاکہ یہ تحریک پورے ملک میں نہ پھیل جائے اور ان کی کارروائیوں سے لوگوں کو بچایا جاسکے۔ عبدالحمید کی طرف سے اس تحریک کا راستہ روکنے کی کامیاب کوشش کی گئی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے ان کی مخالف حکمت عملی کو اختیار کیا اور عوام الناس اور فوج کو ان سے بدظن کرنے لگے۔ (3)

ڈونمہ تحریک کے بارے عبدالحمید کے اس موقف کے نتیجہ میں یہ لوگ انہیں برطرف کرنے کے لیے ماسونی مجالس سے تعاون کرنے لگے اور انہوں نے اس مقصد کے لیے'' حریت' جمہوریت' عبدالحمید ڈکٹیٹر کو برطرف کرو'' جیسے نعروں کو کام میں لاکر فوج کی صفوں میں افتراق و انتشار اور تمرد و بغاوت پھیلانے کے لیے کوشش کی۔ اس سے مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ فلسطین میں صہیونی حکومت کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔ ڈونمہ کے یہودیوں نے بین الاقوامی یہودی منصوبوں کو نافذ کرنے کے لیے پہلی اینٹ رکھی۔ (4)

## سلطان عبدالحمید اور تھیوڈور ہرزل کی ملاقات کا ماجرا

عالمی صہیونی یہودی تحریک کا لیڈر ''تھیوڈر ہرتزل'' یہودی مسئلہ میں یورپ کے عیسائی ممالک جرمنی' برطانیہ اور فرانس سے تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور ان ملکوں سے دولت عثمانیہ پر دباؤ ڈلوایا تاکہ سلطان عبدالحمید سے ملاقات کرے

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ' ڈاکٹر علی حسون: ص46 2۔ السلطان عبدالحمید والخلافۃ الاسلامیۃ: جندی: ص107

3۔ یہود الدونمہ: ص81 4۔ الحرکۃ الاسلامیۃ الحدیثۃ فی ترکیا' محمد مصطفیٰ: ص(69,68)

اور اس سے فلسطین کا مطالبہ کرے۔ دولت عثمانیہ متعدد مالی مشکلات کا سامنا کر رہی تھی' عثمانی قلم رو کے مختلف علاقوں میں اقتصادی حالت کچھ اچھی نہیں تھی' اسی وجہ سے یورپ کے قرض دہندہ ملکوں نے ایک یورپی مالی کمیشن عثمانی ترکی میں بھیجنا ضروری قرار دیا تا کہ یہ مشن اقتصادی صورت حال کا جائزہ لے کر اپنے قرضوں کی ضمانت حاصل کر سکے۔ اسی وجہ سے عبدالحمید نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی۔

یہودیوں کے بارے عبدالحمید کی پالیسی پر اثر انداز ہونے کے لیے ہرٹزل کے سامنے یہ واحد راستہ تھا' اس بارے ہرٹزل اپنی یادداشتوں میں کہتا ہے'' ہم پر لازم ہے کہ ہم بیس ملین ترکی لیرہ ترکی کی اقتصادی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے خرچ کریں' ان میں سے دو ملین فلسطین کی قیمت کے طور پر اور باقی عثمانی ترکی کو قرضوں کی ادائیگی سے آزاد کرانے کے لیے تا کہ یورپی مشن سے نجات حاصل کی جا سکے...... ہم اس کے علاوہ سلطان کو جو جدید قرضے مطلوب ہونگے وہ بھی پیش کریں گے''۔(1)

ہرٹزل نے جرمنی، آسٹریا، روس، اٹلی اور برطانیہ کے ذمہ دار عہدہ داروں کے ساتھ گہرے روابط قائم کیے۔ ان روابط کا مقصد سلطان عبدالحمید کے ساتھ مذاکرات کی راہ ہموار کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں اس کے ایک دوست لانڈو نے 21 فروری 1869ء کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ''برید الشرق'' اخبار کے مدیر اعلیٰ نیولنسکی کی خدمات حاصل کرے۔ ہرٹزل اسی سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے نیولنسکی سے کہتا ہے'' اگر فلسطین ہمیں مل جائے تو ہم ترکی کو مالا مال کر دیں گے۔ اگر نیولنسکی ہماری ملاقات عبدالحمید سے کروا دے اور وہ ہمارے مطالبات مان لیں تو ہم ترکی کو بے تحاشہ دولت پیش کریں گے اور اس کی اقتصادی صورت حال کو بہتر بنا دیں گے۔ ہم سلطان کی ملکیت ان اراضی کو ہنری قانونی کی ضمانت کے تحت خرید لیں گے باوجود اس کے کہ شاہی اقتدار اور خاص ملکیت کے درمیان کسی طرح کا بیان فرق موجود نہیں ہے''۔(2)

1896ء میں ہرٹزل نے قسطنطنیہ کا دورہ کیا' اس دورہ میں نیولنسکی نامی شخص بھی اس کے ساتھ تھا جس کے سلطان عبدالحمید کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ نتیجتاً نیولنسکی نے ہرٹزل کی آراء کو قصر یلدز تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ نیولنسکی اور سلطان عبدالحمید کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ سلطان نے نیولنسکی سے کہا: کیا اس بات کا امکان ہے کہ یہودی فلسطین کے علاوہ کسی اور علاقہ میں قیام پذیر ہو جائیں؟ نیولنسکی نے جواب دیا: فلسطین یہودیوں کے لیے پہلی گود کی حیثیت رکھتا ہے' اس وجہ سے یہودی صرف فلسطین کی طرف لوٹنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ سلطان نے اس کے جواب میں کہا: فلسطین صرف یہودی نسل کی ہی پہلی گود نہیں بلکہ یہ تمام ادیان کے لیے پہلی گود کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیولنسکی نے کہا: اگر فلسطین یہودیوں کو نہ دیا گیا تو ان کی پوری کوشش ہوگی کہ وہ ارجنٹائن چلے جائیں۔(3)

سلطان عبدالحمید نے اس کے دوست نیولنسکی کے ذریعے ہرٹزل کے نام اپنا خط ارسال کیا اور کہا:'' اپنے دوست ہرٹزل کو بتا دو کہ اب اس موضوع پر مزید بات نہیں ہوگی کیونکہ میں مقدس زمین کی ایک بالشت سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ

---

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 116 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً ص 117

میری ملکیت نہیں بلکہ میری قوم کی ملکیت ہے' اس سرزمین کی خاطر میرے آباؤ اجداد نے جنگیں لڑی ہیں اور اسے اپنے خون سے سینچا ہے۔ یہودی اپنے کروڑوں روپے اپنے پاس رکھیں جب میرا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا تو انہیں فلسطین بغیر کسی معاوضے کے مل جائے گا لیکن اس ملک کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہمارے جسم کو ریزہ ریزہ کیا جائے' ہاں جیتے جی میں اپنے جسم کو ریزہ ریزہ نہیں ہونے دونگا''۔(1)

اس سلسلہ میں عبدالحمید اپنی یادداشتوں میں کہتے ہیں :

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے اندر جو علاقے خالی پڑے ہیں ہم ان پر قبضہ کرلیں لیکن دوسری طرف اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم خاص نقل مکانی کی پالیسی کی پیروی کے طریقہ کو اپنائیں لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ یہودیوں کی نقل مکانی مناسب ہوگی کیونکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان علاقوں میں صرف وہی لوگ آباد ہوں جو ہمارے اسلاف کے دین پر کاربند ہیں اور ہمارے رسم ورواج پر قائم ہیں تاکہ یہ لوگ امور مملکت کو کنٹرول کرنے میں کسی طرح کی مشکل کا سبب نہ بنیں''۔(2)

نیولنسکی کی وساطت سے کی جانے والی ہرٹزل کی کوششیں ناکام ہونے کے بعد ہرٹزل جرمنی کے بادشاہ ولیم ثانی کے دربار کی طرف متوجہ ہوا اور بالخصوص اس وجہ سے کہ ولیم عبدالحمید کا دوست تھا اور اس کے ساتھ ساتھ یورپ میں عثمانیوں کا واحد حلیف بھی لیکن اس کی کوششیں بھی بارآور نہ ہوسکیں۔ ترکی کے معروف مؤرخ نظام الدین نظیف اپنی کتاب ''اعلان الحریہ والسلطان عبدالحمید'' میں لکھتے ہیں:

''جب یہودی وفد جس کی پشت پناہی اٹلی کا بادشاہ ولیم کررہا تھا کا یہ مطالبہ رد کردیا گیا کہ ان کے لیے الگ وطن منظور کیا جائے یعنی جب ہرٹزل اپنی کوششوں میں ناکام ہوگیا تو ''یلدز'' کے خلاف اس کی دشمنی شدت اختیار کرگئی اور عبدالحمید کو اسی بات کی توقع تھی کیونکہ یہودی ایک ایسی قوم ہے جو ہر کام کو بڑے منظم طریقے سے پوری سوچ بچار کے ساتھ سرانجام دیتی ہے ان کے پاس متعدد طاقتیں تھیں جو انہیں کوششوں کی کامیابی کی ضمانت دے رہی تھیں اور ان کے پاس مال و دولت کی کمی بھی نہ تھی' یہ لوگ عثمانی مملکت کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے۔ یورپ کی صحافت بھی ان کے قبضہ میں تھی' اس لیے وہ جب چاہتے رائے عامہ کا رخ موڑ سکتے تھے''۔(3)

یہی ترکی مؤرخ اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے انہوں نے عالمی صحافت کی تحریک شروع کی' پھر عبدالحمید کے دشمنوں کو متحد کرنا شروع کیا جو اسی مخلوط عثمانی معاشرہ سے پیدا ہوئے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جمہوریت کے حامیوں نے منظم اور ہجومی رنگ اختیار کرلیا' یہ جانتے ہوئے کہ وہ اب تک متفرق تھے اور بغیر کسی نظام اور پلیٹ فارم کے کام کررہے تھے' ان لوگوں کے لیے مخلوط عثمانی معاشرہ کے پیدا کردہ حمیدالدین کے دشمنوں کو یکجا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اٹلی کے اس عظیم ماسونی مستشرق نے لوگوں کو متحد اور منظم کرنے کے لیے اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا کیونکہ یہ عثمانی شہنشاہیت کے مرکز سے قریب ترین تھا۔ اٹلی مجالس بالخصوص ''ریزوٹا''

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 116 2۔ ایضاً: ص 120 3۔ السلطان عبدالحمید' حیاتہ واحداث عھدہ' محمد اورخان: ص 281

مجلس جو سالونیک میں تھی نے قابل ذکر کردار ادا کیا''۔(1)

اس ناکامی کے بعد ہرتزل نے فیصلہ کیا کہ عبدالحمید ثانی کو قائل کرنے کے لیے دوسرے وسائل استعمال میں لائے جائیں چنانچہ اس نے اپنے دوست نیولنسکی کی وساطت سے سلطان کی خدمت میں یہ پیشکش کی کہ وہ آرمینیہ کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہے(2)۔اس سلسلے میں ہرتزل کہتا ہے: ''سلطان نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اس کی خدمت بجالاؤں اور وہ یہ کہ میں یورپی میڈیا کو اس بات کی تائید پر آمادہ کروں کہ وہ آرمینیہ کے مسئلے پر گفت وشنید کے لیے راہ ہموار کریں اور یورپی ملکوں کو اس بات کی ضرورت کا احساس دلائیں کہ اس مسئلے کے سلسلہ میں ترکوں کے خلاف سخت زبان استعمال کرنے سے اجتناب کیا جائے۔میں نے نیولنسکی کو فوراً اس بات کی اطلاع دی کہ میں اس خدمت کو بجالانے کے لیے تیار ہوں لیکن میں نے اس بات پر زور دیا کہ میں آرمینیہ کی صورت حال کے بارے اپنے خیالات کا اظہار کھل کر کروں گا' لندن میں وہ کون لوگ ہیں جن کو راضی کرنا ضروری ہے اور وہ کون سے اخبارات ہیں جن کو اپنی طرف مائل کرنا ضروری ہے(3)وغیرہ''۔

اس بنیاد پر صہیونی ڈپلومیسی ارمنوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے سرگرم عمل ہوگئی کہ وہ علیحدگی کی تحریک سے الگ ہو جائیں'اس کے نتیجہ میں ہرتزل نے سالزبوری اور انگریز ذمہ داران سے رابطہ کیا کہ وہ ارمن قوم پر اپنا دباؤ بڑھائیں تاکہ وہ اس بات کو تسلیم کرلیں'اسی طرح دوسرے علاقوں کے یہودیوں نے بھی کوششیں کیں جیسے فرانس میں اس کردار کو ادا کرنے کی کوشش ہوئی لیکن ہرتزل کی کوششیں ناکام ہوگئیں کیونکہ برطانیہ نے سردمہری کا اظہار کیا کیونکہ اس سے سلطان عبدالحمید کی پالیسی کی تائید ہوئی تھی اور اس وجہ سے برطانوی رائے عامہ کے حکومت کے خلاف ہونے کا اندیشہ تھا۔(4)

ہرتزل نے عبدالحمید ثانی سے ملاقات کرنے کی کوشش کی' بالخصوص ولیم ثانی کے قسطنطنیہ کے دوسرے دورے کے موقع پر لیکن ''قصر یلدز'' کے ملازمین نے اس ملاقات سے اسے روک دیا۔ہرتزل مسلسل اس کوشش میں رہا کہ اس کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہوں اور دو سال بعد 1899-1901ء ''قصر یلدز'' کے بڑے ملازمین کی معیت میں عبدالحمید کے ساتھ براہ راست ملاقات کا اسے موقع مل گیا۔اس نے سلطان سے دو گھنٹے کی ملاقات کی'ہرتزل نے سلطان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ دولت عثمانیہ کی مدد سے یورپ میں ایک بہت زیادہ مالدار بینک قائم کرے گا بشرطیکہ سلطان فلسطین میں یہودیوں کو بسنے کی اجازت دے دیں'اس کے علاوہ اس نے اس بات پر زور دیا کہ وہ دولت عثمانیہ کے تمام قرض بھی ادا کردے گا اور یہ بات 1881ء سے لیکر اب تک کے قرضہ جات کے بارے میں تھی۔ہرتزل نے وعدہ کیا کہ وہ عبدالحمید کے ساتھ ہونے والی اس خفیہ میٹنگ کو کسی پر عیاں نہیں ہونے دے گا۔(5)

سلطان عبدالحمید اس ملاقات کے دوران خاموش رہا اور ہرتزل کو کھل کر بات کرنے کا موقع دیا۔عبدالحمید دراصل یہ

---

1۔السلطان عبدالحمید'حیاتہ واحداث عہدہ'محمد اورخان:ص282 2۔الیہود والدولۃ العثمانیہ:ص132

3۔السلطان عبدالحمید'حیاتہ واحداث عہدہ'محمد اورخان:ص137 4۔ایضاً'ص138 5۔الیہود والدولۃ العثمانیہ:ص141

چاہتے تھے کہ اس کے اندر جو کچھ بھی ہے' خیالات' تجاویز' منصوبے وہ باتوں باتوں میں کہہ ڈالے تاکہ اس کے مافی الضمیر سے آگاہی ہو جائے۔ سلطان کی اس خاموشی سے ہرٹزل کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ وہ اپنی مہم میں کامیاب ہو گیا ہے لیکن آخر میں اسے یہ معلوم ہوا کہ عبدالحمید کے ساتھ اس کی گفتگو ناکام رہی ہے اور وہ اس کے ساتھ ایک بند راہ پر چلتا رہا ہے۔(1)

سلطان عبدالحمید ثانی کے ساتھ ہرٹزل کی گفتگو اور اس کی کوششوں کی ناکامی کے بعد ہرٹزل نے کہا: ''اگر سلطان فلسطین یہودیوں کے حوالے نہیں کرے گا تو ہم مالی حالات کی تنظیم کو اپنے کندھوں پر اٹھا لے جائیں گے اور براعظم یورپ میں ایشیا کے خلاف ہم مضبوط قلعہ بنائیں گے اور عنقریب ہم پسماندگی کے خلاف ایک تہذیب کی بنیاد رکھیں گے اور ہم یورپ کے کونے کونے میں اپنے وجود کی ضمانت فراہم کرنے کے لیے باقی رہیں گے''۔(2)

درحقیقت عبدالحمید کی رائے تھی کہ یہودیوں کو فلسطین میں بسنے سے روکنا ضروری ہے تاکہ عربی عنصر کے طبعی تفوق کو قائم رکھا جا سکے۔ اس بارے عبدالحمید کہتے ہیں: ''لیکن ہمارے پاس یہودی کافی تعداد میں ہیں اگر ہم چاہتے ہیں کہ عربی عنصر کا تفوق باقی رہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مہاجرین کو فلسطین میں بسانے سے گریز کریں' اگر یہودیوں نے اس علاقے میں بودوباش اختیار کر لی تو بہت تھوڑے وقت میں تمام وسائل حیات پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور ہمارے مسلمان بھائی ان کے محتاج ہو کر رہ جائیں گے اور اس طرح ہم اپنے دینی بھائیوں کی حتمی موت کے ذمہ دار ٹھہریں گے''۔(3)

دولت عثمانیہ کی اکثر یہ کوشش رہی کہ عثمانی یہودی ہرٹزل کے افکار و نظریات سے دور رہیں اور صہیونی تحریک کے چنگل میں نہ پھنسنے پائیں۔ بارہا انہوں نے دھمکی آمیز زبان بھی استعمال کی' اس سلسلے میں علی فرح بیگ نے یہ بات غیر ملکی میڈیا پر واضح کر دی۔ انہوں نے پوری صراحت کے ساتھ کہا: ''یہ بات بالکل غلط ہے کہ صہیونیت عثمانی حکومت کے لیے مشکلات پیدا کرے گی اور اس طرح اپنے مقاصد حاصل کرے گی' ہاں یہ ضرور ہو گا کہ ان مشکلات کی وجہ سے دولت عثمانیہ میں انہیں جو حقوق اور امن و سکون حاصل ہے وہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا...... ارمن کی رعایا کے ساتھ عثمانیوں کے جو تعلقات ہیں اس حوالے سے یہ نقطہ بالکل واضح ہے کیونکہ تھوڑے بہت باغی جنہوں نے غلطی اور حماقت کا ارتکاب کیا ہے وہ میکاخلی رہنمائی پر اعتماد کرتے ہیں لیکن بالآخر یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہونگے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پائیں گے''۔(4)

اگرچہ سلطان عبدالحمید کے ساتھ ہرٹزل کے مذاکرات ناکام رہے لیکن پھر بھی اس نے لکھا: ''یہودیوں کی وساطت سے ارض فلسطین کی تدریجاً ملکیت حاصل کرنا ضروری ہے' اس سلسلے میں سختی برتنے کی ضرورت نہیں' ہم کوشش کریں گے کہ یہاں کے اصلی باشندوں کو قریب کے علاقوں سے لیکر یہاں پر بسائیں اور یہاں انہیں کام دینے کی ضمانت فراہم کریں لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ وہ ہمارے شہروں سے کچھ تعلق نہ رکھیں' اس زمین پر قبضہ کا کام ان خفیہ مزدوروں کے ذریعے مکمل ہو گا جو یہودی کمپنی کے ملازم ہونگے اور یہ کمپنی بعد میں ان لوگوں سے زمین خرید کر یہودیوں کی ملکیت میں دے دے گی' اس کے علاوہ یہودی کمپنی' زمین کی خرید و فروخت کے کام کو اپنی نگرانی میں لے لے گی اور پھر یہ زمین صرف یہودیوں کو بیچی جائے

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص143 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً: ص146 4۔ ایضاً: ص141

گی''۔(1)

ہرٹزل نے لکھا: ''سلطان عبدالحمید ثانی کے ساتھ اپنی گفتگو کی روشنی میں میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ ترکی سے فائدہ حاصل کرنا ناممکن ہے' ہاں اس کی صرف یہ صورت ہے کہ ترکی کے سیاسی حالات بدل جائیں یا اسے ایسی جنگوں میں ڈالا جائے جن میں اسے شکست ہو یا اسے ملکی مشکلات میں ڈالا جائے یا پھر دونوں طریقے ایک ساتھ بروئے کار لائے جائیں''۔(2)

☆ عبدالحمید صہیونیت کے اہداف سے واقف تھا' اسی لیے وہ اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں: ''صہیونیت کا رئیس ہرٹزل مجھے ہرگز قائل نہیں کرسکتا' وہ یہ کہتا ہے کہ یہودی مسئلہ اس وقت حل ہو جائے گا جب یہودی کھیتی باڑی کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیں گے وہ اپنی رائے میں صحیح ہے' وہ اپنے یہودی بھائیوں کے لیے زمین کی ضمانت کی کوشش کر رہا ہے لیکن وہ یہ بات بھول گیا ہے کہ تمام مسائل کا حل فقط ذہانت نہیں ہے' صہیونیت صرف زراعت پر اکتفا نہیں کرے گی وہ فلسطین میں اپنی الگ حکومت تشکیل دینے کا ارادہ رکھتی ہے اور اپنے نمائندوں کو منتخب کرنا چاہتی ہے' میں ان کے منصوبوں کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن یہودی غلط سمجھ رہے ہیں کہ میں ان کی کوششوں کو تسلیم کرلوں گا اور جیسا کہ میں اپنی یہودی رعایا کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں' اسی طرح فلسطین میں ان کے مقاصد اور ان کی خواہشات کی میں مخالفت بھی کرتا ہوں''۔(3)

القدس شریف کے بارے عبدالحمید ثانی کہتے ہیں: ''ہم القدس شریف کو کیوں چھوڑ دیں' یہ سرزمین ہمیشہ ہماری ملکیت رہی ہے اور یہ ہمیشہ ہماری ملکیت رہے گی' یہ مقدس شہر ہمارے ہیں' ہماری اسلامی سرزمین پر ہیں اور ضروری ہے کہ القدس ہمیشہ ہمیشہ ہمارا رہے''۔(4)

سلطان عبدالحمید تھیوڈر ہرٹزل کی جو باتیں سن رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ درج ذیل امور سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

1. یہودی منصوبوں کی حقیقت کیا ہے؟
2. یہودیوں کی عالمی قوت اور اس قوت کی حدود کس حد تک وسیع ہیں؟
3. یہودی خطرات سے دولت عثمانیہ کو بچانا کیسے بچایا جاسکتا ہے؟

سلطان عبدالحمید نے داخلی اور خارجی اطلاعات حاصل کرنے کے لیے اداروں کی تیاری شروع کردی تاکہ یہودیوں کا پیچھا کیا جاسکے اور ان کے متعلق رپورٹیں لکھی جاسکیں' اس سلسلہ میں دو سالانہ رپورٹیں شائع ہوئیں۔ پہلی رپورٹ 28 جون 1890ء کو اور دوسری 7 جولائی 1890ء کو لکھی گئی' پہلی رپورٹ میں ''شاہسانیہ ممالک میں مقیم یہودیوں کو قبول کرنے سے انکار کیا گیا'' جبکہ دوسری رپورٹ میں مجلس وزراء پر لازم کردیا گیا کہ وہ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرے اور اس کے بارے کوئی حتمی اور ٹھوس فیصلہ کرے۔(5)

سلطان عبدالحمید نے فلسطین میں یہودیوں کے ہاتھوں زمین بیچنے کی ممانعت کے لیے وہ تمام ضروری اقدامات کیے جن

---

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص148 　2۔ ایضاً ص147 　3۔ ایضاً ص148

4۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص57 　5۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص88

کی ضرورت تھی اور پوری کوشش کی کہ کوئی ایسا اقدام نہ ہونے پائے کہ جس سے ارض فلسطین میں یہودیوں کو غلبہ حاصل ہو جائے' ایسے حالات میں عبدالحمید کی برطرفی کے لیے صہیونیت کی منظم کوششوں کا ہونا ایک طبعی امر تھا' سو اس سلسلہ میں ہرٹزل لکھتا ہے: ''مجھے امید نہیں کہ فلسطین میں یہودیوں کی آرزوئیں پوری ہوں' جب تک سلطان عبدالحمید مسند نشین ہیں اور جب تک وہ حاکم رہیں گے' یہودی ارض مقدس میں داخل نہیں ہو سکتے''۔(1)

عالمی صہیونیت حرکت میں آ گئی اور انہوں نے سلطان عبدالحمید کے تمام دشمنوں کی کھل کر سپورٹ کی۔ ارض کے باغی بلقان کے قومیت پرست' حزب الاتحاد والترقی کی تحریک اور دوسری ان تمام تحریکوں کی انہوں نے کھل کر پشت پناہی کی جو دولت عثمانیہ سے علیحدگی کے نظریہ پر برپا تھیں۔(2)

## ☆ سلطان عبدالحمید اور جمعیت اتحاد و ترقی ☆

انیسویں صدی کے نصف ثانی میں عثمانی قوم کے پڑھے لکھے جوان اس فرانسیسی انقلاب کے افکار سے کافی حد تک متاثر ہو چکے تھے جن کے نتیجہ میں فرانس میں جمہوری حکومت قائم ہو چکی تھی اور قومیت' سیکولرزم اور شخصی حکومت سے آزادی جیسے افکار سامنے آئے تھے' اسی طرح یہ لوگ اٹلی کی اس قومی تحریک سے بھی متاثر ہو چکے تھے جس کی قیادت مازینی نے کی تھی۔ دولت عثمانیہ عسکری اور میڈیا وار کا سامنا کر رہی تھی' ان حملوں کا مقصد اسے کمزور اور بالآخر اس کو ریزہ ریزہ کرنا تھا' یورپی ممالک دولت عثمانیہ میں مقیم نصرانیوں کے حالات کو سلطنت کے امور میں مداخلت کے لیے بہانہ بنا رہے تھے۔ ان حالات میں اور عین 1865ء کے سال کے دوران عثمانی قوم کے پڑھے لکھے چھ جوان استنبول کے مضافات میں غابہ بلغراد نامی ایک باغ میں لوگوں کی نظروں سے دور ایک موضوع پر بات چیت میں مصروف تھے۔

یہ جوان جس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے وہ سیاست سے متعلق تھا جب یہ لوگ باغ کی چاردیواری سے باہر آئے تو ایک خفیہ جمعیت بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے' بالکل اٹلی کے جوانوں کی جمعیت کی طرز پر جس کی بنیاد اٹلی کے معروف سیاسی رہنما مازینی نے 1831ء میں رکھی تھی اور جس کا ہدف یہ تھا کہ جمہوریت کے جھنڈے کے نیچے اٹلی کے لوگوں کو یکجا کیا جائے۔ ترکی کے ان جوانوں نے اپنی اس جمعیت کا نام ''اتفاق الحمیت'' رکھا' ان جوانوں میں وہ نوجوان شاعر بھی موجود تھا جس کو بعد میں وسیع شہرت ملی یعنی نامق کمال' ان لوگوں نے سوچا کہ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ یہاں کے معاشرے کو ان کے سیاسی حقوق سے آگاہ کیا جائے اور انہیں ان حقوق کے حصول کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اس طرح نصرانی معاشرے جو دولت عثمانیہ سے الگ ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور غیر ملکی مداخلت کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں' انہیں کوئی بہانہ نہیں ملے گا کہ بیرونی امداد حاصل کریں اور ملک میں افراتفری پھیلے' ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ملک جن حالات سے دوچار ہے' ان سے اسے نکالنے کی واحد

---

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص158 2۔ السلطان عبدالحمید الثانی' محمد حرب: ص234

صورت یہ ہے کہ یہاں جمہوری نظام حکومت قائم کیا جائے۔

ان دنوں مصری امیر مصطفیٰ پاشا فرانس میں تھا اور فواد پاشا سے مصر کی حکومت حاصل کرنے کے لیے جھگڑ رہا تھا۔ فرانس میں مصطفیٰ پاشا نے اعلان کیا کہ وہ دولت عثمانیہ میں دستور کی آواز بلند کرنے کے لیے تحریک چلانے کی ضمانت دیتا ہے' اس نے اپنے آپ کو ''حزب ترکیا الفتاۃ'' کے نمائندہ کے نام سے پیش کیا۔ یہ نام یورپی معاشروں کو بہت پسند آیا اور پورے یورپ میں ''حزب ترکیا الفتاۃ'' کا نام مشہور ہو گیا۔

تین عثمانی انقلابی صحافی نامق کمال' محمد ضیاء اور علی سعاوی مصری امیر مصطفیٰ فاضل سے پیرس میں ملے اور انہوں نے ایک جمعیت بنائی جس کا نام ''جمعیۃ العثمانیین الجدد'' رکھا۔

اس جمعیت کی نمایاں شخصیات میں صحافی' شعراء اور ادباء کی ایک بڑی تعداد موجود تھی' نامق کمال اور علی سعاوی ان کی قیادت کر رہے تھے' ان شخصیات میں یورپ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالنے والی شخصیت نامق کمال کی تھی جو اسلامی ثقافت کے دلدادہ ہونے کے باوجود روسو جیسے انقلاب فرانس کے فلاسفہ سے بہت متاثر تھے' یہ بہت بڑے درجہ کے ادیب تھے' ان کی کتابیں چوتھائی صدی تک ان کے افکار کو پھیلاتی رہیں وہ بیک وقت شاعر' صحافی' رائٹر اور تاریخ نگار تھے' ان کی کتابیں تین سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرتی تھیں' وہ تین سوال یہ ہے۔

1. دولت عثمانیہ کے انحطاط کے اسباب کیا ہیں؟
2. وہ کون سی راہیں ہیں جن پر چل کر ہم انحطاط کے اس سلسلہ کو روک سکتے ہیں؟
3. اس راستے میں کون سی اصلاحات کرنا ضروری ہیں۔

ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے نامق کمال نے جو بنیادی نکات دیئے وہ درج ذیل ہیں۔

1. دولت عثمانیہ کے انحطاط کے اسباب اقتصادی اور سیاسی ہیں۔
2. تربیت وہ واحد عمل ہے جس کے ذریعے ہم اس انحطاط کو روک سکتے ہیں۔
3. بنیادی اصلاح جس کے لیے عملی اقدامات کی ضرورت ہے وہ ہے ملک کے مرکزی دستوری نظام کے قیام کی ابتداء۔

نامق کمال کا نظریہ تھا کہ عثمانی تنظیموں کی تحریک سلاطین کے اختیار کو باب عالی یعنی صدور عظام کے اختیارات کے ساتھ تبدیل کر دے گی لہٰذا یہ تنظیمیں جو نظام لائیں گی وہ قدیم عثمانی نظام حکومت سے بھی ناقص ہوگا۔ اس لیے یہ تنظیمات ملک میں اقتصادی ترقی نہیں لا سکتیں اور اس طرح یہ تنظیمیں عثمانیوں کے داخلی امور میں دخل اندازی کے لیے یورپی ملکوں کے سامنے دروازہ چوپٹ کھول دیں گی۔

نامق کمال نے طبعی حقوق کی فکر کی بات کی جو اس دور کی مغربی تہذیب کی فلسفی اساس قرار پائے تھے' انہوں نے مدحت پاشا کو عثمانی دستور کی تجویز پیش کی' وہ فرانسیسی دستور (نپولین ثالث کے 1852ء کے دستور) سے متاثر تھے۔ نامق کمال کا خیال تھا اس وقت دولت عثمانیہ کے حالات کے پیش نظر یہی دستور مناسب ہوگا' نامق کمال مدحت پاشا کا دوست تھا' اسی لیے

سلطان عبدالحمید کے اس فیصلے سے متاثر ہوا جو مدحت پاشا کی معزولی کے بارے کیا گیا۔ سلطان عبدالحمید اپنی یادداشتوں میں نامق کمال کے بارے کہتے ہیں "کمال بیگ ان بہت سے لوگوں میں سب سے زیادہ میری توجہ کا مرکز بنا جو اپنے آپ کو جدید عثمانی کہتے تھے' یہ نہایت ہی متحرک شخص تھا' اس کی عائلی زندگی اس کی ذاتی زندگی سے بالکل مختلف تھی اور اس کی قلمی زندگی اس کی فکری زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی۔

آپ کسی بھی انسان کے بارے یہ یقین کر سکتے ہیں کہ وہ کوئی بھی کام کر سکتا ہے یا وہ کوئی کام نہیں کر سکتا لیکن کمال بیگ کے بارے غور و فکر کرتے ہوئے ایسی کوئی بات کسی بھی صورت قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو خود اپنے آپ کو بھی نہیں جانتا' آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہایت ہی نادر و کمیاب لوگوں میں سے ہے جو دو رنگ کی زندگی جیتے ہیں' ان کی زندگی کا ایک رنگ حسب مزاج ان کی زندگی کے دوسرے رنگ سے مختلف ہوتا ہے جو لوگ نامق کمال کو قریب سے جانتے ہیں وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ جب وہ شاہی محل سے اتفاق رکھتا تھا تو اس نے "تاریخ عثمانی" نامی کتاب تصنیف کی لیکن جب تعلقات خراب ہوئے تو لوگ جانتے ہیں کہ اس نے اژدھے کا سر کاٹ دیا اور کہا "وہ کتا جو شکاری کی خدمت کے لیے امن پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے انصاف نہیں کرتا"۔

وہ ایک متلون المزاج آدمی تھا' کبھی ایک نہایت ہی مخلص شخص کے روپ میں اور کبھی آپ کی طرح سوچتا ہوا ایک عام انسان۔ ممکن نہیں کہ تو اس کے بارے کوئی حتمی رائے دے۔ اچانک اس کی سوچ بدل جاتی تھی' کس لمحے اور کس دن اس کی سوچ بدلتی ہے' آپ اس کی حد بندی نہیں کر سکتے ہیں"۔ (1)

سلطان عبدالحمید کو جب معلوم ہوا کہ جدید عثمانیوں کا گروہ مدحت پاشا کی قیادت میں مسلسل اس بات پر اپنا دباؤ بڑھا رہا ہے کہ سلطان ان کے افکار و نظریات کو قبول کر لے اور ان لوگوں نے ملک کو روس کے ساتھ جنگ کی آگ میں جھونک دیا ہے تو انہوں نے اس جماعت کے لوگوں کو بکھیرنے کے عملی اقدامات کیے' ان کے سرغنہ صدر اعظم مدحت پاشا کو فوراً جلاوطن کر دیا گیا' اس کے فوراً بعد سلطان کو تخت حکومت سے الگ کرنے کے لیے دو تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئیں' ان میں سے ایک علی سعاوی کی قیادت میں جو اس جمعیت کا رکن تھا اور دوسری ماسونی تحریک جس کی بنیاد جمعیت کلانٹی سکالیری عزیز نے رکھی تھی۔

ان دونوں تحریکوں کو انگریز کی پشت پناہی حاصل تھی' یہ دونوں تحریکیں اگرچہ ناکام ہو گئیں لیکن انہوں نے سلطان کو بیرونی سوچ اور اس سے متاثر ہونے والے لوگوں کے بارے زیادہ متشدد بنا دیا۔ اسی دوران ایک اور خفیہ جماعت قائم ہوئی' اس میں استنبول حربی سکول کے جدید فکر طلبہ شامل تھے اور اس کا مقصد سلطان عبدالحمید کی حکومت کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس جمعیت (کلانٹی' عزیز بیگ) کے ایک رکن علی شفقتی بیگ نابولی جنیوہ کی طرف فرار ہو گئے جہاں اس نے 1879-1881ء کے عرصہ میں "استقبال" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں عثمانی حکومت پر تنقید کی جاتی تھی۔

1889ء میں استنبول کے آرمی میڈیکل سکول کے طلبہ پر مشتمل ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی کیونکہ اس کالج کے بعض اساتذہ

---

1۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص 47

کسی نہ کسی صورت طلبہ کو حکومت کے خلاف اکساتے رہتے تھے اس طرح طلبہ میں جدید عثمانیہ طلبہ کے افکار پھیل چکے تھے۔ اس تنظیم کی بنیاد رکھنے والے ابراہیم تیمو رومانی تھے جو اٹلی ماسونی مجالس سے بے حد متاثر تھے اس تنظیم کا نام رکھا گیا ''الاتحاد العثمانی'' اس تنظیم کے قیام کا اعلان جس دن ہوا وہ فرانس کے انقلاب کی سوسالہ تقریب کا دن تھا۔ اس تحریک کا مقصد بھی سلطان عبدالحمید کو برطرف کرنا اور مغربی ملکوں کی طرز پر ملک کو نئے دستوری خطوط پر چلانا تھا جیسے کہ انگلستان فرانس جرمنی اوران ممالک کی طرح جو دستور حریت اور جمہوریت کے دعویدار تھے۔(1)

ملٹری میڈیکل کالج سے ''جمعیت الاتحاد العثمانی'' کے افکار دوسرے کالجوں تک بھی پہنچ گئے۔ جمعیت الاتحاد کے یہ جتھے خفیہ طریقے سے جمعیت کاروناری آف اٹلی کے نظام پر کاربند تھے۔

یہ جمعیت جلدی میں نہیں تھی نہ اپنے افکار کی اشاعت کے سلسلہ میں اور نہ ہی سلطان کے خلاف تحریک چلانے کے سلسلہ میں یہاں تک کہ احمد رضا بیگ بورصہ کے علاقہ میں جاری ادارۃ المعارف کی ادارت کے منصب پر فائز ہوا اور اس نے 1889ء میں پیرس کا سفر کیا وہاں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ وہ واپس نہیں جائے گا۔ تقریباً چھ سال کا عرصہ وہ فرانس میں مقیم رہا اس دوران اس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی جو قابل ذکر ہوحتیٰ کہ اس نے 1890ء میں اپنا ''مشورات'' نامی ایک رسالہ جاری کیا۔

جمعیت الاتحاد کے موسس ابراہیم تیموذکر کرتے ہیں کہ وہ اپنے اوقات باہر گزارا کرتا تھا حتیٰ کہ 1895ء میں اس نے نئے ممبران کو منظم کرنے کی کوشش کی تاکہ انہیں انقلاب کی تربیت دی جائے اس نے اس مقصد کے لیے خفیہ اجتماع کیے جدید عثمانی جمعیت کے ممبروں کی لکھی ہوئی ادبی کتابوں کا مطالعہ کیا جیسے نامق کمال ضیاء پاشا۔ اور شفقتی بیگ کی تحریروں کا بھی مطالعہ کیا جو کلانٹی موسونی تحریک کا ممبر تھا اور بھاگ کر یورپ میں قیام پذیر ہو چکا تھا۔(2)

جمعیت الاتحاد کے ممبران جو ملک کے اندر رہتے تھے اور جو ملک سے باہر یورپ میں قیام پذیر تھے کے درمیان خفیہ مراسلات کے نتیجہ میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ فوجی اور شہری ملکر سلطان عبدالحمید کے خلاف اقدام کریں۔ جمعیت کے ان دونوں دھڑوں یعنی شہری اور ملٹری کو ''جمعیت الاتحاد والترقی'' کا نام دیکر ایک منظم طریقے سے اقدام کرنے کا فیصلہ ہوا۔ عسکری حلقوں میں اس جمعیت کا نام ''جمعیت الاتحاد العثمانی'' تھا اور احمد رضا بیگ شہری ونگ کا نمائندہ تھا جو مشہور فلسفی ''اوگسٹ کانٹ'' کے افکار سے متاثر تھا اس فلسفی کا دستور ''الانتظام والترقی'' تھا۔ احمد رضا نے لفظ ''ترقی'' کانٹ کے دستور سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے لیا اور فوجی ونگ نے اتحاد کے نام کو باقی رکھا یوں دونوں ونگ اپنی تنظیم کو ''الاتحاد والترقی'' کا نام دینے پر متفق ہو گئے۔(3)

''الاتحاد والترقی'' کے جتھے نے فوج کی مختلف یونٹوں اور ملک کے سول ملازمین میں ایک شور برپا کر دیا پیرس میں دونوں ونگوں شہری اور عسکری کے اتفاق کے بعد سلطان عبدالحمید کے خلاف مل کر کارروائی کرنے کے بارے طریقہ کار کے بارے

---

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص279 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً ص280,281

سوچ و بچار شروع ہوگئی۔ 24 جولائی 1908ء کو جمعیت نے سلطان کو مجبور کر دیا کہ وہ اس دستور کا اعلان کریں جس کو رد کئے کا حکم وہ بہت پہلے 1877ء میں دے چکے تھے۔(1)

جمعیت الاتحاد والترقی کی سوچ داخلی اور خارجی دونوں پلیٹ فارمز پر تورانی مفاہیم پر زور دیتی تھی۔ طورانیت کا لفظ ترکوں کے وطن اصلی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور انہیں توران کے پہاڑ کی طرف منسوب کرتا ہے جو ایران کے شمال مشرق میں واقع ہے۔(2,3)

اتحاد و ترقی کی تحریک کے اندر کافی حد تک یہ سوچ پائی جاتی تھی کہ ترک روئے زمین کی قوموں میں سب سے پہلی قوم ہیں' تمام قوموں کی نسبت یہ لوگ زیادہ عزت و احترام کے لائق اور تہذیب و تمدن میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ ترک اور منگولی ایک ہی قوم ہیں لہٰذا انہیں اپنی اصلیت کی طرف لوٹنا چاہیے اور ایک قوم کی حیثیت اختیار کرنی چاہیے' اسے وہ لوگ تورانی اتحاد کا نام دیا کرتے تھے' یہ لوگ صرف ان ترکوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے جو سیبیریا' ترکستان' چین' فارس' قوقاز' اناضول اور روس کے علاقوں میں مقیم تھے بلکہ بہت سارے دوسرے علاقوں کے بسنے والوں کو بھی اپنی قوم میں شریک کرتے تھے' ان لوگوں کا نعرہ عدم توہین تھا' یعنی یہ سیکولر ذہن کے مالک تھے اور اسلامی اتحاد کے حق میں نہیں تھے وہ صرف تورانی قومیت کی حد تک مسلمانوں کے اتحاد کے قائل تھے' ان کے نزدیک یہ اتحاد مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا' انتہا نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ ترکوں کے آباؤ اجداد کے سابقہ دین یعنی بت پرستی کی طرف لوٹ جائیں' ان کے نزدیک ترکوں کو اپنے قدیم شعار کی پابندی کرنی چاہیے' ان کی ڈاک ٹکٹوں پر ترکوں کے قدیم بت بوز قوت یا سفید بھیڑے یا سیاہ بھیڑے کی تصویریں تھیں۔ انہوں نے ان کی تعریف میں نغمے بھی نظم کیے اور آرمی پر لازم کر دیا کہ وہ جب سورج غروب ہو تو ان نغموں کو گایا کریں' گویا یہ لوگ نماز کی جگہ بھیڑے کو خراج عقیدت پیش کرتے تھے تاکہ اسلامی شعور کی جگہ قومی شعور بیدار ہو۔

اتلا' طغرک' چنگیز خان اور تیمور لنگ جیسے لوگوں کو وہ تاریخ میں اپنے ہیرو کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ تورانیت کے اس نظریہ سے وہ اس قدر پیار کرتے تھے کہ وہ اس کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہتے: ''ہم ترک ہیں اور ہمارا کعبہ توران ہے'' یہ لوگ چنگیز خان کے گانے گاتے تھے' مغلوں کی فتوحات کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی جنگی کارروائیوں میں سے کسی کارروائی کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔ چنگیز کے واقعات حرب کو بڑا سراہتے تھے اور ان کو نظم کے انداز میں پیش کر کے خوش ہوتے تھے اور اپنے اس ترک سردار پر فخر کرتے تھے۔ اس طرح کے نظریات کئی شعراء اور ادیبوں کے ذہنوں میں پائے جاتے تھے جیسے فیا کوک الپ' یوسف اقتھور' جلال ساہر' یحییٰ کمال' حمد اللہ صبحی' محمد امین بیگ شاعر اور کئی دوسرے ادیب اور مفکرین اور بہت سارے طلبہ اور نسل نو کے نمائندہ اور ادیب۔

تورانیت پر یہودیوں کے اثرات بالکل نمایاں تھے' اس سلسلہ میں نیازی برکس' اپنی کتاب ''المعاصرۃ فی ترکیا'' میں لکھتا

---

1۔الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص163  2۔العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص119  3۔علامہ اقبال نے اس کے رد میں کہا تھا:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا  نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی  (مترجم)

ہے: انیسویں اور بیسویں صدی کے عرصہ میں یورپ کے یہودیوں اور دولت عثمانیہ کے اندر رہنے والے یہودیوں کا تورانی قومیت کے رجحان کو عام کرنے میں بہت بڑا کردار ہے۔ مغرب کے یہودی علماء مثلاً لومالی دافید' لیون کاہون' ارمینیوس فامیری جیسے لوگوں نے تورانی قومیت کی فکر کے اصولوں کے بارے میں کتابیں شائع کیں۔ اسی طرح مقامی یہودیوں نے جو دولت عثمانیہ میں قیام پذیر تھے جیسے کراسو' موئیز کوہین' ابراہام غالانتی نے بھی اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ جمعیت الاتحاد و الترقی میں یہودیوں کو بھی رکنیت کا حق حاصل تھا بلکہ اتحاد و ترقی میں یہودی شاخ موجود تھی۔ محض اس لیے کہ جمعیت الاتحاد و الترقی عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹ دے اور خود تمام اختیارات حاصل کرلے' صہیونیت نے اس کے ساتھ اتحاد کیا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ جمعیت الاتحاد والترقی جب برسر اقتدار آئے گی تو یہ بلا تامل یہودیوں کے لیے فلسطین کو ان کا قومی وطن قرار دینے پر رضامند ہو جائیں گے۔(1)

نیازی برکس اپنی مذکورہ بالا کتاب میں ایک یہودی کا ذکر کرتا ہے جس کا نام موئیز کوهین ہے' یہ شخص رینیہ بیلو کے بارے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

1. کوہین ہی دولت عثمانیہ میں تورانی قومیت کی فکر کی بنیاد رکھنے والا ہے۔
2. کوہین کی کتاب تورانی سیاست بائبل کا درجہ رکھتی ہے۔(2)

موئیز کوہین نامی یہودی یورپی اخبارات میں اتحاد والترقی کی تحریک کو متعارف کرانے میں بہت زیادہ سرگرم رہا' یہ شخص عبرانی اور ترکی کے علاوہ دنیا کی کئی دوسری زبانیں بھی جانتا تھا' اس نے ابتداء ایک مقالہ سے کی جو فرانسیسی زبان میں ''ترک اپنی قومی روح کی تلاش میں ہیں'' کے عنوان سے لکھا گیا تھا۔

موئیز کوہین نے تورانی عنصر کی پالیسی کو مرتب کرنے میں حصہ لیا جس پر جمعیت الاتحاد وترقی گامزن ہوئی' اس پالیسی نے دولت عثمانیہ میں بسنے والی قوموں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور ان کے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا کر دی۔

دولت عثمانیہ کو ریزہ ریزہ کرنے کی غرض سے یہ یہودی ترکی قومیت کی سوچ کو پھیلانے میں مسلسل کوششیں کرتا رہا اور اس بارے کسی اکتاہٹ کسی سستی کا مظاہرہ نہ کیا' اس نے تین کتابیں تحریر کیں جن پر جمعیت الاتحاد والترقی نے اعتماد کیا' یہ کتابیں تھیں: پہلی کتاب ''اس جنگ سے ترک کیا حاصل کر سکتے ہیں''۔ دوسری کتاب ''توران'' اور تیسری کتاب تھی ''ترکی بنانے کی پالیسی'' اسی طرح اس یہودی رائٹر نے کمالی سوچ کو پروان چڑھانے کے لیے بھی کتابیں تحریر کیں جیسے ''کمالیہ' روح ترکی''، جس میں ترکی قوم کی ترقی اور عروج کی تاریخ بیان کی۔(3)

جمعیت الاتحاد والترقی نے ترکوں میں قومی احساسات کو ابھارنے کی کوشش کی' انہیں طورانیت کا خواب دکھایا اور ان کے ذہن میں اسلام کی جگہ جدید نظریات وطن' دستور اور آزادی پیدا کر دیے۔ یہ الفاظ عثمانیوں کے لیے بالکل نئے تھے' بہت سے پڑھے لکھے ترک جوان اس جمعیت کے رکن بن گئے' ان کے علاوہ ڈونمہ تحریک کے یہودی بھی شامل ہوئے جن کا مقصد

---

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص119 2۔ ایضاً ص122 3۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص168

عبدالحمید ثانی کی حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔(1)

## سلطان عبدالحمید الثانی کی حکومت کا تختہ الٹنا

سلطان عبدالحمید ثانی جمعیت الاتحاد والترقی جس کی پشت پناہی یہودی ماسونی مجالس اور مغربی ممالک کر رہے تھے، سے پوری طرح چوکنا تھے۔ سلطان کی خبر رساں ایجنسیوں نے انہیں اس تحریک سے آگاہ کر دیا تھا اور اس کے بارے مکمل معلومات بھی فراہم کر دی تھیں لیکن یہ تحریک اب کافی طاقت حاصل کر چکی تھی اور اس کے اراکین پر قابو پانے کا وقت نکل چکا تھا' ان کے حوصلے اس حد تک بڑھ چکے تھے کہ انہوں سلانیک' مناستر' اسکوب اور سوسن کے علاقوں میں لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دستور کی بحالی کے لیے آواز بلند کریں اور مطالبہ کریں کہ پارلیمنٹ کو دوبارہ کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ واقعہ جولائی 1908ء کا ہے' بہت سارے اسباب ہیں جن کی بناء پر جمعیت الاتحاد والترقی نے سلطان عبدالحمید ثانی کو اس وقت کرسی خلافت پر باقی رکھا جن میں چند درج ذیل ہیں۔

❶ 1908ء میں جمعیت الاتحاد والترقی کے پاس سلطان کو معزول کرنے کی پوری طاقت نہیں تھی۔

❷ عبدالحمید نے ان کے بارے نرمی کی پالیسی اختیار کی اور ان کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے دستور کی بحالی کا اعلان کر دیا۔

❸ عثمانی قوم سلطان عبدالحمید سے محبت کرتی تھی اور یہ بات بالکل واضح تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اتحاد و ترقی کی کمیٹی کے اندر یہ جرات نہیں تھی کہ وہ فوج میں سلطان عبدالحمید کے خلاف پراپیگنڈا کرتی کیونکہ فوج سلطان کا بے حد احترام کرتی تھی۔(2)

عالم صہیونیت نے صرف دستوری تبدیلی (جو 1908ء میں ہوئی) پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے جمعیت الاتحاد والترقی کے ساتھ تعاون کر کے فلسطین کے بارے اپنے اہداف کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ بالآخر سلطان عبدالحمید سے نجات حاصل کی جائے' اسی لیے ملک میں افراتفری پھیلانے کے لیے منصوبہ بندی کی گئی جس کے نتیجہ میں استنبول میں 31 اپریل 1909ء کے واقعات رونما ہوئے اور نتیجۃً ہر طرف ہلچل مچ گئی اور جمعیت الاتحاد والترقی کے کچھ لوگ مارے گئے۔ تاریخ میں اس واقعہ کو 31 مارچ کے واقعات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہودی یورپی منصوبہ بندی کے ذریعے دارالحکومت میں بڑی بے چینی پیدا کر دی گئی' ان واقعات کے فوراً بعد سلانیک اور استنبول کے اندر اتحاد و ترقی کا لشکر حرکت میں آ گیا اور انہوں نے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید ثانی کو اپنے تمام شہری اور دینی اختیارات سے معزول کر دیا پھر جمعیت الاتحاد والترقی نے ان پر درج ذیل الزامات عائد کیے۔

❶ 31 مارچ کے واقعہ کی منصوبہ بندی کی۔

---

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص168      2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص50

❷ قرآن کریم کے نسخوں کو جلایا۔ ❸ فضول خرچی کا ارتکاب کیا۔ ❹ ظلم کیا اور خونریزی کی۔(1)

جمعیت الاتحاد والترقی اگرچہ اسلام اور فکر اسلامی سے بالکل متضاد مغربی افکار کو اپنا چکی تھی لیکن لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے دین کا نعرہ لگایا اور سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف اپنی جنگ میں لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے قرآن و حدیث کی باتیں کی اور وہ اس سلسلے میں پوری طرح کامیاب رہے۔

جمعیت اپنے بیانات میں عثمانیوں سے کہتی: ''اے عثمانیو! ہمارا مقصود مملکت اور خلافت کی سلامتی ہے' کوئی شخص اس حقیقت سے ناواقف نہ رہے''۔ ''اللہ تعالیٰ کی مدد اور مسلمان بھائیوں کی ہمت و کوشش سے''۔ ''اے مسلمانو! ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم نے ایک جابر سلطان' بے ایمان شخص سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے کردار ادا کیا جس نے قرآن کریم کو اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا ہے اور اسی طرح ضمیر اور ایمان کی آواز کو کچل ڈالا ہے''۔ ''اے امت محمدیہ! جاگو' بہادری' شجاعت اے مسلمانو! بہادری ہماری طرف سے اور مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ''نصر من اللّٰہ وفتح قریب''۔ ''اے توحید پرست مسلمانو! پڑھ اپنے رب کے نام سے'' ''اے مسلمان جو توحید باری تعالیٰ پر کامل یقین رکھتا ہے' اٹھ اور اپنے دین کو اور اپنے ایمان کو ظالموں کے ہاتھ سے رہائی دے' اپنے آپ کو رہائی دے! شیطان ایک ظالم شخص کے روپ میں سر پر تاج خلافت سجائے بیٹھا ہے' اس کے ہاتھ میں تیرا دین و ایمان ہے' اپنے دین کو اس کے ہاتھوں سے نجات دے' اپنے ایمان کو بچا' اے مسلمان جو توحید پر یقین رکھتا ہے''۔ ''اے مسلمانو! سلطان عبدالحمید از روئے شریعت سلطان نہیں اور نہ ہی وہ خلیفہ ہے جو شخص ہماری اس بات کی تصدیق نہیں کرتا وہ کتاب وسنت کو دیکھ لے' ہماری جمعیت نے قرآنی آیات' احادیث نبویہ' اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول ﷺ کے ارشادات کو حکومت اور اس ملک میں بسنے والے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے''۔

لیکن سلطان عبدالحمید نے اللہ اور اس کے احکام سے منہ پھیر کر نفرت کر اظہار کیا' لوگوں پر مظالم ڈھائے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے سے بھی اسے شرم نہیں آئی' اس لیے ہماری قوم کو اس کے خلاف مسلح بغاوت کرنی چاہیے اگر ہماری قوم ایسا نہیں کرے گی تو عبدالحمید کے مظالم کا گناہ بھی اس کے ذمہ ہوگا۔(2)

جمعیت الاتحاد والترقی کے نظریات میں بنیادی نظریہ ماسونیت تھا' یہ لوگ کسی دین کو نہیں مانتے تھے' فلسفہ وضعیہ (عقلیت جو دین کی نفی کرتا ہے) اور سیکولرازم کے پیرو تھے (یعنی دین سے سیاست کو جدا کرنا) لیکن ان نظریات کے باوجود اتحادی انقلابیوں نے سلطان عبدالحمید کے خلاف محاذ آرائی کے لیے دین کو آلہ کار کے طور پر استعمال کیا اور دین کے حوالے سے سلطان پر الزامات عائد کیے۔(3)

وہ تمام الزامات جو سلطان عبدالحمید پر لگائے گئے علمی تحقیق کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ تمام دلائل ان کو تمام

---

1۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص282,283 2۔ایضاً: ص283 3۔العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص50

الزامات سے بری ثابت کرتے ہیں۔ دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ 31 مارچ کے واقعات میں سلطان کا ہاتھ نہیں تھا اور نہ ہی سلطان کو ان حادثات کی پیشگی کوئی اطلاع تھی' اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ سلطان عبدالحمید جیسا شخص قرآن کریم کے نسخوں کو آگ لگائے' سلطان کا تقویٰ و پرہیز گاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی اور نہ ہی نماز کا ترک اور عبادت میں سستی کے حوالے سے لوگوں میں وہ معروف تھے' اسی طرح وہ فضول خرچی نہ کرنے کے معاملے میں شہرت رکھتے تھے' ان کے پاس مال و دولت کی ہمیشہ بہتات رہتی تھی' اسی وجہ سے انہوں نے اپنی ذاتی دولت سے ملک کے کندھوں سے بہت سا بوجھ اتارا' رہی خون ریزی اور ظلم تو سلطان عبدالحمید نے کبھی بھی ایسی پالیسی اختیار نہیں کی' اس حوالے سے ان کی شہرت اچھی تھی اور وہ ظالم مشہور نہیں تھے۔ (1)

اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ انقلابیوں نے مفتی اسلام محمد ضیاء الدین کو مجبور کیا کہ وہ سلطان عبدالحمید کو برطرف کرنے کا فتویٰ صادر کریں اور اس بات کا اعتراف انقلابیوں کو کرنا پڑے گا کہ مفتی اسلام سلطان کو معزول کرنے کے حق میں نہیں تھے' بہرحال منگل کے روز 27 اپریل 1909ء کو مجلس الاعیان (دارالامراء) کے 240 ممبر ایک مشترکہ میٹنگ میں شریک ہوئے اور بالاتفاق سلطان عبدالحمید کو حکومت سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ فتویٰ کا مسودہ شیخ نائب حمدی آفندی حالی نے لکھا لیکن امین الفتویٰ نوری آفندی جسے اس میٹنگ میں بلایا گیا تھا' نے فتویٰ کا مسودہ لکھنے سے انکار کر دیا اور اس نے دھمکی دی کہ اگر اس فتویٰ میں ترمیم نہ کی گئی تو وہ اپنے منصب سے سبکدوش ہو جائے گا' اس ترمیم کے بارے بہت سے ممبروں نے بھی اس کی تائید کی چنانچہ اس فیصلے کی آخری شق میں تبدیلی کر دی گئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ مجلس نمائندگان ہی سلطان عبدالحمید کی تنزلی یا علیحدگی کی درخواست کا فیصلہ کرے گی۔

**فتویٰ کی عبارت ملاحظہ کیجیے:**

''اس فیصلے پر شیخ الاسلام محمد ضیاء الدین آفندی کے دستخط ہوئے اور مجلس نمائندگان نے بالاجماع اس سے اتفاق کیا ہے جب کہ مسلمانوں کا امام زید دینی کتابوں سے اہم شرعی مسائل کو نکالنے اور انہیں نظر انداز کرنے کو اپنا معمول بنالے' قرآن و سنت کے استہزاء کے ساتھ ساتھ وہ فضول خرچی کا بھی مرتکب ہو۔ بیت المال میں اسراف کرے' شرعی قوانین کی مخالفت، قتل و غارت' حبس بے جا' کسی شرعی سبب کے بغیر رعایا کی ملک بدری اور دوسرے مظالم کے ساتھ اتفاق کرے' پھر اپنی گمراہی سے رجوع پر قسم کھائے لیکن پھر قسم توڑ کر دوبارہ ایسے امور کا التزام کرے' فتنہ و فساد کی آگ روشن کرے تاکہ تمام مسلمانوں کو اس آگ میں جھونک دے اور پورے عالم اسلام سے زید کے بارے مسلسل یہ مطالبہ کیا جائے کہ اسے حکومت سے الگ کر دیا جائے اور یہ بات بھی مشاہدہ میں ہو کہ اگر اس شخص کو اس منصب پر برقرار رکھا گیا تو اس سے بہت زیادہ نقصان ہوگا اور اس کی معزولی میں ملک کی صلاح و فلاح یقینی ہوگی تو کیا اہل حل وعقد اور ذمہ دار لوگوں پر یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ زید مذکور کو خلافت سے الگ کر دیں؟''

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص 410

جواب: ہاں واجب ہے(1)

یہ فتویٰ ملی کونسل کے مشترکہ اجتماع میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اتحادی ممبران پارلیمنٹ چیخ اٹھے' ہم انہیں تخت سے اتارنا چاہتے ہیں۔ گفت وشنید کے بعد سلطان عبدالحمید ثانی کو حکومت سے برطرف کرنے پر اتفاق ہوگیا۔(2)

جمعیت اتحادوترقی کے ایماء پر ایک کمیٹی بنائی گئی جس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ خلیفۃ المسلمین' دولت عثمانیہ کے سلطان عبدالحمید ثانی کو برطرف کرنے کے اس فیصلے سے انہیں آگاہ کرے۔ یہ کمیٹی درج ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

❶ ایمانویل قراصو: یہ ایک ہسپانوی یہودی تھا جو جوان ترکوں کی تحریک میں سب سے پہلے شامل ہونے والے لوگوں میں سے تھا' جمعیت اتحادوترقی نے اس کو ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرے گا اور انہیں سلطان عبدالحمید ثانی کی مخالفت پر ابھارنے کے ساتھ ساتھ سلانیک اور استنبول کے درمیان خبر رسانی کے سلسلہ کو یقینی بنائے گا۔ قراصو پیشے کے لحاظ سے وکیل تھا' جمعیت الاتحاد والترقی عثمانی پارلیمنٹ تک اسے پہنچانے میں کامیاب رہی۔ ایک دفعہ اس نے سلانیک کی نمائندگی کی اور دوسری مرتبہ استنبول کی۔ انگریزی مصادر میں اسے جمعیت الاتحاد والترقی کے قائدین میں شمار کیا گیا ہے' جنگ کے دوران اس نے گزراوقات کے لیے انسپکٹر کی نوکری کی اور اس منصب پر رہ کر بہت زیادہ دولت کمائی۔ یہی وہ شخص ہے جس نے اٹلی کے لیبیا پر قبضہ میں اہم کردار ادا کیا جس کے بدلے اٹلی نے اسے بے تحاشا دولت سے نوازا۔ دولت عثمانیہ میں رہتے ہوئے اس نے خیانت کی اور فرار ہوکر اٹلی چلا گیا اور اٹلی کی شہریت حاصل کرکے ہمیشہ کے لیے وہاں مقیم ہوگیا۔ یہ شخص تریسنا میں 1934ء میں فوت ہوا۔ دولت عثمانیہ میں قیام کے دوران یہ شخص مجلس مقدونیا یزولتا ماسونی کا سب سے بڑا استاد تھا۔

❷ کمیٹی کا دوسرا اہم رکن آرام نامی شخص تھا جو ارمنی تھا اور عثمانی پارلیمنٹ کا رکن تھا۔

❸ اسعد طوبطانی: یہ شخص البانوی النسل تھا اور مجلس نمائندگان میں منطقہ دراج کی طرف سے نائب تھا۔

❹ عارف حکمت: یہ شخص پارلیمنٹ کا ممبر اور بحری فوج سے تعلق رکھتا تھا' نسلاً عراق کے قبیلہ کرج سے تھا۔(3)

سلطان عبدالحمید اپنی یادداشتوں میں اس واقعہ کی تفصیلات کو یوں تحریر کرتے ہیں: ''جس چیز کا مجھے دکھ ہے وہ اختیارات سے علیحدگی نہیں ہے بلکہ وہ گستاخانہ سلوک ہے جو اسعد پاشا نے میرے ساتھ کیا' اس کی گفتگو ادب کی تمام حدود سے باہر تھی' میں نے ان سے کہا: میں شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں اور مجلس نمائندگان کے فیصلے کو بھی تسلیم کرتا ہوں' یہ اللہ عزیز و علیم کا فیصلہ ہے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ میرا ان واقعات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جو 31 مارچ کو رونما ہوئے پھر میں نے مزید کہا جو الزام تم مجھ پر لگاتے ہو یہ بہت بڑا الزام ہے' اس گفتگو کے بعد عبدالحمید نے قرصو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''خلافت کے معاملے میں اس یہودی کا کیا کام؟ تم کس مقصد کے لیے اس شخص کو میرے سامنے لائے ہو؟''(4)

یہودی اور ماسونی تحریک سے وابستہ لوگوں کے لیے یہ عید کا دن تھا' یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور سلانیک کے شہر میں بہت بڑا مظاہرہ کیا۔ ماسونیوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان مظاہروں کی تصویریں ڈاک ٹکٹوں پر شائع کیں تاکہ عثمانی ترکی

---

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص410 2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص51 3۔ الیھود والدولۃ العثمانیہ: ص219 4۔ ایضاً ص220

کے بازاروں میں انہیں بیچا جائے۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا' اتحادی ہمیشہ فخر کرتے رہے کہ وہ ماسونی ہیں' تحریک اتحاد و ترقی کے انقلاب کی کامیابی کے بعد رفیق مانیاسی زادہ نے پیرس سے نکلنے والے فرانسیسی اخبار ''تمبس'' کو جو بیانات دیئے اس میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ...... ''مالی اور اخلاقی امداد جو ہم نے اٹلی کی ماسونی جمعیت سے حاصل کی' اس نے ہمیں اتنی بڑی امداد اس لیے فراہم کی کہ ہمارا اس کیساتھ گہرا ربط و تعلق ہے''۔(1)

صہیونیت اور ماسونیت کے ساتھ جمعیت اتحاد و ترقی کے اس تعلق کی سلطان عبدالحمید نے بھی اپنے ایک خط میں نشاندہی کی جو انہوں نے شیخ ابوالشامات کی خدمت میں بھیجا جو سلسلہ شاذلیہ کے بزرگ اور سلطان کے مرشد تھے۔ یہ خط خلافت سے برطرفی کے بعد 1329ء کو لکھا گیا(2)۔ اس خط میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ:

''ان اتحادیوں نے مجھ سے پرزور مطالبہ کیا کہ میں ارض مقدس (فلسطین) میں یہودیوں کے لیے قومی وطن کی بنیاد کی منظوری دے دوں لیکن ان کے انتہائی اصرار کے باوجود میں نے قطعی طور پر اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر انہوں نے 150 ملین انگریزی سونے کے لیرے کی خطیر رقم دینے کی پیشکش کی لیکن میں نے قطعی طور پر اس پیشکش کو بھی قبول نہ کیا اور انہیں یہ اٹل جواب دیا کہ اگر تم لوگ دنیا کے برابر بھی سونا دو گے تو بھی میں یہ منظوری ہرگز نہیں دوں گا''۔

میں نے 30 سال سے زائد عرصہ تک ملت اسلامیہ اور امت محمدیہ کی خدمت کی ہے' میں مسلمانوں کی تاریخ کو ہرگز سیاہ نہیں بناؤں گا۔ میرے اس جواب کے بعد یہ لوگ مجھے برطرف کرنے پر متفق ہو گئے اور مجھے آ کر بتایا کہ وہ مجھے سلانیک کی طرف لے جائیں گے' میں نے اس آخری ذمہ داری کو قبول کر لیا' یہ ہے ساری بات۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں کہ میں نے اس کی توفیق سے عالم اسلام کو اس ابدی عار سے آلودہ نہیں کیا جس پر لوگ مجھے مجبور کر رہے تھے یعنی ارض مقدس فلسطین میں یہودی دولت کے قیام کی منظوری دے کر۔(3)

ترکی کے معروف جریدہ ''بویوک ضوغو'' کی 2 مئی 1947ء شمارہ 61 کی اشاعت کے ایک مقالہ میں مقالہ نگار ''محرم فوزی طوغای'' فلسطین اور یہودی مسئلہ کے عنوان سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''سلطان عبدالحمید نے فلسطین میں یہودی سلطنت کے قیام کے ہدف کو پورا نہ ہونے دیا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں حد سے بڑھ کر ذمہ داری قبول کی حتیٰ کہ اپنی حکومت کو داؤ پر لگا دیا۔ بعد میں یہ چیز (یہودی سلطنت کا قیام) پوری دولت عثمانیہ کی تباہی کا باعث بن گئی'' حالانکہ وہ جانتے تھے جیسا کہ نظام الدین لبہ دنخلی اوغلو اپنے ایک لیکچر'' دولت عثمانیہ کے خاتمے میں یہودیوں کا کردار'' میں کہتے ہیں کہ ''یہودی کافی وسائل رکھتے تھے' وہ بڑے منظم طریقے سے کام کرتے تھے اور ہر کام میں کامیابی حاصل کر لیتے تھے' مال و دولت کی ان کے پاس کمی نہیں تھی' مختلف ممالک کے مابین ہونے والی تجارت ان کے ہاتھ میں تھی' یورپ کی صحافت ان کی ملکیت میں تھی اور ماسونی مجالس پر انہیں کو اجارہ داری حاصل تھی''۔(4)

حرکت الاتحاد والترقی کے بعض چوٹی کے لیڈروں نے بعد میں اس بات کا انکشاف کیا کہ وہ ماسونی اور صیہونی طاقتوں کا

---

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 221 2۔ ایضاً ص 223 3۔ ایضاً ص 223 4۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 88

آلہ کار بن بیٹھے: نور پاشا جنہوں نے 1908ء کے انقلاب میں اہم کردار ادا کیا' جمعیت الاتحاد والترقی کے ایک اور رکن جمال پاشا سے گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: "جمال کیا آپ جانتے ہیں ہماری کیا غلطی ہے؟ پھر بڑے حسرت بھرے انداز میں خود ہی جواب دیتے ہیں کہ "ہم سلطان عبدالحمید کو نہیں سمجھ سکے اور صیہونیت کے ہاتھوں میں آلہ کار بن کررہ گئے' عالمی ماسونیت نے ہمارے ذریعے اپنے ذاتی مقاصد حاصل کیے ہیں' ہم نے اپنی تمام کوششیں صیہونیت کے نام وقف کی ہیں اور یہی ہمارا گناہ ہے"۔(1)

اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے آرمی سے تعلق رکھنے والے اتحادیوں کے ایک لیڈر ایوب صبری لکھتے ہیں: "ہم یہودیوں کے جال میں پھنس گئے' ہم نے سنہری لیرہ (نوٹوں) کی صرف 2 پلیٹیں لے کر ماسونیوں کی وساطت سے یہودی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کام کیا حالانکہ انہوں نے 30 ملین سنہری لیرہ کی خطیر رقم سلطان عبدالحمید کو پیش کی لیکن انہوں نے اتنی بڑی رقم کو بھی قبول کرنے سے انکار کردیا"۔(2)

اس بارے برنارڈ لوئیس کہتا ہے: "سلطان عبدالحمید کو تخت خلافت سے الگ کرنے کے لیے ماسونی بھائیوں اور یہودیوں نے خفیہ طریقہ سے ایکا کرلیا کیونکہ سلطان یہودیوں کے طاقتور مدمقابل تھے اور انہوں نے فلسطین میں یہودیوں کو ایک بالشت زمین دینے سے بھی انکار کردیا تھا"۔(3)

اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے ترکی کی رفاہ پارٹی کے لیڈر مجاہد کبیر نجم الدین اربکان نے کہا: "ماسونی تحریک نے سلطان عبدالحمید کو معزول کرنے کی سخت کوشش کی' سب سے پہلی محفل جس کا عثمانی ترکی میں افتتاح ہوا' اس کا افتتاح کرنے والا شخص امیل قرہ صو ہے جو یہودی ہے' سالونیکا کے علاقے کے افسران اس کے ساتھ مل گئے تھے"۔(4)

عبدالحمید کی معزولی کے بعد سلانیک کے یہودی اخبارات نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ اسرائیل کے سب سے بڑے دشمن سے نجات مل گئی ہے' ان اخبارات نے یہ بھی کہا جیسا کہ اس بارے لوتھر لکھتا ہے۔

"سلطان عبدالحمید کی برطرفی کے بعد سلانیک میں یہودی اخبارات نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اسرائیل کے دشمن سے خلاصی پر ایک دوسرے کو مبارک بادیاں دی گئیں جس نے 2 مرتبہ ہرتزل کے مطالبہ کو ماننے سے انکار کردیا تھا اور جس نے ہمارے لیے سرخ کارڈ (ویزہ) جاری کیا تھا جس کی وجہ سے ہم سے غیر ملکیوں جیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا"۔(5)

سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف میڈیا کی پروپیگنڈا مہم پورے زور شور سے جاری رہی' اس مہم میں دشمنان اسلام کے سامنے درج ذیل اہداف تھے۔

❶ اراکین اتحاد وترقی کا دفاع اور سلطان عبدالحمید کی حکومت کو ختم کرنے میں ان کے کردار کو جواز مہیا کرنا تاکہ ملک اپنی اصلی حالت پر واپس آجائے۔

❷ جمعیت اتحاد وترقی کی حکومت کی ناکامی پر پردہ ڈالنا' اتحاد وترقی کے ذمہ داروں نے قوت اور سختی کا سہارا لیا اور ملک

---

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیۃ: ص228  2۔ ایضاً ص229  3۔ ایضاً  4۔ ایضاً  5۔ ایضاً ص230

کے باسیوں کے درمیان اختلاف کو ہوا دی تھی۔

❸ مصطفیٰ کمال اتاترک جیسے ملحد، باغی کے عہد حکومت کی روشن تصویر کشی کرنا، اس کے اعوان و مددگاروں کو مخلص ثابت کرنا، یہودیوں، انگریزوں اور مغربی ملکوں کے ایجنٹوں کے تصرفات کو جواز مہیا کرنا جنہوں نے خلافت، سلطنت کو ختم کر کے ترکی جمہوریت کا اعلان کیا تھا۔

❹ سلطان عبدالحمید کی سیرت و کردار کو داغدار کرنا جنہوں نے فلسطین میں یہودی اہداف کے خلاف یہود مخالف پالیسی اپنائی ہوئی تھی۔(1)

حقیقت یہ ہے کہ اگر سلطنت عثمانیہ ایک مضبوط، مستحکم اور بلند ترین سلطنت نہ ہوتی تو سازشوں کی ان زوردار آندھیوں کی وجہ سے تنکوں کی طرح اڑ جاتی اور اس کا نام ونشان تک مٹ جاتا اور اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہی اس کی بساط لپیٹ دی جاتی لیکن 2 صدیوں تک یہ عظیم سلطنت استعماری حملوں، یہودی سازشوں اور ماسونی مکروفریب کا بڑی جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کرتی رہی اگرچہ یہ سلطنت بہت کمزور ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود خم ٹھونک کر دشمنان اسلام کے سامنے کھڑی تھی، اس کمزوری کی ذمہ داری سلطان عبدالحمید پر نہیں ڈالی جاسکتی۔

سلطان عبدالحمید نے جب عنان خلافت سنبھالی تو ملک یورپی استعماریت کی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو چکا تھا جو ایک طویل عرصہ سے اس عظیم مملکت کے خاتمے کے لیے منصوبہ بندی کرتے چلے آرہے تھے۔(2)

---

1۔ الدولۃ العثمانیۃ، ڈاکٹر شناوی (1023-1018/2)

2۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر شناوی (1061/2)

# سلطنتِ عثمانیہ کا زوال و اختتام ،ماسونی ایجنٹ مصطفی کمال پاشا کا عروج و اقتدار

سلطان عبدالحمید ثانی کے بعد سلطنت اور خلافت کی ذمہ داری ان کے بھائی محمد رشاد نے قبول کی لیکن حقیقت میں عملاً ان کے ہاتھ میں کسی قسم کے اختیارات نہیں تھے۔سلطنت کے جملہ اختیارات جمعیت الاتحاد والترقی کے ہاتھ میں تھے۔عثمانی حکومت مفہوم کے حوالے سے ایک ترکی لیکن اپنی عصبیت کے حوالے سے قومی حکومت کا روپ دھار چکی تھی جبکہ اس سے پہلے وہ اپنے نام کے لحاظ سے عثمانی اور عصبیت کے لحاظ سے اسلامی حکومت تھی -

جمعیت الاتحاد والترقی تورانی قومیت کے افکار و

نظریات سے کافی حد تک متاثر تھی جو تمام ترکوں کی آزادی کی دعویدار تھی اس جمعیت کے ارکان دعویٰ کرتے تھے کہ اناطول اور وسطی ایشیا کے مسلمان ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ان افکار میں جو بالآخر آہستہ آہستہ جمعیت کے مصنفین کی کوششوں سے سامنے آئے جن میں سرفہرست میں موئیز کوہین یہودی اور معروف ترکی رائٹر ضیاء کوک آلپ کے نام آتے ہیں۔ترکی قومیت پرستی کی پالیسی کو سامنے لایا گیا اس مقصد کے لیے ترکی زبان کو ملک کی واحد سرکاری زبان قرار دیا گیا اگرچہ عربی زبان بھی ساتھ ساتھ رہی لیکن زیادہ تر انحصار ترکی پر کیا گیا چنانچہ ترکی قومیت کے مقابلے میں عربی قومیت کی تحریک شروع ہوگئی۔

عربوں نے ''لامرکزیت پارٹی'' بنائی' جس کے تحت غیر ترکی صوبے خودمختاری حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے اور استنبول سے باہر کسی قوت کے سامنے سر جھکانے لگے' ان لوگوں نے خفیہ جمعیتیں تشکیل دیں' جیسے عبدالکریم خلیل اور عزیز علی مصری کی الجمعیۃ القحطانیہ' الجمعیۃ العربیہ الفتاۃ جسے 1329ھ میں جمعیت ترکیا الفتاہ کے طریقہ پر پیرس میں تشکیل دیا گیا' عرب طلبہ جو پیرس میں مقیم تھے' مغربی افکار بالخصوص قومی عصبیت کے اصولوں سے بہت بری طرح متاثر ہو رہے تھے' ان میں سے بعض تو ماسونی اصطلاحات بھی استعمال کرتے تھے' ان تحریکوں کا مقصد پورے عرب خطہ کو آزاد کرنا تھا کچھ عرصہ بعد ان تحریکوں کا مرکزی دفتر پیرس سے منتقل ہو کر بیروت اور پھر دمشق میں آگیا یہاں ان جمعیتوں کے اراکین بالخصوص عرب نصرانیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

1331ھ میں بیروت کے اندر الجمعیۃ الاصطلاحیہ کی تشکیل ہوئی' اس نے المجر میں جمعیت النہضۃ الالبنانیہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور ان دونوں جمعیتوں نے مل کر 1331ھ کو حکومت فرانس کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں فرانس سے یہ گزارش کی کہ وہ شام اور لبنان پر قبضہ کرے' اسی دوران بعض عراقی ماڈرن جوان انگریزوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ برطانیہ نے اصلاح کے بعض پروگراموں کی نگرانی میں ان کی مدد کی بلکہ ملک پر برطانیہ کے قبضہ تک یہ لوگ انگریزوں کا ساتھ دیتے رہے۔(1)

جب اتحادیوں نے ان عرب جمعیتوں کے اراکین کو گرفتار کیا تو ''العربیہ الفتاۃ'' نے 1332ھ/1913ء میں پیرس کے اندر ایک عربی کانفرنس منعقد کی۔ فرانسیسیوں نے اجتماع کے انعقاد کے لیے مناسب جگہ فراہم کی اور کانفرنس میں موجود اراکین نے درج ذیل فیصلے کیے۔

1. جلد از جلد اصلاحات کے نفاذ کی کوشش۔
2. مرکزی ادارہ کے ساتھ عربوں کو شریک کرنا۔
3. تمام عربی صوبوں میں عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دینا۔
4. عربوں کے لیے مقامی ملٹری خدمات کا فیصلہ الا یہ کہ ان کی کسی اور جگہ ضرورت ہو۔
5. ارمن قوم کی خواہشات کے بارے نرمی اختیار کرنا۔

ان جمعیتوں کے اراکین نے اس بات پر زور دیا کہ ان کی تحریک کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں' اس لیے کانفرنس میں مسلمانوں اور نصرانیوں کی تعداد کو برابر برابر رکھا گیا' اس کانفرنس کی سربراہی عبدالحمید الزہراوی نے کی۔(2)

فرانس نے اس کانفرنس سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں' اس کانفرنس میں فرانس کے بہت سارے نمائندے شریک تھے پھر اس کے فیصلوں کو نشر کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی (1333ھ-1337ھ/1914ء-1918ء) ترکی نے وسطی ملکوں ''جرمنی اور آسٹریا'' کا ساتھ دیا جبکہ انگریز ''حسن مکماھون'' کے ساتھ خط و

1- تاریخ الدولۃ العثمانیہ' ڈاکٹر علی حسون: ص249 2- حاضر العالم الاسلامی: ڈاکٹر جمیل مصری (109/1)

کتابت کر کے عربوں کو اتحادیوں " برطانیہ' فرانس اور روس " کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو گیا چنانچہ عربی قومیت کی سوچ ختم ہو کر رہ گئی اور عرب اور ترکوں کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔(1)

جنگ میں شکست کے بعد ترکی کا سقوط عمل میں آیا اور اتحادی ملکوں اور یونان نے اس کے مختلف علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ آستانہ انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا اور خلیفہ کی حیثیت اس میں قیدی کی سی ہو کر رہ گئی۔

سلطان عبدالحمید کی برطرفی اور جمعیت الاتحاد والترقی کی حکومت کا قیام دراصل اس منصوبے کو پورا کرنے کی طرف پہلا اقدام تھا جو جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد مختلف مراحل میں پورا ہوا' ہم اس کی تلخیص ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

❶ عالم اسلام جو دولت عثمانیہ کے زیر نگیں تھا کہ حلیفوں میں تقسیم کرنے پر اتفاق' یہ فیصلہ سائیکس بیکو کے خفیہ معاہدہ (1334ھ بمطابق 1916ء) میں اس وقت سامنے آیا جب عربوں کے ساتھ خود مختاری کا وعدہ کیا گیا' اس معاہدہ کے اہم نقاط درج ذیل ہیں۔

☆......جنوبی عراق برطانیہ کا جبکہ شام کا شمالی ساحل (لبنان) فرانس کی ملکیت ہو گا۔

☆......شمالی عراق اور شام کے وسطی اور جنوبی علاقوں پر مشتمل 2 ملک بنائے جائیں گے' پہلے ملک پر برطانیہ کا قبضہ ہو گا جس میں شمالی عراق اور مشرقی اردن کے علاقے شامل ہونگے اور دوسرا ملک فرانس کے قبضے میں ہو گا جس میں وسطی شام اور جزیرہ فرانیہ کے علاقے شامل ہونگے۔

☆......فلسطین ایک الگ ملک ہو گا۔

☆......آستانہ اور تنگنائے باسفورس اور دردانیل کے علاقے روس کے قبضے میں ہوں گے۔(2)

22 نومبر 1917ء بمطابق محرم الحرام 1326ھ کو بلفور کے اعلان کے مطابق فلسطین میں یہودیوں کی قومی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔

3- ترکی نے مغربی اقدار کی تحریک کی غلاظت کو تسلیم کر لیا اور اسلامی اقدار کو ملک سے نیست و نابود کر کے اسلامی ترکی کو مغربی ترکی سے بدل دینے کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا' دوسرے لفظوں میں سلطان عبدالحمید کی برطرفی اور اتحادیوں کے برسر اقتدار آنے کے ساتھ ہی اس دور کا آغاز ہو گیا کہ جس میں حکام اور استعماریت دونوں نے دولت عثمانیہ کے خاتمے' تورانی اتحاد کے رنگ کو نمایاں کرنے اور ترکوں اور عربوں کے درمیان تعلقات کو اس نہج پر پہنچانے پر اتفاق کر لیا جہاں سے ان دونوں کے درمیان اتحاد کی تمام راہیں مسدود ہو کر رہ گئیں اور نفرت اور بغض و اعناد انتہا کو پہنچ گیا' یہی وہ چیز تھی جو ملک کے زوال' عرب علاقوں کی مغرب کے ہاتھوں تقسیم اور فلسطین میں یہودی سلطنت کے قیام کا سبب بنی۔(3)

اتحادیوں نے ملک کا رخ دین کی بجائے قومیت کی طرف پھیر دیا اور جب انگریز استنبول (آستانہ) پر قابض ہوئے تو خلیفہ ان کے ہاتھوں میں قیدی بن کر رہ گیا اور عملاً سیادت برطانیہ کے سامی القنسل نمائندہ اور جرنل ہازنجتون (استنبول میں

---

1- حاضر العالم الاسلامی: ڈاکٹر جمیل مصری (110/1) 2- ایضاً 3- ایضاً

معاہدین د افوجوں کا سپہ سالار اعظم ) کے ہاتھ میں چلی گئی ۔(1)

خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے لیے کھیلا جانے والا کھیل اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا' اب ایک ایسے مصنوعی ہیرو کی ضرورت تھی جس کے سامنے سے حلیفوں کے لشکر ہائے جرار فرار ہوتے دکھائے جائیں جو ملت اسلامیہ سے تعلق رکھتا ہو وہ ملت جو مایوسی کی انتہا کو پہنچ چکی ہے اس شخص کو ایک ایسے ڈرامائی انداز میں سامنے لایا جائے کہ یہ اس قوم کے دل جیت لے۔ مسلمان اسے اپنا نجات دہندہ' محسن اور ہیرو یقین کرنے لگیں تا کہ اس کے ہاتھوں مسلمانوں میں جو رہی سہی طاقت باقی ہے' اس کو ختم کر کے اسلامی علاقوں پر قبضہ کیا جائے۔ یہ سکیم ترکی کو تقسیم کرنے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی ان سینکڑوں سکیموں سے یقیناً بہتر تھی جو وقتاً فوقتاً بنائی گئی تھیں۔(2)

انگریز نے اپنی خبر رساں ایجنسیوں کی وساطت سے ایسا ہی ایک ہیرو تراشنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ مصطفیٰ کمال پاشا حلیفوں اور یونانیوں سے جنہوں نے ازمیر پر برطانیہ کے ذریعے 1338ھ میں قبضہ کر لیا تھا اور اناطول میں دفن شدہ صلیبی حقد و کینہ کو انتہاء تک پہنچا دیا تھا' دولت عثمانیہ کی عزت و حرمت کو بچانے والے کے روپ میں ظاہر ہوا۔ اس نے ترکوں میں جہاد کی روح پھونک دی' قرآن کریم کو اپنے ہاتھوں میں لے کر یونانیوں پر حملہ کر کے انہیں الٹے پاؤں بھگا دیا۔ حلیفوں کی فوجیں اسلحہ استعمال کیے بغیر اس کے سامنے سے فرار ہونے لگیں اور بہت سارے علاقوں کو خالی کر دیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا آہستہ آہستہ نمایاں ہونے لگا' عالم اسلامی اس کی اس کارروائی پر بہت خوش ہوا اور اسے غازی کا لقب دیا' شعراء نے اس کی مدح میں شعر کہے اور خطیبوں نے خطبے پڑھے۔

احمد شوقی نے اپنے ایک مشہور قصیدہ کے پہلے شعر میں اسے خالد بن ولید ثانی قرار دیا۔(3)

اللهُ أَكْبَرُ كَمْ فِي الْفَتْحِ مِنْ عَجَبِ يَا خَالِدَ التُّرْكِ جَدِّدْ خَالِدَ الْعَرَبِ

''اللہ اکبر' اس فتح میں کتنے عجائبات ہیں' اے خالد ترک عرب کے خالد کی یاد تازہ کر دے''۔

شوقی اسے صلاح الدین ایوبی کی صف میں لاتا ہے اور کہتا ہے۔

حَذَوْتَ حَرْبَ الصَّلَاحِيِّينَ فِي زَمَنٍ فِيهِ الْقِتَالُ بِلَا شَرْعٍ وَلَا أَدَبِ

(ایک ایسے دور میں تو صلاح الدین ایوبی کی سپاہ کے نقش قدم پر چلا جس میں باہمی جنگ بلا قانون اور ادب کے ہے۔)

شوقی' مصطفیٰ کمال کی فتح کو جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اور کہتا ہے۔

يَوْمٌ كَبَدْرٍ فَخَيْلُ الْحَقِّ رَاقِصَةٌ عَلَى الصَّعِيدِ وَخَيْلُ اللهِ فِي السُّحُبِ

تَهْنِئَةً أَيُّهَا الْغَازِي وَتَهْنِئَةً بِآيَةِ الْفَتْحِ تَبْقَى آيَةُ الْحُقُبِ (4)

''(فتح کا یہ) دن یوم بدر کی مانند ہے چنانچہ حق کے (علمبرداروں کے) گھوڑے زمین پر رقص کر رہے تھے اور اللہ (کے فرستادوں کے) گھوڑے بادلوں میں محو رقص تھے۔''

---

1۔ حاضر العالم الاسلامی (111/1) 2۔ العلمانیہ: ڈاکٹر سفر الحوالی: ص 569 3۔ حاضر العالم الاسلامی (111/1) 4۔ ایضاً

''اے غازی! مبارک باد تو نے کیا خوب کارنامہ سرانجام دیا' اس فتح کی یاد صدیوں تک باقی رہے گی۔''

لوگ جب مصطفیٰ کمال پاشا کی جدوجہد اور خلیفہ وحیدالدین محمد السادس کی شکست کے درمیان موازنہ کرتے تو جس قدر مصطفیٰ ان کی نظر میں قدرومنزلت حاصل کرتا' اس قدر خلیفہ ان کی نظروں میں گر جاتے کیونکہ خلیفہ آستانہ میں سرنگریباں' ذلت درسوائی کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ خلیفہ کی ذات سے بے حد نالاں تھے اور مصطفیٰ کمال سے اخباروں میں مطالبہ ہو رہا تھا کہ خلیفہ پوری قوم کا مجرم' سزائے موت کا مستحق ہے۔ مصطفیٰ کمال ان کی آنکھوں میں ایک بطل جلیل اور ایک ایسے مجاہد کا روپ دھار چکا تھا جس نے خلافت کی مجد و بزرگی کی بازیابی کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جنگ کی۔ ان لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی کہ خلیفہ تو قابض فوجوں کے پاؤں میں پڑا خاک چاٹ رہا تھا۔

لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ مصطفیٰ کمال کی حقیقت لوگوں پر کھل گئی اور لوگ سمجھ گئے کہ یہ تو دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ کا تراشیدہ ہیرو ہے' بالخصوص انگریز کا جو جانتا تھا کہ خلافت کو ختم کرنا کوئی آسان کام نہیں' اس کے خاتمے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ کوئی ہیرو تراشہ جائے اور اس کو عظیم رہنما کی صورت دی جائے' اس کے اردگرد عزت وکرامت اور کامیابی و کامرانی کا ایک ایسا جال بن دیا جائے کہ لوگ اسے اعجازی شخصیت یقین کرلیں' اس کے ہاتھوں کچھ معجزات کا صدور ہوتا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہی امت مسلمہ کا نجات دہندہ ہے' اس کے ہاتھوں پر ایسا زخم لگایا جائے جو زیادہ گہرا نہ ہوتا کہ اس کے خلوص پر کوئی شک نہ کرسکے' لوگ اس کی جھوٹی فتح مندیوں کی وجہ سے اس کے بارے کچھ سوچنا نہیں چاہتے تھے وہ بس ایک ہیرو تھا' اتحادیوں نے خود جھوٹ موٹ کی پریشانی کا اظہار کر دیا اور جنگ ختم کرنے کے لیے سلطان سے مطالبہ کرنے لگے' انہوں نے صلح کی مہم کے لیے مصطفیٰ کمال کا نام پیش کیا تاکہ وہ لوگوں کی آرزوؤں کا مرکز بن جائے۔ فوجی افسروں کی نظر میں اہمیت حاصل کرلے' اس کی قدرومنزلت اور ہیبت وجلال میں اضافہ ہو اور خلیفہ کی شہرت متاثر ہوتا کہ لوگوں کی نظروں میں مرکز خلافت کا درجہ کم ہو جائے' انگریزوں کی چالاکیوں کو آسانی سے نہیں سمجھا جاسکتا۔(1)

انگریزی خبر رساں ایجنسیاں مصطفیٰ کمال کی شخصیت میں اپنا گوہر مقصود پانے میں کامیاب ہوگئیں۔ ان ایجنسیوں اور مصطفیٰ کمال کے درمیان انگریز جاسوس آرمسٹرونج نامی شخص واسطہ بنا۔ اس شخص کا مصطفیٰ کمال سے اس وقت کا تعلق تھا جب مصطفیٰ کمال عثمانی آرمی کا فلسطین اور شام میں سپہ سالار تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آرمسٹرونج مصطفیٰ کمال پاشا کے ساتھ نفسیاتی گٹھ جوڑ کی ابتداء کے بارے بات کرتے ہوئے بڑی صراحت کے ساتھ اپنی کتاب میں اس نقطہ پر انگلی رکھ دیتا ہے جہاں سے یہ سلسلہ شروع ہوا وہ مصطفیٰ کمال کی والدہ کی ایک امیر دوڈیسی کے ساتھ دوسری شادی کو اس تبدیلی کا نقطہ آغاز بتاتا ہے جب مصطفیٰ نے ناراض ہو کر اپنی ماں سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے مقدونی راہب دوستوں سے فرانسیسی زبان کی ابتدائی باتیں سیکھنے کے لیے اپنے ایک مقدونی دوست ''فتحی'' کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ اس دوران انہوں نے فولٹر اور روسو کی کتابیں پڑھیں' ہربز' جون سٹیورٹ

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص 277

میل وغیرہ کی ممنوعہ تالیفات بھی دیکھیں حتیٰ کہ مصطفیٰ کمال قومی جذبات سے سرشار شعر نظم کرنے لگا اور اپنے دوستوں کو خطاب کرنے لگا جو ملٹری کالج میں اس کے ساتھ پڑھتے تھے وہ سلطان کی برائی کرتا تھا حالانکہ اس کی عمر ابھی 20 سال نہیں ہوئی تھی پھر وہ استنبول چلا گیا اور عیش وعشرت میں پڑ گیا' شراب نوشی' جواء جیسی قباحتوں میں مبتلا ہو گیا اور ''جمعیت وطن'' میں شرکت کے باعث گرفتاری سے پہلے عشق بازی جیسے مرض میں بھی مبتلا رہا۔(1)

آرمسٹرونگ مصطفیٰ کمال کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے انجمن اتحاد وترقی کی ڈونمہ اور ماسونی مجالس کے ساتھ تعلق کی شہادت فراہم کرتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں کہ کیسے'' اسے ایک اطالوی شہریت رکھنے والے یہودی کے گھر میں ڈونمہ اور ماسونی اجتماع میں دعوت دی گئی کیونکہ یہودی جو اطالوی شہریت رکھتے تھے حسب معاہدہ اور غیر ملکیوں کو دی جانے والی خصوصی مراعات سے فائدہ اٹھا کر وہ اس قسم کے اجتماعات منعقدہ کیا کرتے تھے اور اتحادی یہودیوں کی حفاظت میں ان اجتماعات میں شرکت کر کے ملک وقوم کے خلاف منصوبہ بندی کیا کرتے تھے۔ اتحادی یہودی گھروں میں بڑے اطمینان کے ساتھ بغیر کسی خطرہ کے آتے جاتے' ان یہودیوں میں سے بعض لوگ مصطفیٰ کمال کے قریبی دوست تھے جیسے مقدونیہ سے تعلق رکھنے والے فتحی جو کمال کے پرانے دوستوں میں سے تھے اور ماسونی جماعت ''آزاد معمار'' میں شریک تھے۔ آرمسٹرونگ بیان کرتا ہے کہ کیسے ان لوگوں نے اپنی انقلابی جمعیت قائم کی اور ماسونی تنظیموں کی نہج پر کیسے اپنے مقاصد کے لیے لوگوں کو منظم کیا' کیسے ان لوگوں نے مختلف جہتوں سے وافر مالی اعانت حاصل کی اور ان لوگوں کے ساتھ میل جول بڑھایا جن کو سلطان نے ملک بدر کر رکھا تھا۔

آرمسٹرونگ انکشاف کرتا ہے کہ کیسے مصطفیٰ کمال کو منتخب کیا گیا اور اس کے باقی ساتھیوں کو چھوڑ دیا گیا تاکہ اس کے ذریعے برطانیہ اپنے منصوبے کے آخری پروگرام کو عملی جامہ پہنائے۔ آرمسٹرونگ کہتا ہے: ''مصطفیٰ کمال فطرتاً اس بات کا شائق تھا کہ وہ حکمران بنے اور امر ونہی اس کے ہاتھ میں ہو' وہ اتحادی لیڈروں کا احترام بالکل نہیں کرتا تھا اور ان کے ساتھ جھگڑ پڑتا تھا۔ جیسے انور جمال' جاوید جو یہودی الاصل تھا' نیازی المانی جو ایک نہایت ہی بدصورت انسان تھا۔ طلعت جو ایک بڑے ریچھ کی مانند تھا اور ایک ڈاکخانے میں چھوٹا سا ملازم تھا۔''

ایک چھوٹے سے افسر سے جو حالات پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا' برطانوی مخبروں کی وساطت سے بزرگیوں اور کامیابیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر غازی کا لقب پانے والے ایک جرنل بننے تک اور اس کے بعد کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے آرمسٹرونگ مصطفیٰ کمال کی ذاتی زندگی کا ایک اور صفحہ ہمارے سامنے رکھتے ہیں۔ وہ لطیفہ نامی ایک دوشیزہ کے ساتھ مصطفیٰ کمال پاشا کی افسانوی شادی کا ذکر کرتے ہیں۔ لطیفہ امیر یہ خاندان کی ایک مالدار لڑکی تھی جو پیرس سے واپس آئی تھی تاکہ اپنے انتظامی تجربات' جدید تعلیم اور مختلف زبانوں میں اپنی مہارت کو کام میں لا کر مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنی زلف کا اسیر کرے جو خلافت اسلامیہ کو تار تار کرنے کی اہلیت رکھتا تھا اور غازی کا لقب حاصل کر چکا تھا' پہلے پہل تو اس امیرزادی نے

---

1۔ محوۃ الرجل المریض: ص265,266

جواپنے امیر کبیری باپ کے محل نما گھر میں رہتی تھی بے رخی برتی تا کہ شکار کے جذبات کو ابھارا جائے پھر ناز وادا سے اسے اسیر کیا' یوں مصطفیٰ کمال کی فکریہ نامی لڑکی سے جدائی ہوگئی جسے اس نے علاج کیلئے میونخ بھیجا تھا اور اس بیماری کی وجہ سے مصطفیٰ اس لڑکی کی طرف مائل ہوا تھا اس کے بعد مصطفیٰ نے اس لڑکی کی خودکشی کی تدبیر کر کے اس سے جان چھڑائی' پھر صالحہ نامی لڑکی جس کے ساتھ اس کا یارانہ تھا کی خاطف سے شادی کروا کر اس کو بھی راستے سے ہٹا دیا تا کہ لطیفہ سے شادی کر سکے' اس کے بعد کہ وہ ''سعادت'' اور دسوں دوشیزاؤں' عورتوں اور لڑکیوں کی زندگی تباہ کر چکا تھا جن کی ساری تفصیلات اس کا ایک دوست جو فوجی افسر تھا اور اس کا ہم جلیس تھا بیان کرتا ہے۔(1)

بعد میں لطیفہ بھی مصطفیٰ کمال کی زیادتیوں کا شکار ہوگئی کیونکہ مصطفیٰ نے اسے ایک وزارتی فیصلے کے ساتھ طلاق دے دی اور اسے امراض اور درد وغم کا شکار بنا کر چھوڑ دیا۔ مصطفیٰ نے اسے ڈرایا کہ وہ اس کی ذاتی زندگی کے بارے بالکل خاموش رہے ورنہ اسے بہت بری طرح سزا دی جائے گی' اب اس کے پہلو میں صرف ایک لڑکی تھی' عفت جو پیشہ کے اعتبار سے ٹیچر تھی' تاریخ نگاری سے اسے لگاؤ تھا' یہ عورت پرلے درجے کی فنکارہ تھی' اس نے اس وحشی کو اس حد تک مختلف طریقوں سے اپنا گرویدہ بنایا کہ وہ اس کی عبادت کرنے لگا اور اس کے اشاروں پر ناچنے لگا۔

لیکن ''لطیفہ'' کو ملک کا کوئی قانون اور دستور اس بات سے نہیں روکتا تھا کہ وہ اپنی یادداشتوں میں بین السطور تلمیح کے انداز میں تنقید کرے اور اپنی داستان غم بیان کرے' سو اس کی یادداشتوں کو ترکی اخبار (الحریہ) نے جون 1973ء کو شائع کیا جن میں اتاترک کی نجی زندگی' شراب نوشی کے بارے بہت کچھ ذکر ہوا۔ اس اخبار نے کوشش کی کہ اس کا ذمہ دار اس کے دوستوں اور ہم جلیسوں کو ٹھہرائے' ''قلیج علی' نوری جنکر'' اور ''رجب ہدی'' جو جان بوجھ کر اتاترک کا وقت ضائع کرتے تھے' یہ لوگ قاتلوں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو پرلے درجے کے مجرم تھے' اتاترک نے انہیں اپنے ندیموں میں شامل کر لیا تھا اور ان کے ہاتھوں اپنے بہت سارے مخالفین کو ٹھکانے لگایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ اس کے ساتھ بہت بے تکلف ہو گئے تھے۔(2)

اس قسم کے اخلاق رذیلہ کے ساتھ مصطفیٰ کمال کا مشہور ہونا کچھ عجیب نہیں بالخصوص جب ہمیں اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ اس کی اصلیت ڈونمہ کے یہودیوں سے ہے۔

یہودی دائرۃ المعارف میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ سلانیک کے بہت سارے یہودیوں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اتاترک کا تعلق ڈونمہ یہودیوں سے ہے' یہی نظریہ ان مسلمانوں کا بھی ہے جو اتاترک کے مخالف ہیں لیکن حکومت اس بات کا انکار کرتی ہے۔(3)

ٹوینی مصطفیٰ کمال کے نسب پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے: ''کمال کے خاندان کی رگوں میں یہودی خون دوڑ رہا ہے۔ سلانیک یہودیوں کی قیام گاہ تھا جن دنوں ان پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے' اس خاندان نے اسلامی عقائد کو قبول کر کے یہودی عقائد کو چھوڑ دیا تھا لیکن مصطفیٰ کمال کی عادتیں' اس کی آنکھوں کا رنگ اور اس کی شکل وصورت اسے اس بات سے دور کرتے

1۔صحوۃ الرجل المریض: ص267 2۔ایضاً 3۔یہود الدونمہ: ڈاکٹر نعیمی: ص87,89

ہیں کہ یہودی خون سے متاثر ہو''۔(1)

اسامہ عینائی لکھتا ہے: ''ڈونمہ یہودی اتاترک پر فخر کرتے تھے اور اس بات پر مکمل یقین رکھتے تھے کہ اس کا تعلق یہودی نسل سے ہے اور ان کی اس بارے دلیل یہ ہے کہ اتاترک نے جب عنان حکومت سنبھالی تو اسلام کے خلاف اپنے ارادوں کا اظہار کر دیا''۔(2)

مصطفیٰ کمال کی تمام کارروائیاں جو بعد میں سامنے آئیں بتاتی ہیں کہ وہ اسلام سے بغض رکھتا تھا' 1337ء جبکہ اسے یونان کے خلاف انگورہ میں کامیابی حاصل ہوئی' اس نے لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ وہ تمام تدابیر جو عنقریب کی جائیں گی ان کا مقصد صرف اور صرف سلطنت اور خلافت کو محفوظ رکھنا اور سلطان اور اسلامی قلمرو کو غیر ملکی غلامی سے آزاد کرنا ہے(3)۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب 1341ھ/1923ء میں وہ عنان حکومت سنبھالتا ہے تو اس کی سربراہی میں ''جمعیت الوطنیہ الترکیہ'' جمہوریت کے قیام کا اعلان کر دیتی ہے اور مصطفیٰ کمال اس کے پہلے فرمانروا قرار پاتے ہیں۔ مصطفیٰ نے کچھ وقت تک ترکی خلافت کو باقی رکھنے کی ایکٹنگ کی اور محمد السادس کی جگہ جسے برطانوی جہاز پر سوار کر کے مالٹا بھیج دیا گیا تھا' سلطان عبدالمجید بن سلطان عبدالعزیز کو خلیفہ منتخب کر لیا لیکن خلیفہ کے پاس برائے نام اختیار بھی نہیں تھے۔(4)

خلیفہ عبدالمجید ایک مہذب اور پڑھے لکھے انسان تھے جیسا کہ بنی عثمان کی نسل کے شایان شان تھا' آپ ترکوں کی نظر میں اسلامی عثمانی میراث اور تاریخ کا زندہ نمونہ تھے۔ استنبول کے لوگ آپ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بڑی بے تابی کا مظاہرہ کرتے اور جب انہیں پتہ چلتا کہ خلیفہ تشریف لا رہے ہیں تو دیکھنے کو دوڑے چلے آتے۔ جمعۃ المبارک کی نماز ادا کرنے کے لیے خلیفہ جب تشریف لاتے تو مسلمان ان کا والہانہ استقبال کرتے۔ خلیفہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ کتنے بڑے منصب پر فائز ہیں اور کس عظیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں' اس لیے جب بھی وہ باہر تشریف لاتے تو بڑے طمطراق سے تشریف لاتے' کبھی ان کے سر پر محمد فاتح کا عمامہ ہوتا اور کبھی سلطان سلیمان قانونی کی تلوار گردن میں حمائل ہوتی۔

یہ سب منظر دیکھ کر مصطفیٰ کمال آپے سے باہر ہو جاتا' وہ یہ منظر نہیں دیکھ سکتا تھا' لوگوں کی خلیفہ کے ساتھ اس قدر محبت اس کی برداشت سے باہر تھی۔ آل عثمانی خلافت اور سلطنت کے ساتھ لوگوں کا تعلق خاطر اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا' چنانچہ اس نے خلیفہ کو نماز کے لیے باہر نکلنے سے روک دیا پھر ان کو دی جانے والی مراعات آدھی کر دیں۔ رعایا پر بے پناہ ظلم کیے اور اس کی اس ظالمانہ پالیسی کی بڑے بڑے مغربی ملکوں نے تائید کی۔

3 مارچ 1924ء کو مصطفیٰ کمال نے ''کانسٹی ٹیوشن اسمبلی'' کا اجلاس طلب کیا۔ مصطفیٰ جانتا تھا کہ اب یہ محض ایک نام کی اسمبلی ہے اور اس کی مخالفت کرنے کا اس میں دم خم نہیں' اس اسمبلی کے سامنے مصطفیٰ کمال نے خلافت کے خاتمے کی تجویز رکھی۔ دوسرے دن بغیر کسی گفت وشنید کے یہ فیصلہ ہو گیا اور خلیفہ کو ملک بدر کرنے پر سب نے خاموشی اختیار کر لی اور یوں مصطفیٰ کمال کے ہاتھوں خلافت اسلامی کی روشنی ہمیشہ کے لیے بجھ گئی جو صدیوں سے مسلمانوں کی وحدت اور ان کے وجود کے بقاء کی

---

1۔ یہود الدونمہ: ڈاکٹر نعیمی: ص90 ۔ ایضاً ص94 2 3۔ حاضر العالم اسلامی (112/1) 4۔ ایضاً

ضمانت چلی آ رہی تھی۔(1)

مصطفیٰ کمال درحقیقت ان سوچے سمجھے منصوبوں کو نافذ کرنا چاہتا تھا جو مغربی ملکوں کے ساتھ کیے جانے والے معاہدوں میں طے پائے تھے۔1340ھ/1923ء میں معاہدہ لوزان نے ترکی پر جو شرائط عائد کی تھیں اور ان شرائط صلح کو ترکی نے قبول کیا تھا'ان میں کرزون'' جو لوزان کانفرنس میں انگریز کے وفد کے سربراہ تھے'' کی 4 شرائط خاص کر قابل ذکر ہیں جو یہ ہیں۔

1. ترکی اسلام سے اپنے تمام تعلقات ختم کر دے گا۔
2. خلافت اسلامیہ کا کلی خاتمہ
3. خلیفہ'اس کے مددگار اور اسلام کو ترکی حدود سے باہر نکالنا اور خلیفہ کی جملہ دولت کو ضبط کرنا۔
4. ترکی کے قدیم دستور کی جگہ شہری دستور کا نفاذ۔(2)

عالم اسلام میں غم وغصہ کی شدید لہر دوڑ گئی۔شوقی جو کچھ عرصہ پہلے اتاترک کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا تھا' خلافت کے لیے اشک بار نظر آتا ہے:وہ کہتا ہے

| | |
|---|---|
| عادت اغانی العرس جع نواح | ونعیت بین معالم الافراح |
| کفنت فی لیل الزفاف بثوبه | فنمت عند تبلج الاصباح |
| ضجت علیک ماذان ومنابر | وبکت علیک ممالک ونواح |
| الهند والهة، ومصر حزینة | تبکی علیک بمدمع سحاح |
| والشام تسال، والعراق وفارس | امحا من الارض الخلافة ماح |
| یا للرجال لحرة موئودة | قتلت بغیر جریمه وجناح |

شادی کے گیت نوحوں کی آواز میں ڈھل گئے اور(اے خلافت!)شادی کے ہنگاموں کے دوران ہی تیری موت کی خبر دے دی گئی۔

شب زفاف کو عروسی لباس میں ہی تجھے کفن دے دیا گیا اور پو پھٹی ہی تھی کہ تو ابدی نیند سوگئی۔
منبر ومحراب تیری موت پر چیخ اٹھے'سلطنتیں اور گردونواح کے علاقے گریہ وزاری کرنے لگے۔
ہندوستان تصویر غم ہے اور مصر بے حد پریشان' تجھ پر موسلا دھار بارش کی طرح آنسو بہا رہا ہے۔
شام وعراق اور فارس(ایران)پوچھتے ہیں کیا کسی مٹانے والے نے زمین سے خلافت کا نام ونشان مٹا دیا ہے؟
اے مردان(کارزا)زندہ دفن ہونے والی آزادی کو واپس لاؤ جو بغیر کسی گناہ اور خطا کے قتل کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد شوقی مصطفیٰ کمال پاشا پر سخت تنقید کرتا ہے اور اسے برا بھلا کہتا ہے جس نے زبردستی ترکوں کو ایشیا کی سرزمین سے نکال کر یورپ کی سرزمین پر لا کھڑا کیا۔مشرق میں جہاں ان کی جڑیں بہت گہرائی تک اتر چکی تھیں وہاں سے اکھیڑ کر انہیں

---

1۔التاریخ العثمانی فی شعر احمد شوقی'محمد ابو غدۃ:ص(110) 2۔تاریخ الدولۃ العثمانیہ'ڈاکٹر علی حسون:ص287

مغرب کے دروازے پر انتظار میں بٹھادیا۔شوقی کہتا ہے:

بکت الصلاة وتلک فتنة عابث بالشرع عربید القضاء وقاح

أفتی خز غبلة وقال ضلالة وأتی بکفر فی البلاد بواح

ان الذین جری علیهم فقهه خلقوا لفقه کتیبة وسلاح

نقل الشرائع، والعقائد، والقری والناس نقل کتائب فی الساح

ترکته کالشبح الموته امه لم تسل بعد عبادة الاشباح

غرته طاعات الجموع ودولة وجد السواد لها هوی المرتاح (1)

"نماز رو دی اور یہ فتنہ ایک ایسے شخص کا لایا ہوا ہے جو شریعت محمدیہ کو کوئی حیثیت نہیں دیتا' عدل و انصاف کا دشمن اور پرلے درجے کا بے حیاء ہے۔"

جس نے ہنسی مذاق کے رنگ میں فتوئی دیا اور گمراہی کی بات کہی اور ملک میں کفر و گمراہی کو جائز قرار دے دیا۔

وہ لوگ جن کے خلاف اس کی فقہ (قانون) جاری ہوا تو وہ لشکر اور سامان جنگ کی فقہ (قانون) کے لیے پیدا کیے گئے (یعنی قتل کردیئے گئے)

اس نے شرعی قوانین' عقائدونظریات' شہروں اور لوگوں کو اس طرح باہر نکالا جس طرح لشکروں کو میدان میں باہر نکالتے ہیں' ان لشکروں نے اسے یوں کر چھوڑا جیسے بچے کی وہ خیالی تصویر جسے اس کی ماں بہت چاہتی ہے لیکن پر چھائیوں کی عبادت اسے تسلی نہیں دیتی۔

اسے گروہوں کی فرمانبرداریوں اور مملکت نے دھوکے میں ڈال دیا ہے جس مملکت کی آبادی عیش وعشرت کی دلدادہ ہوگئی ہے۔

شوقی کی نظر میں ایسے ظالموں اور جابروں کے ظہور کی اصل وجہ لوگوں کی جہالت ہے' اسی کمزوری کی وجہ سے لوگ ظالموں اور آمروں کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں: شوقی کہتا ہے

مجد الامور زواله فی زلة لا ترج لامسک بالمور خلودا

خلعته دون المسلمین عصابة لم یجعلوا للمسلمین وجودا

یقضون ذلک عن سواد غافل خلق السواد مضللا ومسودا

انی نظرت الی اشعوب فلم اجد کالجهل داء للشعوب مبیدا

وإذا سبی الفرد المسلط مجلسا الفیت احرار الرجال عبیدا (2)

کارناموں کی بزرگی صرف ایک لغزش میں زائل ہوجاتی ہے' اپنے نام کو کارناموں کے ذریعے ہمیشہ زندہ رکھنے کی امید

---

1۔التاریخ العثمانی فی شعر احمد شوقی: ص 112 2۔الشوقیات دیوان احمد شوقی: ص (112/1)

مت کر۔

غیر مسلم لوگوں کی ایک جماعت نے اس بزرگی کی خلعت کو اتار دیا اور اس نے مسلمانوں کے وجود کو باقی نہ چھوڑا۔ انہوں نے غافل اکثریت کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا' ایسی اکثریت جسے گمراہ اور غلام پیدا کیا گیا ہے۔

میں نے قوموں کو دیکھا تو میں نے جہالت سے بڑی بیماری نہ پائی جو قوموں کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

جب (غیر سے) مغلوب شخص کسی جماعت کو اپنا اسیر بنالیتا ہے تو آزاد لوگ بھی غلام بن جاتے ہیں

مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنے منصوبے کو مکمل طور پر نافذ کر دیا اور اسلامی خطوط سے ملک کو بالکل دور کر دیا۔ ترکی اب مکمل مغربیت کی بدنما کارروائیوں کی زد میں تھا۔ 1343ھ بمطابق 1924ء میں وزارت اوقاف ختم کر دی گئی اور اوقاف کے جملہ امور وزارت المعارف کے سپرد کر دیئے گئے۔ 1344ھ/1925ء میں مسجدوں کو تالے لگا دیئے گئے۔ حکومت نے ہر دینی رجحان کی بڑی سختی سے ممانعت کر دی' ہر قسم کی دینی گفتگو پر پابندی عائد کر دی۔ 1351-1350ھ بمطابق 1932-1931ء کو مسجدوں کی تعداد محدود کر دی گئی' ہر حلقے میں صرف 500 میٹر احاطے کی مسجد کی منظوری دی گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ اسلامی روح کو آگے بڑھنے سے روکا جائے۔

مصطفیٰ کمال نے مسجدوں پر حملہ کرنے میں انتہاء پسندی کا ثبوت دیا۔ واعظین جنہیں حکومت تنخواہ دیتی تھی ان کی تعداد کم کر کے 300 کر دی گئی اور انہیں حکم دیا کہ وہ جمعہ کے خطبوں میں زیادہ سے زیادہ زرعی' صنعتی اور حکومتی پالیسی کے بارے بات کریں اور حکومتی کارناموں کی تعریف کریں۔ استنبول کی دو معروف ترین جامع مسجدیں بند کر دی گئیں' ان دو میں سے پہلی مسجد آیا صوفیا(1) کو موزیم میں بدل دیا گیا اور دوسری بڑی مسجد یعنی فتح مسجد کو گودام میں تبدیل کر دیا گیا۔ رہا اسلامی قانون تو اس کی جگہ خود ساختہ شہری قانون نافذ کر دیا گیا۔ یہ قانون اور دستور جو ترکی میں 1345ھ/1926ء کو نافذ ہوا' سوئٹزرلینڈ دستور سے لیا گیا تھا۔ ہجری تقویم کی جگہ گریگوری مغربی تقویم کو اپنایا گیا۔ 1342ھ کو پوری ترکی میں ہجری تقویم ختم کر کے 1926ء کو اس کی جگہ مغربی تقویم کو نافذ کر دیا گیا۔

1347ھ/1928ء کے دستور کی عبارت میں اس بات کا بالکل تذکرہ چھوڑ دیا گیا کہ ترکی ایک اسلامی ملک ہے' حلف برداری کے الفاظ جو مختلف مناصب پر تقرری کے وقت کہے جاتے تھے' ان کو بھی بدل دیا گیا' اب اللہ تعالیٰ کے نام کی جگہ لوگ اپنی عزت وشرف کی قسم کھانے لگے اور حلف برداری کا پہلا طریقہ چھوڑ دیا گیا۔

1935ء میں حکومت نے سرکاری چھٹی کا دن بھی تبدیل کر دیا' پہلے سرکاری چھٹی جمعہ کو ہوتی تھی اب اتوار کو سرکاری چھٹی کا دن قرار پایا۔ Weekend کی چھٹی ہفتہ کے دن ظہر سے شروع ہوتی اور سوموار صبح تک رہتی۔

---

1۔ یہ وہ عظیم مسجد ہے جس کی بنیاد سلطان محمد فاتح نے اس روز رکھی جس روز اس نے نصرانیت کے مرکز قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ یہ دور مسلمانوں کے انتہائی عروج کا ہے۔ اتاترک نے اسے دوبارہ مسجد سے میوزیم بنا دیا۔ یہ دور مسلمانوں اور ترکوں کے انتہائی زوال کا تھا۔ دین سے وابستگی کے وقت وہ پوری دنیا پر غالب تھے۔ (مترجم)

حکومت نے دینی تعلیم کی ممانعت کردی وہ تمام مدارس جو پرائیویٹ طور پر تعلیم دیتے تھے بند کردیئے گئے۔ جامعہ استنبول میں الکلیۃ الشریعہ (شرعیہ کالج) میں طلبہ کی تعداد کم ہونے لگی اور بالآخر 1352ھ/1933ء کو اسے مکمل طور پر بند کردیا گیا۔
مصطفیٰ کمال کی حکومت نے ملک کو مغربیت کے رنگ میں رنگنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ ایک فیصلے کے مطابق ترکی ٹوپی پہننے پر پابندی عائد کردی اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ یورپی ملکوں کی طرح ہیٹ استعمال کریں۔(1)

1348ھ/1929ء میں حکومت نے زبردستی ترکی زبان کی کتابت کے لیے لاطینی حروف کو استعمال کرنے کی پابندی عائد کردی اور عربی رسم الخط کو ممنوع قرار دے دیا۔ اخبارات' کتابیں اور رسائل لاطینی رسم الخط میں شائع ہونا شروع ہوئے۔ عربی زبان کو کالجوں کے نصاب سے نکال دیا گیا' اسی طرح فارسی زبان کی تعلیم کو بھی ختم کردیا گیا۔ ترکی تالیفات کی طباعت کے لیے عربی رسم الخط کو بالکل ممنوع قرار دے دیا گیا' وہ تمام کتابیں جو استنبول کے پبلشنگ اداروں نے اس حکم سے پہلے چھاپ دیں ان کو مصر' ایران اور ہندوستان برآمد کردیا گیا اور ملک کے اندر کی عربی کتاب کی خرید و فروخت کی گنجائش باقی نہ رہنے دی اور اس طرح ترکی حکومت نے ایک طرف ترکی اور اس کے اسلامی ماضی کے درمیان تعلق کو ختم کردیا اور دوسری طرف ترکی کے باشندوں اور تمام عربی اور اسلامی ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے درمیان تعلقات ختم کردیئے۔(2)

اتاترک ترکی قوم میں قومیت کی روح پھونکنے لگا اور بعض مورخین کی اس بات سے خوب فائدہ اٹھایا کہ نہرین کے درمیان قدیم تہذیب یعنی سامری تہذیب کی زبان ترکی زبان سے ملتی جلتی تھی اس نے کہا ترک دنیا میں قدیم ترین تہذیب کے حامل لوگ ہیں کیونکہ اتاترک تمام اسلامی سرگرمیوں کے خلاف جنگ کرنے کے بعد ان تمام اقدار کا لوگوں کو نعم البدل دینا چاہتا تھا جو وہ انقلاب کی وجہ سے کھو چکے تھے۔ مصطفیٰ کمال نے اپنے لیے اتاترک کا لقب استعمال کیا جس کا معنی ہے "ترکوں کا باپ"۔(3)

اتاترک کی حکومت نے ہر اس رویئے کو ملک میں متعارف کرانے کی کوشش کی جو مغرب سے تعلق رکھتا تھا' ملک میں مختلف فنون کو اپنایا گیا' اتاترک کے بڑے بڑے مجسمے تمام بڑے میدانوں میں نصب کردیئے گئے۔ رقص و سرور کا سلسلہ شروع ہوا اور ترکی میں غیر ملکی وفود کا تانتا بندھ گیا ان میں سے اکثر فنکاروں کا تعلق فرانس اور آسٹریا سے تھا۔(4)

حکومت نے عورت کے پردہ کرنے پر پابندی لگادی اور بے پردگی کا حکم صادر کردیا' عورت پر مرد کے کنٹرول کو ختم کردیا اور اس بے پردگی اور عریانی کو آزادی اور مساوات کا نام دیا گیا۔ رقص و سرور کی محافل اور ایسے تھیٹروں کی حوصلہ افزائی کی گئی جن میں مرد و زن اکٹھے گاتے تھے اور رقص کرتے تھے۔

جب مصطفیٰ کمال نے "لطیفہ" کے ساتھ شادی کی جو ازمیر کے ایک مالدار باپ کی بیٹی تھی اور جس کی ازمیر کے یہودیوں کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے تو بھی مغربی رنگ اختیار کیا اور شادی مغربی طور طریقوں کے مطابق انجام پائی۔ مصطفیٰ اپنی بیوی کو لیے پورے ملک میں پھرتا رہا' وہ نیم عریاں لباس میں ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ نائٹ کلبوں میں اس کے ساتھ

---

1۔ حاضر العالم اسلامی (115/1)   2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ المسئلہ الشرقیۃ' دسوقی: ص (428-432)

جاتی اور مغربی آزادی کو عام کرنے اور اسلام کو لوگوں کے ذہن سے نکالنے کے لیے بھڑ کیلے لباس اور مغربی طرز کے زیورات میں کھلے عام اپنے خاوند کے ساتھ پھرتی۔(1)

مصطفیٰ کمال نے قرآن کریم کو ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور اس کے تمام معانی اور مدلولات بدل دیئے اور حکم دیا کہ اذان بھی ترکی زبان میں ہو۔(2)

تعلیمی نصاب میں بڑی تبدیلیاں کی گئیں' ترکی قومیت کے رجحان کو عام کرنے والی ماضی کی ترکی تاریخ کو دوبارہ لکھنے کا حکم دیا۔عربی اور فارسی کلمات کی جگہ خالص ترکی زبان استعمال کی گئی اور قدیم لاطینی زبان کے الفاظ کو یورپی الفاظ کے ساتھ تبدیل کر دیا۔

حکومت نے اعلان کیا کہ ہماری توجہ یورپ کی طرف رہے گی' عالم اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں' حکومت نے اسلام کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور ہر اس رجحان کو سختی سے ختم کر دیا جو کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات کے احیاء کا سبب بن سکتا تھا۔(3)

مصطفیٰ کمال کے ان اقدامات کے مصر' افغانستان' ایران' اسلامی ہندوستان' ترکستان اور عالم اسلام کے علاقوں پر بہت زیادہ اثرات مرتب ہوئے۔مغربیت کے ہمنواؤں اور استعماری ثقافت کے خادموں کو موقع مل گیا کہ وہ کلیدی آسامیوں کو حاصل کریں اور ترکی کو نمونہ بنا کر ترقی اور انقلاب کی باتیں کریں۔مصر کے اخبارات نے اہرام' سیاست اور معظم (مصر میں واقع ایک قدیم پہاڑ) اور ہر اس چیز کے بارے نعرہ لگانا شروع کیا جو اسلامی رجحانات کے کسی طرح بھی خلاف تھی' ایسے نظریات کے پرچار میں مغربی اثر ورسوخ' یہودی اور ماسونی امداد پوری طرح کارفرما تھی اور کئی لوگ محض ذاتی اغراض کے لیے ان دشمنان دین کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔

ان خبارات نے مغربیت کے جواز میں ترکی کی سیکولر حکومت کو بطور دلیل پیش کیا اور اس کی جدت پسندی کے ساتھ پورا پورا اتفاق کیا اور اس کے اقوال کو اپنی تحریروں میں نقل کیا۔مثلاً اتاترک کا یہ قول اخبارات کی زینت بنا: ''جدید ترکی کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں''، مصطفیٰ کمال نے ایک دن اپنے ہاتھ میں قرآن کریم لے کر کہا: قوموں کی ترقی ایسے قوانین اور اصولوں کے نفاذ کے ذریعے ممکن نہیں جنہیں گزرے ہوئے صدیاں بیت چکی ہوں۔

ترکی کی سیکولر حکومت جس کا سربراہ کمال اتاترک تھا جیسا کہ امیر شکیب ارسلان نے کہا ہے۔فرانس اور انگلستان کی طرز پر قائم ہونے والی کوئی دینی حکومت نہیں تھی بلکہ یہ ایک دین مخالف حکومت تھی' بالکل اسی طرح جس طرح روس میں اشترا کی حکومت قائم ہو چکی تھی کیونکہ مغرب کی لادینی حکومتوں نے باوجود اپنے انقلابات کے انجیل کے حروف' مذہبی رہنماؤں کے لباس' ان کے مذہبی تہواروں اور کلیساؤں میں کسی طرح کا دخل نہیں دیا تھا اور کلیساؤں کی سرگرمیوں پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔(4)

---

1۔حاضر العالم اسلامی (116/1)　　2۔حاضر العالم اسلامی (136-135-134)

3۔الاتجاہات الوطنیۃ محمد حسین: ص (100/2)　　4۔العلمانیۃ: ڈاکٹر سفر الحوالی: ص 573

مذہب بیزاری کی ترویج میں یہودی میڈیا نے بہت بڑا کردار ادا کیا جس طرح کہ اس نے اتاترک کی حوصلہ افزائی میں خوب کردار ادا کیا کہ وہ اسلام مخالف رجحانات کو عام کرنے کے لیے ہر حیلہ استعمال کرے۔ یہ اخبارات اسے باور کرار ہے تھے کہ قتل و غارت اور خونریزی جو اس کے ہاتھوں ہو رہی ہے وہ بالکل جائز ہے اور یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے' اسی طرح یہ اخبارات ترکی عورت کو عریانی' فحاشی اور آزادی کے نام پر بے حیائی پر آمادہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑے پلیٹ فارم کا کام دے رہے تھے جہاں سے وقتاً فوقتاً اسلام مخالف رجحانات کی تشہیر ہو رہی تھی' مثلاً شراب نوشی' جواء بازی اور زنا محض تمدن اور تہذیب کے مظاہر ہیں۔(1)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مصطفیٰ کمال عالم اسلام کے حکام کے لیے ایک واضح نمونہ بن گیا' اس کے بعد ہر آنے والے طالع آزمانے اس کے استبدادی اور ظالمانہ اسلوب سیاست کو اختیار کیا' نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ مغرب کے استعماری ملکوں نے اسلام کے خاتمے کے لیے اس کی کارروائیوں کو بطور دلیل پیش کیا۔ مثلاً فرانس نے شمالی افریقہ میں بسنے والے مسلمانوں کو جب جبراً عیسائی بنانا شروع کیا اور انہیں ان کے دین' عقیدے اور اسلام کو چھوڑ دینے پر مجبور کیا تو مصطفیٰ کمال پاشا کی اسلام مخالف سرگرمیوں کو بطور دلیل پیش کیا اور کہا کہ اس پر اسلام کو باقی رکھنے کا فرض ترک مسلمانوں کی نسبت زیادہ عائد نہیں ہوتا(2)۔(یعنی اگر خود مسلمانوں نے اسلام کو ختم کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے ہیں تو وہ ایسے اقدامات کرنے میں حق بجانب کیوں نہیں)۔

مصطفیٰ کمال ان بہت سارے حکام کا روحانی پیشوا بن گیا جنہوں نے رزیل دنیا کے لیے اپنی آخرت کو بیچ ڈالا۔

مسلمانوں نے اسلام مخالف ترکی کی سیکولر حکومت کے خلاف مسلح بغاوتیں کیں' سب سے اہم بغاوت جنوب مشرقی علاقہ میں 1344ھ کو ہوئی' اس کے بعد مینیمین میں 1349ھ کو بغاوت ہوئی' کمال اتاترک کی حکومت نے پوری شدت سے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی' ان بغاوتوں کا قلع قمع کر دیا اور بہت سارے علماء نے جان کے نذرانے پیش کیے اور پورا علاقہ اقتصادی اور علمی لحاظ سے تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔

اس کے بعد شیخ بدیع الزمان سعید نورسی کی سربراہی میں ''تحریک نور'' شروع ہوئی جسے بعد میں ان کے شاگردوں نے آگے بڑھایا۔ ''رسائل النور'' کے بہت سارے اسلامی رسائل لکھے گئے اور لوگوں میں اسلامی شعور پیدا کرنے اور کمال اتاترک کے اصولوں اور سیکولرازم کا مقابلہ کرنے کے لیے لوگوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس تحریک نے پرامن طریقہ تبلیغ کو اختیار کیا اور اسلحہ اٹھانے کا ارادہ نہ کیا۔ اتاترک نے شیخ کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی لیکن شیخ اس کے کہنے میں نہ آئے چنانچہ مصطفیٰ نے انہیں جلاوطن کر دیا۔ مصطفیٰ کمال ان کی اس بات سے سخت نالاں تھا کہ وہ لوگوں کو نماز کی دعوت دیتے ہیں' ان پر حکومت نے یہ الزام لگایا کہ وہ پارلیمنٹ کے ممبروں کے درمیان نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں' اس الزام کا جواب دیتے ہوئے شیخ نے کہا:

---

1۔ حاضر العالم اسلامی (117/1) 2۔ العلمانیہ: ڈاکٹر سفر الحوالی: ص 573

''اسلام لانے کے بعد عظیم ترین حقیقت جو انسان پر منکشف ہوتی ہے وہ نماز میں ہی منکشف ہوتی ہے اور جو شخص نماز نہیں پڑھتا خائن ہے اور خائن کی حکومت باطل اور مردود ہے''۔

چنانچہ آپ کو پہلے کچھ عرصہ تک قید میں رکھا گیا پھر جلاوطن کیا گیا اور الزام یہ لگایا گیا کہ یہ شخص حکومت کے نظام کو تبدیل کرنے کی سازش میں شریک ہے لیکن شیخ کی جلاوطنی کے باوجود بھی ''تحریک نور'' خفیہ طریقے سے یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ، فوج کی چھاؤنیوں اور ملک کے مختلف علاقوں میں جاری رہی۔ ایک مرتبہ شیخ کو اس جرم میں گرفتار کر کے عدالت کے سامنے پیش کیا گیا کہ انہوں نے اتاترک کو دجال کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ شیخ نے عدالت کے روبرو یہ بیان دیا:

''مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ ایک طرف تو ایسے لوگوں کو جو قرآن' اس کے بیان اور اس کے معجزات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور اسلام کے بارے تبادلہ خیال کرتے ہیں مجرم ٹھہرایا جاتا ہے اور دوسری طرف سیاست اور خفیہ تنظیم سازی، کو قرآن کریم کے خلاف جھوٹ باندھنے اور اس کے حقائق کو مسخ کرنے کی کھلی چھٹی دی جاتی ہے اور اسے ان کا مقدس حق اور آزادی فکر کا نام دے کر قرآن کریم کے ساتھ استہزاء کرنے کی آزادی دی جاتی ہے لیکن قرآن کریم کا نور لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کو روشن کر رہا ہے جو اس کے دستور سے وابستہ ہیں اور اسے حکومت شر پسندی' خباثت اور سیاست کا نام دے کر بجھانا چاہتی ہے۔ سن لو! اے وہ لوگو! جو دنیا کے بدلے اپنا دین بیچ چکے ہو اور اپنے کفر کے سامنے مکمل سر جھکا چکے ہو: میں جب تک زندہ ہوں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حق کی آواز بلند کرتا رہوں گا' تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔ ہماری تو یہ دلی تمنا ہے کہ ہمارے سر اسلام کے حقائق میں سے ایک چھوٹی سے حقیقت پر قربان ہو جائیں''۔(1)

شیخ کو دوبارہ جلاوطن کر دیا گیا اور 1367ھ تک آپ جلاوطن رہے حتیٰ کہ حکومت مسلمان قوم کے مطالبات کو پورا کرنے پر مجبور ہو گئی اور دینی سرگرمیوں پر سے کسی حد تک پابندی اٹھالی گئی۔ (2)

1349ھ میں اتاترک کی سیکولر سیاست اس کی پارٹی حزب الشعب الجمہوری (جمہوری وطن پارٹی) کے منشور میں بالکل نمایاں ہو گئی پھر 1355ء میں دوبارہ اس کو جلا ملی اور اس پارٹی نے ترکی کا دستور ترتیب دیا' اس دستور کے چھ اصول ہیں جنہیں پارٹی کے بیان کے مطابق چھ حصوں میں بیان کیا گیا اور وہ چھ اصول ہیں' قومیت' جمہوریت' نیشنلزم' انقلاب اور ملک کا غلبہ (3)

اتاترک 1356ھ میں فوت ہوا' اپنی موت سے پہلے وہ مسلمانوں کے نہ چاہنے کے باوجود ترکی کو سیکولر بنا چکا تھا' اپنی موت سے کئی سال پہلے مصطفیٰ ایک ایسی بیماری کا شکار ہوا جس کی وجہ سے وہ اپنی پہچان مکمل طور پر کھو بیٹھا اسے لاعلاج ناقابل برداشت امراض نے گھیر لیا' ان امراض کا اصل سبب اس کی شراب نوشی تھی' وہ ایک مدت سے شراب نوشی کر رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا جگر بہت بری طرح متاثر ہوا اور اس کے اعصاب نے کام کرنا چھوڑ دیا' اسے شکستگی اور کمزوری نے آلیا' اس کی طبیعت کافی حد تک تنہائی پسندی ہو گئی' اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ ڈکٹیٹر اپنی سختی' وحشیانہ سزاؤں اور خود غرضی میں اپنی مثال آپ بن گیا۔ (4)

---

1۔ حاضر العالم اسلامی (122/1) 2۔ ایضا 3۔ ایضا، (116/1) 4۔ المسئلۃ الشرقیۃ' محمد ثابت شاذلی: ص 242

# اختتامیہ

ان آخری سطور کا اختتام میں یہ کہہ کر پیش کرسکتا ہوں کہ ہمارے آج کے مولوی صاحبان کو لگتا ہے کہ مغربی فکرو فلسفہ ان کو بس کمپیوٹر کے کورسِس اور انگریزی سیکھنے سے سمجھ آجائیگا،ان مضامین کی نصاب میں شمولیت ہی ان کو وقت و حالات کے ساتھ چلنے کے قابل بنادیتی ہے، سوچا جائے کہ کیا نیچرل سائینسِس،سوشل سائینسس،لنگوسٹک،کمپوٹر سائینسس،میڈیکل سائینسس کی تحصیلِ علم کے بغیر کیا مدارس کو قومی دھارے میں لانا ممکن ہے؟،حلانکہ جدید دور کا انگوٹھا چھاپ فرد بھی اسمارٹ فون سے لیکر ڈیسک ٹاپ تک کو چلانے میں کسی سے پیچھے نہیں رہاہے، یہ بحرحال سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ اس عامی، غیر سند یافتہ فرد نے اسکول ،مدرسہ اور جامعہ وغیرہ سے کچھ بھی پڑھا نہیں ہوتا ہے،مگر اسے اسمارٹ فون اور ڈیسک ٹاپ چلانا آتا ہے،تو پھر کمپیوٹر کے تعارف اور کی بورڈ چلانے سے ہی کیا ، کوئی بھی فرد کمپیوٹنگ کی دنیا کا چیتا بن جاتا ہے یا مانا جاسکتا ہے؟ ہمیں اس قسم کی باتوں اور ان کی نزاکتوں پر سوچنا ہوگا،ہمیں نظر سے دس قدم آگے ایڈاونسڈ عمل تک جانا ہوگا۔

یہ کس قدر المیہ کی بات ہے کہ ہمارے کسی مسلم مدرسہ سے لے کر جامعاتی نظام تک استشراق کا کوئی شعبہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے، لہذا علمی محاذ پر ہمیں مغرب سے نبرد آزما ہونے کی تربیت حاصل نہیں ہے،مگر اس کی تقلید کرکے اس سے متاثر ہونے کی تربیت ہمیں بچپن سے پچپن تک فراہم کی جاتی رہی ہے،یہ ایک ایسا المیہ فکر ہے کہ ہم اور ہمارے علما یہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ ہمارے کون کون سے فعل مغرب کی دین رہے ہیں،اور کس طرح ہم جھالت سے اس قسم کے مغربی پہلووں کو مشرف بہ اسلام کرنے میں لگے ہوئے ہیں، چناچہ تحقیق و جستجو سے ہمیں یہ فرق معلوم کرنا ہوگا کہ مغرب کا کونسا امر اسلام سے مطابقت رکھتا ہے اور کونسا ظاہر میں اسلامی دکھتا محسوس ہوتا ہے مگر باطن میں اس کے عین الحاد و کفر بھرا پڑا ہے۔

انسانی حقوق سے جمہوریت تک کی مبادیات اسی قسم کے مغربی الحاد سے بھری پڑی ہیں ،مگر جماعت اسلامی نما جماعتیں جمہوریت کو شوری و اجماع سے جواز دینے میں لگی ہوئی ہیں،چناچہ صرف کمپیوٹر کھول کر،گوگل سرچ کرکے،یوٹیوب ،واٹس آیپ پر باتیں کرنے سے کوئی فرد جدید مغربی معیار کے برابر نہیں آجاتا ہے، کیونکہ مغرب کو حقیقت میں سمجھنا کل حیات تحقیق و مطالعہ میں لگا کر ہی ممکن ہے،ناکہ صرف علم سیاسیات ،منطق و فلسفہ کی ایک دو درسی کتب سے یہ علم حاصل ہونے والا ہے،چناچہ مسلمانوں کو علمی طور پر مغرب کو اپنی نگاہ کی جگہ مغرب جیسا خود کی نگاہ میں خود کو سمجھتا ہے ،اسی طرح سمجھنا ہوگا، مگر اس کے لئے اسے ساتھ ساتھ بلا شبہ شرعی علوم پر بھی کامل عبور حاصل ہونا چاہئے،تاکہ اس کی ذات میں نفوذ پذیر راسخ شرعی علوم اسے سوشل سائینسس و مغربی فکر کی تحصیل کے دوران فکری ٹوٹ پھوٹ سے روک سکیں ، اس کو اپنے مقامی مدارس سے جامعات تک ایسی علمیت بیدار کرنی ہوگی جو مسلمانوں کو عیسیٰؑ اور مھدیؒ کے نزول و ورود کے وقت ان کی مدد کے قابل بناسکے۔

مسلمانوں کو یہ سوچنا ہوگا کہ اگر چہ آج وہ زوال پذیر ضرور ہیں ،مگر ہمیں اپنی حالت میں بدلاو لانے کی اشد ضرورت ہے لہذا ہمیں کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ مستقل قریب میں ہمیشہ اپنی اس موجودہ حالت میں نا رہیں، لہذا ان سے گزارش ہے کہ ہم لوگ کو من حیث القوم ،باہمی ایثار و قربانی دینی چاہئے، اور ہمیں حسد،بغض و کینہ سے دور رہنا چاہئے ،بلکہ ہم لوگوں کو بہ حیثیتِ مجموعی اہل افراد سے حسد و جلن کے چکر میں پڑکر ،ان کی ٹانگیں کھینچ کر امت کے اجماعی مستقل کو برائے مہربانی نقصان پہنچانے سے پرہیز کرناچاہئے، یہایک ذاتی نوعیت کا تجربہ و مشاہدہ رہا ہے کہ مسلمانوں میں سیاست کی اشتہا اور مقام و عہدے کی چاہ نے باہمی نفرت و تفرقہ کو عروج ثریا تک پہنچادیا ہے۔

لہذا اُنھیں اپنے غرور تکبر،خوش فہمی کے گرداب سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آکر اتنی ترقی ضرور کرنی ہوگی جو ان کے مسلم بھائی بہنوں کو کفر و الحاد کی دلدل میں ڈوبنے سے بچا سکے،شخصیتی تناظر میں ان کی مجموعی مسلم شناخت اتنی راسخ العقیدہ ہونی چاہئے کہ ابلیس و دجال مجموعی قوت لگا کر اپنے دجل،فریب سحر و اسرار کے بگولہ چلا کر بھی ان کو ہلا نا سکیں،یاد رکھیں کہ ،ماضی کا قسطنطنیہ ایک زوال پذیر اور کھوکھلا قسطنطنیہ ہوا کرتا تھا، اسے کے برخلاف ہمارے عصرِ حاضر میں موجود اس سے کئی ہزار گنا زیادہ طاقتور قسطنطنیہ عالمِ موجود میں موجود پائے جاتے ہیں ۔

جن میں سے اول واشنگٹن ہے تو دوسرا بیجنگ ہے،تیسرا ماسکو اور چوتھا،نیو دھلی ،پانچواں پیرس ہے، اس کے علاوہ برطانیہ و جرمنی سمیت یورپ و عالم میں کئے چھوٹے بڑے قسطنطنیہ الگ الگ موجود ہیں ،لہذا یاد رکھیں کہ ہر دور میں مسلمانوں کے سامنے نئے نئے قسطنطنیہ پیدا ہوتے رہیں گے، ان طاقتوں نے ایک چھوٹا تباہ کن اور نسل کش نیا قسطنطنیہ تل ابیب کی صورت میں پیدا کیا ہوا ہے،جو اسرائیل کا دارالخلافہ بن کر فلسطینی مسلم تشخص کا نیست و نابود کرنے میں لگا ہوا ہے،اور مغربی اقوام نے مسلمانوں کو نکیل ڈالنے کے لئے اسے سامنے کیا ہوا ہے، جیسا کہ اکتوبر ۲۰۲۳ کے حماسی حملوں کے بعد اسرایلی نسل کشی کی مدد کے لئے امریکہ و یورپ میدان میں اتر چکے ہیں ،یہ ہر دس بیس سالوں میں مسلمانوں کو احساس کمتری کا شکار کرنےکے لئے غلامانہ مقاصد کے حامل افکار پروان چڑھاتے رہتے ہیں،دہشت گردی اور دہشت گرد کی اصطلاحات بھی اسی قسم کے پسِ منظر کی حامل ہیں، چناچہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں ان کا یہ ناجایز لونڈا پھنستا ہوا دکھتا ہے تو امریکہ،فرانس و برطانیہ اس کو بچانے آگے آجاتے ہیں جرمنی تو ویسے ہی ہٹلر کے بعد انکا زر خرید لونڈا بن چکا ہے، عصر حاضر کا سرمایہ دارانہ جبر اتنا طاقتور ہوچکا ہے اور یورپ و امریکہ کی علمی قیادت روزی روٹی کے ہاتھوں اتنی بے بس ہوگئی ہے کہ وہ کسی جامعہ و کالج میں اسرائیل پر تنقید کرنے کی ہمت سے بھی محروم ہوچکے ہیں۔ ماضی کے جرمنی کو بطور مثال لے لیں ،اس کی خودی اینٹی سمیٹکازم نےدریا برد کردی ہے،لہذا اس چھوٹے قسطنطنیہ کو ختم کرنے سے قبل مسلمانوں کو علمی و فنی تیاری کرکے امریکہ و یورپ کے متنوع و مختلیف قسطنطنیاوں کو اپنی علمی ،معاشی،حربی و صنعتی یلغار سے تباہ و برباد کرنے ہوں گے، ایمانیاتی دعوں و یلغاروں کے نقطہ نظر سے ممکن ہے کہ ان کو حربی طریقہ سے زیر کرنا ممکن ہو۔ یہ امر جھادیوں اور چند ایک عجلت پسند چھوٹے طبقہ کو عمدہ ضرور لگ سکتا ہو، مگر فکری طور پر ان کو اس وقت تک ختم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جب تک کہ ان کے علمی و صنعتی دایرہ کار کے مقابل اپنا ذاتی فکری علمیاتی نظام طاقتور و بالاتر طریقہ سے مد مقابل قایم نہیں کرلیا جاتا ہے ،جو عامتہ الناس کو یہ سوچنے پر مجبور کردے کہ مسلم علمیاتی و عملی دایرہ کار ان کے مقلدانہ دایرہ کار سے ہزار درجہ بہتر اور ابدی نوعیت کا حامل ہے ۔

یاد رکھیں کہ ہر دور میں کل دنیا ایک طرف ہوگی،اور مٹھی بھر مسلمان دوسری طرف ہوں گے،جبکہ اربوں کی تعداد میں بستے مسلمان مذکورہ بالا قسطنطنیاوں کے فکری و عملی غلام ہوں گے اور بد قسمتی سے یہ لوگ غیروں کی حمایت میں ہمیشہ مٹھی بھر مسلمانوں کے داخلی و قریبی دشمن ثابت ہوں گے ،ان کے تن تو مسلمانوں کے ہوں گے مگر ان کے من کفر و شرک سے لبریز ہوں گے،وہ نسلی طور پر زیادہ اور فکری طور پر مسلمان کم ہوں گے۔ توحید کو بتدریج وسیع و رنگین مشرب الخیالی کی ندی میں ڈبونے کی شدید کوشش کی جایگی ،جو بہت حد تک عملی طور پر عرصہ دراز سے یورپی افکار کے اتبع میں شروع ہوچکی ہے،

مسلمانوں میں ہمیں علمی،تجربی،صنعتی و حرفتی طور پر اتنی خود اعتمادی پیدا کرنی ہوگی کہ وہ کسی نئے جمال الدین افغانی،کمال اتا ترک اور ماسونی سے متاثر نا ہوسکیں،لہذا اس دنیا میں رہ کر ہی ہمیں آخرت کی تیاری کرنی ہوگی،ہمیں مسلم تشخص و دین کے لئے قربانی دینی ہوگی ،جس کے لئے ہمیں اپنی علمی بنیادیں مضبوط کرنی ہوں گی،اپنی ذاتی نقل سے پاک مسلم ٹیکنالوجی کی تکمیل،تخلیق ،تشکیل و فروغ سے کام لینا ہوگا۔ یہ دنیا بھلے کسی کو مایا لگتی ہو یا مادی نظر آتی ہو مگر یہی ہمارا دارالامتحان ہے،جبھی امت کے اجتماع و فلاح کے لئے ہمیں وقت و حالات کو سمجھ کر تیاری کرنی ہوگی،خانقاہ میں وظیفہ پڑھ کر ذکر کی مجالس پڑھ کر ،چلےلگا کر اسلام کا دفاع ممکن نہیں ہوگا،ہمیں اپنی گلیوں سے باہر نکل دوسروں محلوں اور شہروں سے باہر نکلنا ہوگا،ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی سیاست و افادیت ترک کرنی ہوگی۔ ہمیں یہ امر سمجھنا ہوگا کہ بنیادی ساخت کا مسلمان ہونا کافی نہیں ہوتا ہے کیونکہ وسعت پذیر ملی و اجتماعی تناظر میں صرف پانچ وقت کی نماز ،زکواۃ و روزہ کی ادایگی سے مسلمانیت تشکیل نہیں پاتی ہے، یہ سوچنے و سمجھنے کی بات ہے کہ مسلمانیت جہاں ایک طرف ایک قلبی و فکری روح بھی رکھتی ہے تو یہ دوسری طرف ملی ذمہ داری کا نام بھی ہے،لہذا آپ لوگ نئے ترکی و ہندوستان یا موجودہ پاکستان سے اوپر اٹھ کر سوچنا ہوگا،مسلمانوں کی صفوں میں موجود نام نہاد وخام بھیڑئے و لومڑی نما مسلمان بننے سے بہتر ہے کہ آپ سب اسلام کے مومن بنیں اور اللہ کے دین میں پورے پورے چلے آئیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام پسندوں کی ایک خامی یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ ان کو لگتا ہے کہ بس خالص اسلام لے آو سارے مسایل یک مشت حل ہوجایں گے،یہاں خالص اسلام کا تعین بھی کچھ فرقوں کے افکارو نظریات پر بوجھ کا درجہ رکھتا ہے جو نسلی ،فقہی اور شخصیت پرستانہ تقلیدوں کی ایمانیات کے اسیر ہوچکے ہیں،یہ ایک الگ بات وبحث ہے کہ قران و حدیث سے راست خالص اسلام سمجھنے کی ہر کوشش کو مقلد اسلام ،غیر مقلد اور وہابی کے اسلام کی اصطلاح استعمال کرکے تحقیق کا خون کرکے ذاتی وجود و تعلق کے تناظر میں فرقہ وارانہ مومنیات کے تناظر میں رد کردیتا ہے،وہ احادیث میں مسلمانوں سے مخاطب نبی ﷺ کو براہ راست محدثین و سلف کی منہج کے مطابق دیکھنے کے منکر نظر آتے ہیں، یعنی یہ کہ وہ ماخذات کو اپنے متعینہ فقہی و شخصیاتی جوابات کے تابع کردیتے ہیں،جس طرح مارکس نے ہیگل کو اپنی بساط میں سیدھا کرکے کمیونزم کی فکر یعنی ساینٹفک علمیت سے دنیا کو روشناس کرایا تھا۔

عین اسی طرح آیمہ اربعہ کے متعلق ان کے مقلدین کا خیال ورویہ رہا ہے، جیسا کہ جعفری لوگ بھی اس امر میں کافی حد تک ان کے ہم خیال نظر آتے ہیں ۔چناچہ اس امر میں کسی شک کی گنجایش نہیں ہونی چاہئے کہ ان لوگوں کی منہج و فکر نے قران و اصول حدیث کو آیمہ اربعہ کی اتباع کا تابع کردیا

ہے، یعنی کہ آسمان زمین بن گیا ہے اور ذمین کو ہی آسمان مان لیا گیا ہے،ان کو لگتا ہے کہ، یہ معتزلی دعوی درست ہے کہ محدثین بس نقل و روایت کی اہلیت کے حامل ہیں ان کی اہمیت عطاری و پنساری کی مانند ہے اور اہل فقہ کی اہمیت ڈاکٹر و حکیم کی مانند ہے، ان کو لگتا ہے کہ محدثین فتوی دینے کے اہل نہیں تھے -

یہ لوگ اس تاثر کو عام طور پر رایج کرتے ملتے ہیں کہ محدثین و رواۃ حدیث بس سند و راوی کی بحث سے اگے کچھ مقام و اہلیت نہیں رکھتے ہیں،یہ کج رو اذہان اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا کرتے پھرتے ہیں کہ فلاں فلاں محدث الٹا فلاں فلاں آیمہ اربعہ کا مقلد رہا ہے،اور فقیہ بس ثواب کی نیت سے استاد کو اعزاز بخشنے کسی محدث کے حلقہ میں جابیٹھتا تھا،حلانکہ یہ حضرات جن عالمانہ شخصیات کے نام اس ضمن میں گنواتے پھرتے ہیں ،ان کو بس فقہی طبقات میں موجود رجالوں میں ان کے متبعین و مصنفین کے دعووں کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے،اور یہ لوگ اس ذاتی ذکر کو بلا دلیل و متعلقہ موقف کے معیار و سند بنا دیتے ہیں،ورنا اگر ان ذکر کردہ شخصیات کی راست کتب و افکار دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان حضرات کی کتب و موقف ان آیمہ کرام سے کافی الگ نظر آتے ہیں جن کے فقوں تک یہ لوگ ان کی ملقدانہ تناظر میں نسبتیں قایم کرتے نظر آتے ہیں -

ان سے کوئی جا کر پوچھے کہ ملا جی دواوں کی معلومات کیا آسمان سے اترتی ہیں یا دواوں کی تخلیق و صنعت کاری کے ماہر و منبع بھی آپ ہی ہیں؟ ،ان حکیموں اور ڈاکٹروں کے پاس فارماکوپیا،اور فارما گائیڈ کے معیار و اصول کے بغیر کیسے دواوں کو سمجھنے کی اہلیت پہنچتی ہے؟-کیا فارمیسی کی ڈگری والے کے بغیر اس کی تعلیم کے اصول و تمدن کے بغیر کیا وہ دوا مریض کو دینے کے اہل ہو سکتے ہیں، کیا ان دواوں کا الھام ان کو راست ہوتا ہے ،ہم معلوم کرتے ہیں کہ ان خوش فہم افراد کو یہ تک معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یورپ میں ڈاکٹر بس تشخیص کرتا ہے اور دوا فارمسٹ لکھ کر دیتا ہے،اور خود ڈاکٹر کو ہر کمپنی کا فارمسٹ ہی جاکر دواوں کی بابت معلومات فراہم کرتا ہے،وہ دواز سز کمپنیوں کے محققین ،سایئنسدانوں کی اہمیت،افادیت ،تربیت و اہلیت بھی فراموش کردیتے ہیں یہ مفتی نما حضرات اپنے وجود و فقہ سے متعلقہ شخصیات کے ماسوا ہر قسم کی تخصیص کار فراموش کردیتے ہیں، چناچہ دیکھا گیا ہے کہ ہمارے اہل فقہ اپنے علاوہ کسی کو تحقیق،جستجو، کا حق نہیں دیتے ہیں،مفتی حضرات خود کو چند کورسس پڑھوا کر اس سطح پر فایض کردیتے ہیں جہاں سے وہ ہر فن مولا بن جاتے ہیں، مگر دوسری طرف یہ لوگ وہ اپنے علاوہ کسی کو علمی بحث کا حق نہیں دیتے ہیں چاہے کوئی مقابلتاً،سند علم و تحقیق میں وہ ان سے کتنا ہی فایق کیوں نا ہو،ان کی نگاہ میں پی-ایچ-ڈیز درجہ کے محققین تک جاھل اور علم سے پیدل افراد ہوتے ہیں،ان کے نزدیک علم سے مراد صرف وہی معلومات ہوتی ہے جن سے ان کی نسبت ،تعلق و انسیت ہوتی ہے، ان کا ماننا ہے کہ پرفیسر صاحب شیطان کا خالص چیلا ہوتا ہے، نتیجتاً مسٹر اور مولوی میں اس قسم کی شخصیاتی معیار سازی علم کی موت کا اعلان کردیتی ہے،اور نئے خداوں کے عروج و فروغ کا حال معلوم ہونے لگتا ہے-

یہ لوگ کسی امام کے مدرسہ و منہج کی روشنی سے چھانے بغیر کسی شرعی مسلہ کو دیکھنے کے صاف منکر ہوتے ہیں- ان کا کہنا ہے کہ اللہ نے تاقیامت ہزاروں آیمہ کرام کو متروک کرکے بایبل کے چار نسخوں کی طرح چار اماموں کی فقہ کو ایسے ہی فرض کردیا ہے اور ان کو دین کا ویسا ہی خاتم و آخر بنادیا ہے جیسا نبی اکرمﷺ کو بنایا تھا -اصل مسلہ یہ نہیں ہے کہ خالص اسلام کیسا اور کس طرح کا ہے؟،اصل مسلہ یہ ہے کہ جدید تہذیب و تمدن میں خالص اسلام کو مابعد الطبیعاتی بنیاد پر کیسے فکری

وجوہری طور پر بنا کسی ترمیم و تخفیف کے کس طرح شارع علیہ السلام کی حقیقی مستند مرفوع و بلسند تعلیمات کے مطابق چلانا ممکن ہے؟،اور مقابلتاً جدید مغربی تمدن سے اختلاط کے بعد بھی کیسے اسلام کو خالص رکھنا ممکن ہے اور کیسے ،مغربی تہذیب کا ایسا جواب پیش کرنا قابل عمل ہے جو مسلمانوں کو اہل مغرب سے پیچھے بھی نہیں رکھے اور ناہی ان کو مغرب کا جاھل و اندھا مقلد بنائے رکھے ۔اس ضمن میں ہمارے مدارس و جامعات میں کس طرح طالب علموں کو جدید صدی کے لئے تیار رکھنا ہے،اس ضمن میں ہمیں فوق العلوم اساتذہ کی شدید ضرورت ہے، چناچہ جدید الخیال لوگ یہ علمی و فکری تضادات دیکھ کر فیصلہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہمارے مدارس جدید تعلیم کی مبادیات سے واقف نہیں ہیں لہذا جامعات مدارس کو دہشت گردوں اور لواطت کا چکلہ قرار دینے لگتی ہیں اور مدارس ان کو کھلا طوایف خانہ سمجھنے لگتے ہیں ،یوں مسٹر و مولوی کا تصادم ہر سطح پر بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے،سوالات وہیں رہ جاتے ہیں اور جوبات بلا علم بس قیاس پر استوار کردیئے جاتے ہیں۔

کہنے کو ایک طرح سے کچھ اہل علم،نے اسلام کے جدید جاہلیت بمعنی مغربی تہذیب و تمدن پر اطلاق و تعلق کو خاص جچی تلی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے، مگر کسی نے جوہری وافادی نقطہ نظر سے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے کہ اسلام کیسے قرون اولی میں ،کس طرح کن علتوں کی بنا پر، کس قسم کے زماں و مکان،میں نمودار ہوا تھا ؟،ماضی کے انبیا کرامؑ کے دور اور موجودہ دور کے اسلام میں کیا تبدیلی نمودار ہوگئی ہے؟،دین و عمل کی از سر نو قیام کی کوشش کے سامنے کونسی فکری و نظری دیواریں راستہ روکے کھڑی ہیں؟،اگر اس قسم کی علامتیں کبھی ماضی میں نمودار ہوئی بھی تھیں تو اس کی وجوہات آخر کار کیا تھیں؟ دینی تشریعی و فقہی منہج کی رو سے تدریج،تنزیل،عدم حرج،تقلیل التکالیف،ناسخ،منسوخ،تاویل،حکمت ،جوہر،عزیمیت و رخصت کا نبی اکرمﷺ کے دور کے اسلام کی کامیابی سے کیا تعلق تھا۔

لاتعداد قسم کے فکری سوالات ہمارے سامنے اذہان میں پنپ رہے ہیں جیسے یہ کہ اُس قرونِ اولیٰ کے ماحول کو کامیابی سے چلانے میں صحابہ کرامؓ کی جماعت نے کیا کردار ادا کیا تھا ؟ اگر وہ نا ہوتے یا ان سے قبل دور میں عیسیٰؑ کے حواری و اصحاب نا ہوتے تو سوچیں ان کے بغیر اسلام و عیسایت کی کامیابی کا تناسب کیا رہتا؟ان امور کو جوہری،فکری علت و معلول کے تناظر میں کیوں تعصب کی آنکھ کا شکار ہوئے بغیر نہیں دیکھا گیا ہے ؟پان اسلام یا اتحاد المسلمین کی قیمت کیا تھی،کیا ہے اور کیا ہوگی ؟،کیا مشرک مسلمین اور موحد مسلمین صرف لفظی اسلام کے اشتراک سے شیر و شکر ہوسکتے ہیں ؟ کیا کفر و ایمان میں میل ملاپ، تصادم کے بغیر ممکن ہے؟،کیا اتحاد امت کے نام پر دینِ خالص کو معزول کرکے لنگڑے لولے اسلام کو عمای عددی تناظر میں قابل قبول بنانا ان کے نزدیک جایز امر ہے؟ ،کیونکہ بادی النظر میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اتحاد بین المسلمیں کی نتایجی منزل ان کے نزدیک خالصتاً مغرب کے خلاف جہاد کے لئے ہر اس فرد کو متحد کرنا ہے جس کا نام و نسب مسلمیانہ اہلیت کی حامل ہو؟ کیا اسلامی حکومت کے قیام کے لئے دعوت دینے والے مسلم مشرکین موحد مسلمانوں کو برضابہ رغبت اسلامی ریاست میں کھلے عام دین اسلام کو غیر خالص رکھنے کی اجازت بقائے دایمی کے نام پر دینے میں خوش ہیں؟، یا ان کا مقصود کیا بس اسلام کے نام پر ریاست قایم کرنا ہے؟ یا مسلم لیگ کی طرح مسلم اسٹیٹ قایم کرکے اسلام کی خدمت مسلم ووٹ کے حصول کے تناظر میں کرنا ممکن ہے؟،بلکہ ان لوگوں سے یہ سوال بھی پوچھا جاسکتا ہے کیا یہ لوگ دین کی بجاآوری کے لئے ریاست کی قوت کو استعمال کرنے سے معذرت کرنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہوں گے یا سابقہ خلافتوں کی طرح

بہ جبر و قانون نافذ کرنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہوں گے ،جیسا کہ ایران،سعودیہ و طالبان کا عمل رہ ہے؟

تنظیمِ اسلامی اور جماعت اسلامی جیسی جماعتوں سے اس ضمن میں جواب مطلوب ہے کہ وہ کس منہج،ماڈل کے ریاست میں قیام اور اور اسلام کے کون کون سے پہلووں کے ریاست میں نفاذ کے داعی ہیں؟،واضح رہے کہ نام سے دونوں جماعتیں اسلامی ہیں مگر عملیات میں فقہ حنفی کو عوامی عدد کے تناظر میں فروع میں نافذ کرنے میں یقین رکھتی ہیں ،اگر ایسا ہی ہے تو پھر جمعیت علمائے اسلام اور جمعیت علمائے پاکستان کو کیوں نا خالص مسلکانہ تناظر میں یہ حق دیا جائے ، یوں انتشار کو ختم اور اتحاد کو ان میں محدود کردیا جائے؟کیا خالص اسلامی شرعی سسٹم اپروچ کے مقابل نئی تشکیہ اسلامی ریاست میں ضعیف و موضوع روایات سے تحریک یافتہ مسلم شرک و کفر کو ساتھ ساتھ برداشت کیا جایگا ؟جبکہ ہمارے یہاں ایک بڑی تعداد مزاری ،قبر پرستانہ ثقافت و ہمہ گیری کی قایل نظر آتی ہے،اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک بڑا مسلہ یہ بھی رہا ہے کہ یہاں عقیدے کو ریاست مسلکانہ بنیادوں پر پڑایوٹ و نجی مسلہ قرار دے کر اتنا ڈایورس کردیتی ہے کہ، عملاً ریاست سیکولر بن کر رہ جاتی ہے یوں اسلام کے درون خانہ کفر و شرک بھی تعبیر و موقف کی اصطلاحوں تلے پروان چڑھنے لگتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت حد تک یہاں فروعِ دین کو اصول کے برخلاف زیادہ اہمیت دے دی گئی ہے۔

یہ امر دریافت کیا جاسکتا ہے کہ کیا خلافت و ملوکیت کے بعد مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی ان صحابہؓ کو معیار بنا سکتی ہے ،جن کو مولانا نے اسلام کی تباہی کا موسس قرار دیا ہے؟،کیا ان سے روایت لے کر فقہ میں بروئے کار لایا جاسکتا ہے؟،کیا صحابہ کرامؓ کے بغیر قران و سنت تک بلراست رسائی ممکن ہے ؟ اگر نہیں تو اس کی سند کیا ہے؟کیا جذباتی نعروں ،اتحاد بین المسلمین کے نعروں اور اتحادوں کی عمریں تاریخی جانچ پڑتال کی رو سے اذلی و ابدی نوعیت کی حامل ہوتی ہیں؟،یا پھر اپنی فطرت و کیفیت میں بس چند لمحات کی دین ہوتے ہیں؟ ہم جانچتے پرکھتے ہیں کہ اس قسم کے چند سوالات و مسایل ہمارے سامنے مقبول عام ہوکر سینہ پھلائے کھڑے ہیں۔

ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ سلطان عبدالحمید،اتا ترک،افغانی، اور فری ماسونی وغیرہ آخرکار کن بنیادوں پر کن امور کے لئے باہم تگ و دو میں مشغول تھے،آخر کیوں ہماری ریاست نے اتاترک و افغانی کو مثالی روپ میں دکھانے کی ہمیں کوشش کی تھی اور عبدالحمید کو ترک پنج نسلوی حکمت عملی کے رواج سے قبل کیوں ایک ڈکٹیٹر کے طور پر دکھایا گیا اور اتا ترک کو تمام دین مخالفت ،جابریت کے باوجود ترک قوم کا مسلمہ باپ بنا کرپیش کیا گیا؟

یہ امر ہمیشہ ملحوظِ نظر رکھنا چاہئے کہ جدید ریاست سب سے بڑی وطن پرست بدمعاش ہوتی ہے،یہ ایک سرزمین میں بستے ایک اقتدار اعلی اور حکومت کے زیر سایہ چلتے نظام کا نام ہے جس میں کل آبادی ایک یکساں مرکزی وطنی زبان کی بنیاد پر میکاولین وطنی قوم بننے کی کوشش کرتی ہے،لہذا ریاست خود کو ہی اپنے آپ شہریوں کے لئے اصل مذہب ،اور خود کو ہی آئینی و قانونی خیر و اخلاقیات کا منبع و مصدر تصور کرتی ہے،نتیجتاً وہ خود کو عالمی آرڈر سے مماثلت و مطابقت پیدا کروانے کے لئے خود کو اس آرڈر و غالب نظام کے زیر اثر لے آتی ہے،اسی تناظر میں پاکستانی ریاست نے خود کے اسلامی تشخص کو فارن پالیسی اور رہنمائے آزادی کے مواقف کے ساتھ ساتھ رکھنے کے لئے جدید روپ دینے کی کوشش کی ہے،عملاً و نتیجتاً ایوب خاب،یحیی خان اور مشرف کی لبرل ،سیکولر،اور ماڈریٹ حکمت عملیوں کا حاصل و وصول یہی محسوس ہوتا ہے۔

چناچہ اسی روشنی میں ہماری ریاست نے مسلم تاریخ کے ماڈریٹ مسلم افراد کو ہی اپنا رول ماڈل تصور کیا ہے،روحانی تناظر میں اس کمی کو تصوف پرستی،مزار پرستی کے ذریعہ پورا کرنے کی کوشش یہاں مکمل طور پر کی گئی ہے اس کے برخلاف محدثانہ و فقیہانہ اسلام کو انھونے ہمیشہ، پروان چڑھانے کی مخالفت میں درون خانہ جدو جھد کی ہے،اتاترک سے مشرف تک ہمیں یہ جراثیم کامیابی سے سفر کرتے ملتے ہیں ،مگر دوسری طرف مشرف کی شخصیت ،دعووں میں کافی تصاد دیکھنے کو ملتا ہے۔

ایک طرف انھونے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ و یورپ کا اتحادی بننا قبول کیا،تو دوسری طرف افغان طالبان کی مرکزی قیادت کو تحفظ و پناہ بھی فراہم کی اور ان کو ان کے خلاف متوقع امریکی کاروایوں کی پیشگی معلومات فراہم کیں،انھیں محفوظ و خفیہ پناہ گاہوں تک رسائی دی گئی ،اسی طرح جہاں ایک طرف ملک میں دہشت گردی یا فرقہ وارانہ معاملات سے متعلق حربی گروہوں کے خلاف کاروایاں شروع کی گیں ہیں تو دوسری طرف مدارس کے دایرہ کار میں وسعت پیدا کرنے کو فروغ دیا گیا ہے،یہ بات بھی مشرف صاحب کے دور میں دیکھی گئی ہے کہ متحدہ مجلس عمل ،دفاع پاکستان کونسل کو امریکی دباو کے باوجود یہاں پاکستان میں پنپنے دیا گیا،بڑی تعداد میں مذہبی سیاسی قیادت کو مرکزی ایوان کا حصہ بنایا گیا۔

کراچی سمیت خیبر پختون خواہ میں جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی کی سیاست کاری کو فروغ دیا گیا،حد یہ کہ مشرف صاحب کے دور میں ہی ان کی سب سے بڑی مخالف و ناقد سیاسی جماعت، جماعت اسلامی کے نعمت اللہ خان کراچی کی ضلعی حکومت کے ناظم بھی بن گئے،اسی طرح جماعت اسلامی اسی نظام سے خیبر پختون و خواہ کی صوبائی حکومت کی شریک کار قرار پائی۔مشرف صاحب نے کھلے عام عملی طور پر کشمیری جھاد کی حمایت کو ہمیشہ جاری و ساری رکھا اور اکثر و بیشتر وہ جماعت الدعوہ اور حافظ سعید کو تحریک طالبان پاکستان سے مختلیف ،منفرد اور حریت پسند گروہ قرار دیتے پائے گئے ہیں ،تقابلتاً دیکھا جاسکتا ہے کہ اتا ترک کے برخلاف ہمارے حکمرانوں نے کلیتاً مذہب کو رد نہیں کیا تھا بلکہ مقامی ضروریات،عوامی مزاج ،خواہشات اور عقیدتوں کو مدنظر رکھ کر اس کی جدت کاری پر زیادہ زور دیا تھا۔

چناچہ ایوب خان صاحب نے جہاں کبھی ایک دور میں غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر فضل الرحمن کو فروغ دیا تھا تو اسی طرح مشرف صاحب نے بھی عامر لیاقت حسین،ڈاکٹر شکیل اوج اور جاوید احمد غامدی کی جدید اسلام کی تشریح و توضیح کو پروان چڑھایا تھا اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اسلامی نظریاتی کونسل سے لیکر وفاقی شرعی عدالت تک جدید اسلام کے داعی اہم مقامات پر فایض دیکھے گئے، جبکہ اس کے برخلاف ماضی میں ترکی میں کمالیت نے مذہب کو سرے سے نجی دایرہ کار میں اتنا محدود کردیا تھا کہ انفرادیت پسندی بھی اپنے مذہبی میلانات و رجحانات کے پبلک مقامات میں اظہار سے ڈرنے لگی تھی ،اسلامی آداب نشست سے اصول تہذیب تک کو وہاں بدل دیا گیا، اسی طرح واشگاف انداز میں ریاستی طور پر اسلامی آداب کو عربی تہذیب کی دین گردانا گیا،اس کے مقابل مقامی ترکی ازم کو فروغ دے کر اسلام کی ترک کاری کو پروان چڑھایا گیا اور یہ تشخص اب وہاں اتنا مضبوط ہوچکا ہے بیس سال سے اردواگان کی حکومت ترکوں کی جدت پسندی اور یورپیت پسندی کو ختم نہیں کرپائی ہے، چناچہ ترک ڈراموں سے خارج ہر جگہ تاحال اتا ترک ہمیں زندہ نظر آتا ہے۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سلطان سلیم نے ماضی میں جب مصر فتح کیا تھا تو وہاں سے ایک یرغمال عباسی خاندان کا فرد جس کی کہیں بھی ملکی ،ریاستی و روحانی حکومت موجود نہیں تھی،اور جس کے جدِ امجد کی حکومت صدیوں قبل تارتاریوں کے ہاتھ نیست و نابود ہوچکی تھی،جو خود بھادر شاہ ظفر کی طرح اپنے آپ پر بھی حاکم نہیں تھا وہ عثمانیوں کو اپنی روحانی خلافت منتقل کرگیا،چناچہ اس یرغمال فرد یعنی بنا حکومت و سیادت کے خلیفہ سے خلافت کی منتقلی کا خریطہ ، روحانیت پر استوار خلافت کے نام پر حاصل کرلیا گیا ، یہ ایک طرح سے کسی نسل پرست موقف سے دوسری نسل پرست جواز کی طرف منتقلی ،خلافت کے نام پر محفوظ کرنے کی ایک ناکام کوشش تھی۔اس نام نھاد یرغمال بے اختیار خلیفہ نے سلطان سلیم کو ایسی عباسی خلافت سونپ دی تھی جو کہ صدیوں قبل مغلوں تارتاریوں کے ہاتھوں تباہ حال ہوچکی تھی ،یہ ایک طرح سے بلکل اس سے بھی گیا گزرا معاملہ تھا جیسا کہ مستقبل میں شاہ عالم کے ساتھ پیش آیا تھا،جس کی سلطنت دھلی میں بھی صحیح طرح موجود نہیں تھی، اور یہی شاہ عالم ان انگریزوں کو اپنا غیر موجود سب کچھ سونپ بیٹھا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ انگریز تاجر وہ لوگ تھے جو پہلے ہی اپنی قوت و فتوحات کے دم پر ہر طرف مالک بنے بیٹھے تھے۔چونکہ شاہ عالم سمیت مابعد کے تمام بادشاہ ان ہی انگریزوں کے پینشن خوار تسلیم کئے کئے جاتے تھے ۔دیکھا گیا ہے کہ یہ شاہ صاحب انگریزوں کو اپنا نام نھاد کمزور و لاچار اقتدار اعلی سمیت سب کچھ سونپ بیٹھا تھا ،تاکہ روزی روٹی کے لئے اسے پینشن میسر آسکے۔ چونکہ انگریز بہ قوت اسکے ولی بنے بیٹھے تھے جبھی سکھوں،مراٹھوں اور باغی اعمال حکومت پر ان کا جوازِ حکومت مقابلتاً مضبوط ہوتاگیا۔

اس فتح مصر کے بعد یہ امر دیکھا گیا تھا کہ سلطان سلیم اول کی فتح مصر نے کبھی اسے خود کو نام نھاد خلیفہ کہلانے پر مجبور نہیں کیا، نتیجتاً وہ اور اس کی سلطنت عثمانیہ اس کے دور تک اتنی طاقتور و مضبوط ہوچکی تھی کہ انہیں امت مسلمہ کا روحانی خلیفہ بننے کا کوئی خواب و خیال صدیوں تک نہیں چرایا تھا، کیونکہ وہ عملی قوت کے حصول کے قایل تھے جو ان کے زور بازو ،شجاعت و دلیری کے دم پر قایم ہوئی تھی،چناچہ جانچا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاں اس روحانی خلافت کے خریطہ کی اہمیت کبھی نہیں دیکھی گئی تھی، لہذا عباسی خلافت کے سقوط نے خلفا کی روحانیت پر سوال پیدا کردئے تھے، ویسے عثمانی خلفا ایک طرح سے خود کو سلجوقوں کا تسلسل سمجھتے تھے،جو نام نھاد روحانی خلفا کا دلی احترام ضرور کرتے تھے مگر حکومت و غلبہ اپنا قایم کرنے کی کوشش کرتے تھے،لہذا سلجوقوں کے زوال ،عثمانیوں کے ابا و اجداد کے قبول اسلام،ارتغرل اور اس کی نسل کی مساعی جلیلہ سے صدیوں زندہ رہنے والی عثمانی سلطنت کا ارتقا شروع ہوا،جس کی قیمت منگولوں کے ہاتھوں یرغمال سلجوق حکومت کے خاتمے کی صورت میں نمودار ہوا۔

ہاں دور زوال میں ہندوستان کی زوال پذیر قوت و اور چھوٹی موٹی ریاستیں ان سے مدد کی خواہ رہتی تھیں،ٹیپو سلطان جیسا عظیم مجاہد بھی ترک سلطان کی مدد کا انگریزوں کے خلاف طلب گار تھا حلانکہ انگریز ان ترکوں کے اکثر و بیشتر اتحادی بنتے رہتے تھے،وہ کبھی کبھار ایسے یورپی اتحاد سے بھی تعلق قایم رکھا کرتا تھا جو اس دور میں فرانس کے خلاف بنتے رہتے تھے۔مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انیسویں صدی میں دور زوال کے آخری دور میں ترک سلطانوں نے خود کو خلیفہ ظاہر کرنے کی ابتدا کردی تھی،ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جیسے جید محقق و مورخ نے بھی اپنی معرکتہ الآرا کتاب ’’ برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ میں‘‘ اس امر پر کافی تعجب کا اظہار کیا ہے۔

**عزیزی اچکزئی کہتے ہیں کہ:**

مئی ۱۸٦۱ میں عبدالعزیز سلطان بن گئے، عبدالعزیز اپنے افتاد طبع کے بنیاد پر اپنی ذات کی سحر میں مبتلا تھے اور ایسے لوگ قدرتی طور پر تمام صلاحیتوں سے عاری بھی ہوتے ہیں چنانچہ سلطان عبدالعزیز نے سلطنت کی اصطلاح کو خلافت سے تبدیل کرنے اور خود کو پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے خلیفتہ المسلمین قرار دینے کا اعلان کردیا۔ پہلے سے دبے ہوئے علماء کے طبقے اور شیخ الاسلام کو بھی کسی ایسے مسیحا کی انتظار تھی چنانچہ وہ سب خلیفۃ المسلمین کی حمایت پر کمر بستہ ہوگئے مگر سلطان عبدالعزیز کی اصراف و تبذیر اور دوسری طرف مکمل نا اہلی کے باعث ان کے دور حکومت میں انہیں خود ہی سلطنت کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔ حالات اتنے ابتر ہوگئے کہ خود علماء بھی اپنے ممدوح سلطان سے متنفر ہوگئے، ان کے معزول ہونے کا فتوی جاری کر دیا گیا۔ سلطان نظر بند کردیے گئے اور نظربندی کے چاردن بعد انہوں نے خودکشی کرلی۔ عبدالعزیز کے بعد مراد خامس خلیفہ بن گئے اور ان کے بعد خلیفہ عبدالحمید ۔ شدید اندرونی و بیرونی دباؤ پر سلطان کو دسمبر ۱۸٧٦ میں ایک آئین کا اعلان کرنا پڑا جس کے تحت پارلیمنٹ قائم ہوئی مگر پارلیمنٹ کے صرف دو سیشنز ہوئے اور صرف ساڑھے تین مہینے بعد پارلیمنٹ کو برطرف اور آئین کو منسوخ کر دیا گیا۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی لگ گئی، سیاستدان جلا وطن کردیے گئے، ملک میں ہنگامی حالت نافذ کردی گئی اور اسلامی اتحاد کا نعرہ بلند کیا گیا۔

اب اصلاحات کے لیے شیخ الاسلام اور سلطان کی کشمکش نوجوانان ترک اور دوسری تحریکوں کی سلطان کے ساتھ آویزش میں تبدیل ہوگئی۔ ۱۹۰۸ میں نواجوانان ترک نے کامیاب بغاوت کرکے خلیفہ کو ۱۸۷۶ کے آئین کی بحالی کے اعلان پر مجبور کردیا یہ مسلم دنیا کی وہ پہلی مسلح بغاوت تھی جس کا مقصد نہ اقتدار کا حصول تھا نہ حکومت کو برطرف کرنا تھا بلکہ صرف اور صرف آئین کی بحالی تھی۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی جس نے پوری دنیا اور خصوصاً سلطنت عثمانیہ کو سخت متاثر کیا۔ افریقہ، یورپ اور ایشیا کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی سلطنت عثمانیہ کا دائرہ سکڑتا جا رہا تھا۔ بیرونی حملوں اور داخلی بغاوتوں کی وجہ سے چیکوسلواکیہ، رومانیہ، بلغاریہ، عراق، شام، مصر، لیبیا، حجاز وغیرہ سلطنت کے ہاتھوں سے یکے بعد دیگرے سرک رہے تھے۔ قصہ بہ ایں جارسید کہ کہ خود سلطنت عثمانیہ بھی عیسائی یورپ کے زیر نگین ہوگئی۔[136]

۱۸٦۱میں سلطان عبدالعزیز جس نرگیسیت کا شکار ہوکر ترک قوم کے لیے ایک مفید حکمران بننے کے بجائے پورے عالم اسلام کے لیے نمائشی خلیفتہ المسلمین بننے کے جس راستے پر گامزن ہوئے تھے ان کے جانشین سلطان عبدالحمید واقع ہوئے تھے جنہیں ترک قوم کے اقتصادی، علمی اورسائنسی زوال کے بجائے اس کی نظریاتی سرحدات کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔[137]

---

[136] https://www.humsub.com.pk/60396/azizi-achakzai-18/

[137] ایضاً

پہلی جنگ عظیم کا آغاز ویسےتو آسٹریا اور ہنگری کے ولی عہدشہزادہ فرانسس فرڈی ننڈ کے قتل کے بعد سربیا پر حملے سے ہوا تھا۔مگر جرمنی اور برطانیہ کی شمولیت نے اسے عالمی جنگ بنا دیا تھا ۔ جنگ کے اختتام پر دونوں فریقین نے خلافت عثمانیہ کو قربانی کا بکرا بنایا اور استنبول پر قبضہ کرکے ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کے معاہدہ مد روس ا اس کے بعد معاہدہ سیورے پھر فرانس اور برطانیہ کے بدنام زمانہ خفیہ معاہدے سائیکوس پیکوٹ کے ذریعے عثمانی سلطنت کے مذید حصے بخرے کردیئے گئے۔ مصطفی کمال پاشا نے مغربی استعمار کے خلاف بغاوت کرکے ترکی کو اس سے نجات دلائی اور مقبول حکمراں بن گیا۔ آزادی کی آڑ میں اقتدار پر قابض ہوکر اُس بدبخت نے ۱۵۱۷ء میں قائم ہونے والی خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ۱۹۲۴ء کو کردیااس لیے کہ دین اسلام ہر طرح کی آمریت کا دشمن ہے۔

مصطفی کمال اتاترک نے ترکی سے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کرنے کے بعد سیکولر ازم کو فروغ دی

اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے اس نے فوج اور دیگر حکومتی اداروں میں صرف سیکولر نظریات کے حامیوں کی بھرتی شروع کردی۔آزادئ نسواں کا بہانہ بناکر حجاب پر پابندی لگادی اور عورتوں کوجبراً مغربی لباس زیب تن کرنے پر قانون کے ذریعہ مجبور کیا گیا، مذہبی قوانین کو کالعدم قراردے کر مصطفٰی کمال پاشا نے ترکی کے سرکاری اداروں میں اللہ اور اس کے رسول کا ذکر حرام ٹھہرا دیا، اس نے اسکولوں کے تعلیمی نصاب میں عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط رائج کروایا – اذان اور نماز کے کلمات کی عربی میں ادائیگی پر پابندی لگاکر اس کا ترک زبان میں آغاز کروایا گیا ۔ مدارس بند کردیئے گئے، کئی مساجد پر قفل چڑھا دیے گیے۔

ترکی کو جدید ڈھانچے میں ڈھال کر یوروپ سے ہم آہنگ کرنے کیلئے سرکاری سرپرستی میں فحاشی، عریانیت، رقص وسرود کے ادارے اور شراب خانے قائم کئے گئے ، برطانیہ اور جرمنی کے بعد ترکی کو شراب سازی میں تیسرامقام حاصل ہو گیا، مغرب زدہ اشرافیہ کے ایک جدید طبقہ عالم وجود میں لاکر اس کی مدد سے آمرانہ طرزِ حکومت کو مضبوط تر کردیا گیا۔ دین بیزار سیکولر آئین ترتیب دے کر اس کے تحفظ اور تنفیذ کی ذمہ داری فوج کے سپرد کر دی گئی۔ فوج نے بزور قوت سیکولر دستور، نظریات اور قوانین کو ترک عوام پر مسلط کیا، جسے بادلِ ناخواستہ ترک عوام نے قبول کرلیا۔ یہ سارا ظلم و جبر ترک عوام کے دلوں سے دین اسلام کی محبت کو ختم نہیں کرسکا اوروہ اپنے دل میں ایمان چھپائےروشن مستقبل کے خواب بنتے رہے۔

خالص سیکولرقوم پرست مصطفی کمال اتاترک ۱۹۳۸ء میں وفات پاگیا ۔ اس نے اپنے نام کے پہلے حصے مصطفی کو حذف کر کے اپنی شدت پسند اسلام دشمنی کا پہلا ثبوت دیا تھا۔ وہ بالآخر یہ وصیت کرکے دنیا سے گیا کہ اس کا نہ جنازہ پڑھا جائے اور نہ اسلامی طریقے سے تدفین کی جائے۔جتنے سال اس نے حکومت کی اتنے ہی برس اس کی لاش بے گور و کفن محل میں پڑی رہی۔ ۱۹۵۳ء میں اس لاش کو دفنادیا گیا۔[138]

138

ڈاکٹر سلیم خان: اسلامی خلافت کی جانب رواں دواں ترکی کی عظیم پیش رفت

اگر بادی النظر سے دیکھا جائے تو یہ کتاب ایک طرح سے سلطان عبدالحمید کی شخصیت،سلطنت عثمانیہ ،ماسونیت ،تصوف،جدیدیت،مغربیت اور سازشی نظریات کے مختلیف اطلاقی پہلووں پر گفتگو کرتی نظر آتی ہے،اس میں آپ کو ماسونیت و یہودیت کے تناظر میں جہاں سلطان عبدالحمید کے کردار پر روشنی ڈلتی معلوم پڑتی ہے، تو وہیں ساتھ ساتھ کمال اتا ترک،افغانی کے افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ ان کے ماسونیت سے تعلق کو بھی جابجا ظاہر کیا گیا ہے۔یعنی بیک وقت یہ کتاب جدیدیت و قدیمیت کی باہمی کشمکش کی ایک جنگ عظیم اول سے قبل کی داستان بھی ہے تو دوسری طرف ماسونیت پر مختلیف پہلووں سے متنوع آرا بھی یہاں پیش کی گئی ہے۔چونکہ ڈیڑھ دو سال سے ہم ترک ڈرامہ سلطان عبدالحمید کے سبب سلطان کو عوام کی نگاہ میں مقبول ہوتا دیکھ رہے ہیں[139]،لہذا یہ کتاب ڈرامہ کو مذید نکھار کر پیش کرنے کی حالت میں نظر آتی ہے،چناچہ میں نے یہاں موافق و مخالف دونوں مواقف پیش کردئے ہیں۔چناچہ آپ حضرات کتاب کے حصہ دویم میں جناب ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی کو کمال اتا ترک کا نقد کرتے دیکھیں گے تو وہیں قارین ساتھ ساتھ سلطان عبدالحمید کو ایک مسلمان کی نگاہ سے دیکھتا محسوس کریں گے ،یہاں ہمارے سیرت نگار صاحب ترک و عرب کی مخاصمت سے نکل کر سلطان کو مثبت طور پر غیر قوم پرستانہ تناظر میں پیش کرتے نظر آیئں گے۔ تحقیقی تناظر میں سلطان عبدالحمید اور اتا ترک پر جایزہ کتب بھی اس ناچیز نے ماخذاتی تناظر میں بذریعہ فہرست حصہ اول میں پیش کردیا ہے۔

یہ تحریر سمجھیں ایک سال کی محنت کا نتیجہ ہے ،اس میں سیکولر الفکر جدیدیت پسندوں کے محبوب رہنما کمال اتا ترک کی داستان زیست مختصر مگر جامع انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے،اتا ترک کو قوم پرستانہ تناظر یا مغربی نواز تناظر میں جو اہمیت و مقام حاصل ہے،وہ سیاسی فکری حلقوں سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ، بلکہ اس پر اتنا کچھ لکھ دیا گیا ہے کہ اس پہلو کو مذید بیان کرنا صفحات کی ضخامت و طوالت کو انتہا سے زیادہ طول دینا ہی تصور ہوگا،جبھی اس پہلو کو میں نے زیادہ اہمیت نہیں دی ہے،کیوں کہ ہماری یہ تحریر ہماری نصابی تاریخ کی ایک طرح سے نفی ہے،جبکہ اس کی شخصیت کے سلبی پہلو لوگوں کے ہاں اتنے غیر معروف رہے ہیں کہ جدید الخیال مغرب نواز ماڈرن لوگ تو چھوڑیں کٹر مولوی بھی اس بابت کچھ زیادہ لکھ نہیں سکے ہیں۔چناچہ جو امر لوگ نہیں جانتے تھے وہ میں نے یہاں پیش کردیا ہے،باقی میرا یہ بلکل دعوی نہیں ہے کہ میرے سوا اس بابت کوئی کچھ نہیں جانتا ہے،ظاہر ہے یہ کتاب اور اس میں حوالہ جاتی مندرجہ جات اس موقف کی نفی کرتے ملتے ہیں،مگر اتنا مجھے بخوبی اندازہ ہے کہ ان مباحث کو جاننے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

ممکن ہے کتاب کے نتایج و عواقب شخصیت پرستوں کے یہاں کسی اہمیت کے حامل نا رہے ہوں،کیونکہ انسانی فطرت شخصیت پرستی کو مذہب و الحاد دونوں ہی میں دایروں میں ایمانیاتی تناظر میں پروان چڑھتا دیکھتی ہے، مگر مسلم پرسپیکٹو یا مومنانہ بصیرت کے تناظر میں یہ باتیں ہماری سوچ و فکر،کجرویوں کو اجاگر کرتی نظر آتی ہیں،آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری ریاست سے مولوی تک نے

---

https://mazameen.com/world/%D8%A7%D8%B3%D9%84%D8%A7%D9%85%DB%8C-%D8%AE%D9%84%D8%A7%D9%81%D8%AA-%DA%A9%DB%8C-%D8%AC%D8%A7%D9%86%D8%A8-%D8%B1%D9%88%D8%A7%DA%BA-%D8%AF%D9%88%D8%A7%DA%BA-%D8%AA%D8%B1%DA%A9%DB%8C-%DA%A9%DB%8C-%D8%B9.html

[139] یاد رہے کہ اس ناچیز نے یہ ڈرامہ سرے سے تاحال ابھی تک دیکھا ہی نہیں ہے۔معج

ہمیں کس طرح من پسند شخصیات کا ذہنی غلام بنادیا ہے،اس ضمن میں ہم کیا مسٹر اور کیا مولوی کسی کو بھی بری قرار نہیں دے سکتے ہیں۔قدامت ہو یا جدیدیت دونوں کی اپنی اپنی فکری اقداری منہج ہوتی ہیں،اور دونوں ہی اپنے جوابات مخصوص دایرہ کار میں محدود رکھتے ہیں۔ان دایروں سے خارج کسی امر کا مطالعہ مشاہدہ ہمارے یہاں سمجھیں بہت قلیل ہی دیکھنے کو ملتا ہے،سمجھ لیں کہ اعتدال پسند موقف ہویا انصاف پسندی کے جتنے بھی دعوے دونوں جانب سے پیش ہوں،دونوں ہی اپنی مخصوص مابعد الطبیعات سے اوپر کچھ سوچنے کرنے کی حالت میں نہیں ہوتے ہیں اور یہ کچھ کرنا بھی نہیں جانتے ہیں۔

خالصتاً مطلق اعتدالیت یا انصاف پسندی بس مفروضات تک ہی محدود رہتی ہے،عملی طور پر ان کو متوازن حالت میں پڑھنا اور سمجھنا سوشل میڈیا کی تخریب کاری،اور مابعد الجدیدیت کی لہر کے سبب اب بس خواب ہی رہ گیا ہے۔ جبھی ہم اس بابت اپنے متعلق کچھ کہنے کی حالت میں نہیں ہیں،مگر صلابی صاحب کی بابت یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھونے عربی قوم پرستانہ بصیرت کے جواز کو اسلام پسند ترک کی طرح اجاگر کرنے سے دوری بنائے رکھی ہے۔انھونے سلطان کو مسلمانوں کے رہنما کے طور پر دیکھا اور بیان کیا ہے،انھونے ترکوں کی طرح خود کو بیک وقت ترک و مومن نہیں سمجھا ہے بلکہ مسلمان بن کر لکھا ہے۔ جدید آرٹ آف وار میں بہ نظر غایر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ترک پنج نسلوی حالتِ جنگ ایک ایسے سپر ہیومن عظیم مسلمان کی بات کرتی دکھتی ہے ،جس میں ترک نسل و خون ان کی نگاہ میں اتنی عظمت پیدا کردیتے ہیں کہ یہ رفعت کسی عرب ،فارس و ہند میں کامل ڈھونڈھنا مشکل پڑجاتا ہے،ہر ڈرمہ،ناول و افسانہ میں مٹھی بھر ترک ہی کل عالم کی بڑی قوتوں کو جابجا شکست فاش دیتے نظر آتے ہیں،اس تناظر میں ارطغرل غازی اور کورلوس عثمان عمدہ مثالیں ہیں۔یعنی کہ ترک نسل و قوم ایک عصبیاتی مابعد الطبیعات کے باوجود مثبت قوت بن کر مسلم شخصیت کو نکیل پہنا کر چلاتی معلوم پڑتی ہے۔ ویسے یہ مت بھولا جائے کہ یہ عصبیت جہاں جہاں ہوتی ہے وہاں قوم پرستی،نسل پرستی و شخصیت پرستی کو جلا ملتی جاتی ہے۔حلانکہ ایک مومن کی اول و آخر منہج ،مقصود و غایت اسلامی رو سے کامل طور پر بلاشرکت غیرے صرف اسلامی نوعیت کی حامل ہوتی ہے۔امید ہے کہ قارین ہماری اس ناقص عاجزانہ کوشش کو صبر و برداشت سے قبول فرمایئں گے اور ہمارے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ اختیار کریں گے۔

**ڈاکٹر محمد علی جنید**

# کتابیات اور ویبلیات

## حصہ اول


ابو الحسن ندوی۔اسلام اور مغربیت کی کشمکش۔مجلس نشریات اسلام۔کراچی۔

بشیر احمد۔فری میسنز۔اسلام دشمن خفیہ تنظیم۔اسلامک اسٹڈی فورم۔راولپنڈی۔۲۰۰۱۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی۔اسلام اور سیکولرازم۔ عالمی ادارہ فکر اسلامی۔۱۹۸۱۔

شیخ علی الوردیؒ۔ لمحات اجتماعیۃ فی تاریخ العراق الحدیث۔(عربی)

مبارز الدین رفعت:جمال الدین افغانی(مرتبہ)۔نفیس اکیڈمی۔حیدآباد دکن۔ہند۔

خیر الدین زرکلی:الاعلام۔بیروت۔(عربی)

رابرٹ ڈریفس۔اسلامی بنیاد پرستی کی تاریخ(مترجم:یاسر جواد)نگارشات۔لاہور۔۲۰۲۱۔

سید رشید رضا۔ تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ۔دارالفضلیۃ۰(عربی)

عمر رضا کحالۃ۔ معجم المؤلفین تراجم مصنفي الکتب العربي۔موسسہ الرسالتہ۔دمشق۔(عربی)

ڈاکٹر منظر عباس نقوی۔ خطوط اقبال بنام عطیہ فیضی:جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش۔

محمد مخزومی۔ خاطرات جمال الدین الافغانی۔ طبع بیروت ۔ (عربی)


**English Books**


H.C.Armstrong.Greywolf.penguin.uk

Irfan and Margaret Orga - Ataturk-Michel joseph-london

Dlip hero.Holy Wars: The Rise of Islamic Fundamentalism. Routledge;NY. First Edition -1989.

Nikki Keddie- Sayyid Jamal al-din al- al-Afghani: A Political Biography-University of California.press.1972.

**Webliography**

https://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%81%D8%B1%DB%8C_%D9%85%DB%8C%D8%B3%D9%86

https://en.wikipedia.org/wiki/Irfan_Orga

https://kitabosunnat.com/kutub-library/dolat-e-usmania-1

https://www.britannica.com/event/Armenian-Genocide

https://en.wikipedia.org/wiki/Historical_Armenian_population

https://www.mfa.gov.tr/the-armenian-allegation-of-genocide-the-issue-and-the-facts.en.mfa

https://magazine.mohaddis.com/home/articledetail/1638

https://forum.mohaddis.com/threads/%D8%A7%D8%B3%D9%84%D8%A7%D9%85-%D9%BE%D8%B3%D9%86%D8%AF-%D8%A7%D8%AA%D8%A7%D8%AA%D8%B1%DA%A9%DB%94%DB%94%DA%88%D8%A7%DA%A9%D9%B9%D8%B1-%D9%81%D8%B1%D9%82%D8%A7%D9%86-%D8%AD%D9%85%DB%8C%D8%AF.22673

https://dailypakistan.com.pk/31-Dec-2013/67405

https://magazine.mohaddis.com/home/articledetail/1638

https://www.bbc.com/urdu/world-57480101

https://www.bbc.com/urdu/vert-fut-53401780

http://urdulughat.info/words/12708-%D9%82%D8%A8%D8%A7%D9%84%DB%81

https://forum.mohaddis.com/threads/%D8%BA%DB%8C%D8%B1-%D9%85%D8%B0%DB%81%D8%A8%DB%8C-%D8%B1%D9%88%D8%AD%D8%A7%D9%86%DB%8C%D8%AA.29050/

https://magazine.mohaddis.com/home/articledetail/2132

https://www.humsub.com.pk/76729/ammar-ghazanfar-7/

https://faraan.org/%D9%82%D8%A8%D8%A7%D9%84%DB%81-%DA%A9%DB%8C-%D8%B1%DA%A9%D9%86-%DB%8C%DB%81%D9%88%D8%AF%DB%8C-%D9%84%DA%91%DA%A9%DB%8C-%DA%A9%DB%92-%D9%84%D8%B1%D8%B2%DB%81-%D8%AE%DB%8C%D8%B2-%D8%A7%D8%B9%D8%AA%D8%B1/

https://rvpapers.com/ur/kindred-souls-kya-hyn-rohanyt-kbalh-roh-ky-sathyon-aor-mzyd-ky-lyy

https://www.urduweb.org/mehfil/threads/%D8%A7%D8%A8%D8%AC%D8%AF%DB%8C-%D9%86%D8%B8%D8%A7%D9%85.52684/

https://www.wordproject.org/bibles/ur/24/32.htm

https://www.suchtv.pk/urdu/world/item/25568-titanic-culprit-escaped.html

www.Ancestry.com

https://www.nuktaguidance.com/jadu-nagri-episode5/

http://lib.bazmeurdu.net/622/

https://www.urduweb.org/mehfil/threads/%D8%B3%DB%8C%D8%AF-%D8%AC%D9%85%D8%A7%D9%84-%D8%A7%D9%84%D8%AF%DB%8C%D9%86-%D8%A7%D9%81%D8%BA%D8%A7%D9%86%DB%8C-%DB%94-%D8%AF%D9%88%D8%B3%D8%B1%D8%A7-%D8%B1%D8%AE.50976/

https://alwaqiamagzine.wordpress.com/2014/02/16/sayyid-jamal-ad-din-al-afghani-the-another-face/

https://www.mukaalma.com/45521/-

https://www.humsub.com.pk/60396/azizi-achakzai-18/

https://mazameen.com/world/%D8%A7%D8%B3%D9%84%D8%A7%D9%85%DB%8C-%D8%AE%D9%84%D8%A7%D9%81%D8%AA-%DA%A9%DB%8C-%D8%AC%D8%A7%D9%86%D8%A8-%D8%B1%D9%88%D8%A7%DA%BA-%D8%AF%D9%88%D8%A7%DA%BA-%D8%AA%D8%B1%DA%A9%DB%8C-%DA%A9%DB%8C-%D8%B9.html

**اخبارات و رسایل**

نوائے وقت، ۱۴، نومبر:۱۹۹۹۔ع

روزنامہ نوائے وقت، لاہور:۷ ،نومبر:۱۹۹۹۔

منشور:۱۶ تا ۳۰ ،نومبر:۱۹۹۹

ماہ نامہ :محدث:لاہور:جنوری:۲۰۰۰۔

## حصہ سویم

## ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی

۱۔محمد حرب ۔السلطان عبدالحمید ثانی۔

۲۔ڈاکٹر اسمعیل۔الدولتہ العثمانیہ فی التاریخ۔

۳۔ڈاکٹر محمد حرب۔مذکرات السلطان عبدالحمید۔تقدیم :حرب۔

۴۔ڈاکٹر اسمعیل یاغی:الدولتہ العثمانیہ۔

۵۔ساطع الحصری:االبلاد الغربیہ ولدولتہ العثمانیہ۔

٦۔ابراہیم حلمی بک:التحفتہ الحلیمیہ فی تاریخ الدولتہ العلیہ

۷۔ڈاکٹر عبدالعزیز العمری:الفتوح الاسلامیہ عبر العصور۔

۸۔احمد عبدالرحیم مصطفی:فی اصول التاریخ الاسلامی۔

۹۔ڈاکٹر محسن عبدالحمید:جمال الدین الافغانی المصلح المفتری علیہ۔

۱۰۔ڈاکٹر حمود احمد الرحیلی:الماسونیہ الموقف الاسلام منہا۔

۱۱۔موسوعہ اتاتورک:؟(کتاب کی حوالہ جاتی فہرست میں اسکا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے ،مگر حواشی میں اسکا حوالہ ملتا ہے،آن لاین بھی میں اتا ترک پر کوئی انسایکلو پیڈیا ڈھونڈھ نہیں پایا ہوں)

۱۲۔عثمان الارکین:تاریخ التربیتہ الترکیہ۔

۱۳۔مصطفی طوران:الانقلاب العثمانی۔

۱۴۔جریدہ ترجمان حقیقت:رسالہ مزالصین:۱۳۲۵ ہجری۔

۱۵۔ڈاکٹر موفق بنی المرجہ:صحوہ الرجل المریض۔

۱۶۔ڈاکٹر جمیل مصری:حاضر العالم الاسلامی۔

۱۷۔ڈاکٹر احمد نعیمی:الیہود والدولہ العثمانیہ۔

۱۸۔ڈاکٹر علی حسون:تاریخ الدولتہ العثمانیہ۔

۱۹۔محمد لازعبی:حقیقتہ الماسونیہ۔

۲۰۔محمد مصطفی:الحرکتہ الاسلامیہ الحدیثہ۔

۲۱۔مصطفی طوران:الیہود الدومتہ۔

۲۲۔جندی(؟):السلطان عبدالحمید و الخلافتہ الاسلامیہ۔

۲۳۔محمد اور خان:السلطان عبدالحمید:حیاتہ واحداث عہدہ۔

۲۴۔ڈاکٹر محمد حرب:العمانیون فی التاریخ الحضارۃ۔

۲۵۔ڈاکٹر شناوی:الدولتہ العثمانیہ۔

۲۶۔محمد زاہد عبدالفتاح ابو غدۃ:التاریخ العثمانی فی شعر احمد شوقی۔

۲۷:الشوقیات:دیوان احمد الشوقی۔

۲۸۔محمود ثابت الشاذلی:المسالہ الشرقیہ،دراستہ وثایقیہ،عن الخلافتہ العثمانیہ۔

۲۹۔محمد حسین:الاتجاہات الوطنیہ۔

۳۰۔ڈاکٹر سفر الحوالی :العلمانیہ۔

# فری میسنز،کمالیت، اور جدیدیت کا تحقیقی جایزہ:سلطان عبدالحمید کی حیات و خدمات کے تناظر میں

تدوین و تحقیق

ڈاکٹر محمد علی جنید

مصنفین

ڈاکٹر محمد علی جنید

ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی

جامعہ کراچی دارُالتحقیق برائے علم و دانش